علمی ، دینی ، اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

ویلور

إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

دار العلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۱ واں شمارہ

اللطیف

زیرِ حمایت و سرپرستی:

شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری

دامت برکاتہم العالی سجادہ نشینِ خانقاہِ حضرت قطبؒ ۔ ویلور

مدیر مؤسس:

حضرت اقدس مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر قادری رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ اجراء: برموقعہ جلسہ تقسیم اسناد۔ ۱۰ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۳ھ م 3 ر فروری 1993ء بروز چہار شنبہ

● زیرِ نگرانی:

مولانا مولوی سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب عرف فصیح پاشاہ بی کام، (عثمانیہ)
ادیب فاضل (مدراس) ناظمِ دار العلوم لطیفیہ، ویلور

مولانا مولوی سید شاہ ہلال احمد صاحب۔ قادری عرف ہلال پاشاہ صاحب
نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

● زیرِ ادارت:

مولانا مولوی پی محمد ابوبکر صاحب ملیباری لطیفی قادری مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

مولانا مولوی حافظ ابو النعمان شبیر الحق قریشی قادری مدرس دار العلوم لطیفیہ ویلور

● نمائندگانِ طلباء:

۱	مولوی علی اکبر	پنم کوڈ	(کیرلا)
۲	سید نور اللہ حسینی	بیجاپور	(کرناٹکا)
۳	ایل [illegible] رحمت اللہ	پی ٹی ایم	(آندھرا)
۴	حافظ محمد عبد الشکور	سدھاپور	(کرناٹکا)
۵	حافظ محمد حسین جنگی	سروار	(کرناٹکا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ مضامین سالنامہ "اللطیف" سنہ ۱۴۱۳ھ م سنہ 1993ء

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
1	غزل	قدوۃ السالکین شیخ المشائخ حضرت رکن الدین سید شاہ ابوالحسن قادری قربی رحمۃ اللہ علیہ	5
2	رباعیاتِ امجد	حضرت امجد حیدرآبادی	6
3	افتتاحیہ	ادارہ	7
4	روئداد دار العلوم لطیفیہ	ادارہ	15
5	جواہر القرآن	حافظ مولوی بشیر الحق قریشی قادری صاحب	18
6	جواہر الحدیث	" " " " "	25
7	تعلیم طفلاں	مولانا سید شاہ عثمان قادری عرف فصیح پاشا صاحب ایم اے ناظم دار العلوم لطیفیہ	32
8	فصل الخطاب (حضرت قطب ویلورؒ)	مترجم حافظ مولوی بشیر الحق قریشی قادری صاحب	36
9	منظرِ ایثار و ہمدردی	مولوی محمد رمضان قادری صاحب استاذ دار العلوم	97
10	دُعا اور مقامِ دعا	مولوی حافظ عبداللہ خان مجاہد " " "	104
11	علمائے دین مختلف طبقوں میں	مولوی سید ریاض الدین صاحب " "	109
12	نقوشِ طاہر	ادارہ	115
13	فتوای	ادارہ	120
14	مکتوبات حضرت قطبؒ ویلور	مترجم حافظ مولوی بشیر الحق قریشی قادری صاحب	127
15	انشائے عقائدِ ذوقی	مترجم مولانا سید حمید اشرف الجیلانی کچھوچھوی	136
18	مولانا عبدالحیٔ احقر بنگلوری	سید علیم الدین علیم صبا نویدی بی اے	148
19	قاضی بدر الدولہ	ڈاکٹر سید سجاد حسین ۔ مدراس یونیورسٹی	156
20	محدث دکن	ڈاکٹر محمد مصطفے شریف ۔ مدراس یونیورسٹی	161

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
21	اسلام، ایمان، احسان	شیخ عبدالرحیم صاحب قادری کامی	165
22	جواہر السلوک	ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی مدراس یونیورسٹی	170
23	جواہر الحقائق	مترجم ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی	186
24	خوارقِ حیدریہ	ادارہ	198
25	اطاعتِ والدین	یل۔ رحمت اللہ متعلم زمرۂ سادسہ	~~220~~ 201
26	جادۂ اعتدال	حافظ جی ہدایت اللہ درجۂ ششم	206
27	فضائلِ صدیقِ اکبرؓ	شیخ عبداللہ زمرۂ سادسہ	210
28	ان اللہ یحب التوابین	سید محمد عمر زمرۂ سادسہ	214
29	آفتابِ دکن	حافظ محمد فریدالدین عرف امجد پاشا لطیفی	219
30	اولیاء اللہ (عربی)	اے کے علی اکبر قادری زمرۂ سابعہ	225
31	قصیدۂ حضرت ذوقیؔ	مترجم سید وحید اشرف کچھوچھوی۔ مدراس یونیورسٹی	231
32	نعتِ شریف	ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی	230
33	سلام بہ حضور خیر الانامؐ	علیم صبا نویدی	230
34	نعتِ شریف	ڈاکٹر سید اشرف کچھوچھوی۔ مدراس یونیورسٹی	224

غزل

از

قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ

حضرت رکن الدین

سید شاہ ابو الحسن قادری قربی رح

پیش کش: مولانا سید شاہ ہلال احمد صاحب قادری المعروف بہ ہلال پاشاہ صاحب

نائب ناظم دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطب رح ویلور

●

تدبیر تو کرتے ہیں تقدیر خُدا دینا   دارو بھی کھلاتے ہیں تاثیر خدا دینا
ہر میر جو آتا ہے، عالم پہ ستم کرنے   عالم پو کرم کرنے کوں میر خدا دینا
اس نفس کے اندے سوں ہونیکو خلاص اکثر   پیراں تو پکڑتے ہیں پن پیر خدا دینا
ہر فقر جو آتا ہے بیگی سوں گزر جاتا   پن فقر ہمارے کوں تیسیر خدا دینا
پابوس سوں عالم کی توقیر نہیں آتی   بندے کوں عنایت سوں توقیر خدا دینا
فِیْ اَنْفُسِکُمْ بولیا عرفاں کے گہر رولیا   اس آیتِ مشکل کے تفسیر خدا دینا

اس زہدِ ریائی سوں دل صاف نہیں ہوتا
قربی بو سیاہی کوں تنویر خدا دینا

●

رُباعیاتِ امجد

لَاموجُود اِلّا اللّٰہُ

ہیں مستِ مئے شہود تُو بھی میں بھی
ہیں مدعیٔ نمود تُو بھی میں بھی
یا تو ہی نہیں جہاں میں یا میں ہی نہیں
ممکن نہیں دو وجود تو بھی میں بھی

وجودِ وہمی

دنیا والو! ثبات دنیا میں نہیں
اک لحظہ قرار موجِ دریا میں نہیں
عالم کا وجود صورتِ لا سمجھو
لفظاً موجود، اور معنیً میں نہیں

کلامُ اللّٰہ

قرآنِ کریم میں کرامت دیکھی
ہر جُزو کے ساتھ کُل کی شرکت دیکھی
ہر منزل کو اُسی کی منزل پایا
ہر سُورۃ میں خُدا کی صورت دیکھی

لَآ اِلٰہَ اِلّاھُوَ

اب جلوۂ غیرِ حق ہے ہر پہلو میں
ہے دار و مدارِ زندگی مَیں تُو پر
کہہ لیجئے آغاز میں، مَیں ہوں تُو ہے
ہے خاتمہ لَآ اِلٰہَ اِلّاھُوَ پر

از امجد حیدرآبادی

افتتاحیہ

ادارہ

اسلام نے علم دین کی تحصیل و تکمیل اور اس کی تبلیغ و اشاعت اور اس پر عمل کرنے سے متعلق جو ہدایت اور ترغیبات اور تہدیدات دی ہے ان سے خواتین کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا اور ان کا تو دینی علم سے آراستہ و پیراستہ رہنا اتنا ہی ضروری اور لازمی ہے جتنا کہ جسم کی نشو و نما کے لیے عمدہ غذا و پاک صاف آب و ہوا کا ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ایک لڑکی کی تعلیم ایک خاندان اور ایک کنبہ کی تعلیم ہے۔ اور اگر کسی خاتون کا دامن علم و فضل کی موتیوں اور جواہر سے خالی رہا تو اس کے زیر سایہ پرورش پانے والی اولاد بھی علم و فضل کی نعمت سے محروم ہو سکتی ہے۔ اور ضلوا فاضلوا (خود بھی گمراہ اور دوسروں کے لیے گمراہی کا موجب) کے مصداق ماں کی جہالت اور بے علمی اولاد کی جہالت اور بے علمی کا باعث ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ عورت کے گفتار و کردار، فعل و عمل، سیرت و شخصیت اور عادات و اطوار کا عکس اولاد کے قلب و ذہن پر شعوری اور غیر شعوری طور پر واقع ہونا ایک امرِ مسلم ہے۔ اسی لیے پیغمبر اسلامؐ نے جہاں مردوں کو دین کا علم حاصل کرنا فرض قرار دیا وہاں عورتوں کو بھی دین کا علم حاصل کرنا فرض قرار دیا۔ ایک مشہور حدیثِ شریف ہے: اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ علم حاصل کرو کہ اگرچہ کہ اس کی تحصیل کے لیے دنیا کے دور دراز ملک کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔ بے شک علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔

اولاد کی جسمانی پرورش و پرداخت اور ان کی تعلیمی اور اخلاقی نگہداشت و تربیت اور ان کی ذہنی و قلبی اور روحانی آراستگی میں عورت کے کردار کی اسی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر ہادیٔ عالم، معلم اخلاق حضور پُر نور سیدنا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور تادیب کی جانب توجہ دلائی۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث دعوتِ غور و فکر دے رہی ہیں۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال ثلث بناتٍ

اوثلث اخوات اواختین او بنتین فادبھن واحسن الیھن وزوجھن فلہ الجنۃ ۔ (ابوداؤد)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو بیٹیوں کا بار اٹھایا اور انھیں اچھی طرح تعلیم دی اور ان کی تربیت کی اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح کردیا تو اس کے لیے جنّت ہے ۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیمۃ انا وھو ھکذا وضمّ اصابعہ (مسلم)

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور انھیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن انگلیوں کی طرح مِل کر ساتھ رہیں گے ۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولدت لہ ابنۃ فلم یوذھا ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ علیھا یعنی ـ الذکور ادخلہ اللہ بھا الجنۃ ۔ (حاکم)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذا دی اور نہ اس کی اہانت و بے قدری کی اور نہ محبت والفت میں لڑکوں پر اس کو ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ اس کو لڑکی کے ساتھ اس سلوک کے صلہ میں جنّت عطا فرمائے گا ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادِ مبارک کے ذریعہ لڑکیوں پر لڑکوں کو فوقیت و ترجیح دینے کا انسداد فرمایا اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر والدین کو یکساں توجہ دینے پر زور دیا ہے ۔

تعلیم اور تادیبِ نسواں کے بارے میں زبانِ نبوّت نے یہاں تصریح کی ہے کہ جو لوگ اپنے ماتحت اور متعلق خواتین کو بھی تعلیم و تربیت اور حسنِ ادب سے مزیّن کریں گے تو انکو اس کام پر اجر و ثواب دیا جائے گا ۔

رجل کانت عندہ امۃ بطأھا فادبھا فاحسن تادیبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا فتزوجھا فلہ اجر (صحیح البخاری: باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ)

ابو بریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے نزدیک باندی ہو اور وہ اس کو اچھی تعلیم دے اور اس کی اچھی تربیت کرے اور اور اس کو آزاد کرے اور اس سے نکاح کرے تو اس کے لیے اجر و ثواب ہے ۔

اسے ادب سکھائے

اس حدیث سے اگر یہ استدلال کیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ جو اشخاص اپنے رشتہ دار اور متعلقین اور امّت کی غریب لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست کریں تو وہ بھی اس بشارت کے مستحق اور اہل ہیں۔

قرآنِ کریم نے ایجاز و اختصار اور جامعیت کے پیرایہ میں خواتین کی تعلیم و تربیت کا حکم کس انوکھے انداز اور دلپذیر اسلوب میں دیا۔ ملاحظہ کیجئے: یا ایہا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ہ (تحریم۔)

اے ایمان والو! اپنے نفوس کے ساتھ اپنے اہل و عیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

ظاہر ہے کہ اہل و عیال کو دوزخ سے بچانے کی واحد صورت یہی ہے کہ انہیں علم اور حسنِ اخلاق سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت و فرماں برداری میں زندگی گزار کر اپنے آپ کو نارِ جہنم سے بچالیں۔ اسی لیے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کو نصیحت فرمائی۔

ماں باپ کی جانب سے اولاد کے لیے بہترین عطیہ اچھی تعلیم ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

عن ایوب بن موسیٰ عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانحل والد ولدہ من نحل افضل من ادب حسن۔ (مشکوٰۃ)

ایوب بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دے سکتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا: آدمی کا اپنی اولاد کو علم اور اخلاق سے سنوارنا، اس کا صدقہ و خیرات کرنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ عن جابر بن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَاَن یؤدب الرجل ولدہ خیر لہ من ان یتصدق بصاع (ترمذی)

احادیثِ نبویؐ کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خواتین علم سیکھنے اور شرعی مسائل اور احکام سے واقفیت حاصل کرنے میں پیچھے نہیں رہتی تھیں اور نبیؐ کریمؐ بھی ان کی تعلیم و تربیت کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرماتے تھے۔ اور عورتوں کے مجمع میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور ان کو تعلیم دیتے تھے اور اس کام کے لیے ہفتہ میں ایک دن مخصوص فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث قابلِ مطالعہ ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک فواعدھن یوماً لقیھن فیہ فوعظھن

وامرھنّ۔ (بخاری: باب ھل یجعل للنساء یوما علی حدۃ فی العلم)

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خواتین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیشہ مرد ہی آپؐ کو گھیرے ہوئے رہتے ہیں۔ لہذا آپ ہمارے لیے بھی وقت دیجیے! پس آپؐ نے اُن کے لیے بھی ایک دن مقرر فرمایا۔ جس میں آپؐ عورتوں کو تعلیم دیتے اور احکام و مسائل بتلاتے اور ان کے سوالات کے جواب مرحمت فرماکر تشفی کا سامان کرتے۔

عن زینب بنتِ امّ سلمۃ قالت جاءت ام سلیم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ان اللہ لا یستحی من الحق فھل علی المرأۃ من غسل اذا احتلمت۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأت الماء فغطّت ام سلّمۃ تعنی وجھھا وقالت یا رسول اللہ او تحتلم المرأۃ قال نعم تربت یمینک فبم یشبھھا ولدھا۔ (بخاری)

زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام سلیمؓ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوی اور عرض کی: یا رسول اللہ! حق تعالیٰ حق بات پوچھنے سے حیا نہیں کرتا۔ کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے جب کہ اُسے احتلام ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جب وہ تری دیکھے۔ پس ام سلمہؓ نے شرم سے اپنے چہرہ کو [illegible] اور پوچھا: اللہ کے رسولؐ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ پھر کیوں کر اس کا لڑکا اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

قال مجاھد لا یتعلم العلم مستحی ولا مستکبر وقالت عائشۃ نعم النساء نساء الانصار لم یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین۔ (بخاری: باب الحیاء فی العلم)

مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شرم کرنے والا اور تکبر کرنے والا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں میں انصاری خواتین بہت اچھی ہیں۔ اُن کے لیے دین سیکھنے میں شرم و حیاء حائل اور مانع نہیں ہے۔

عورتوں کی تعلیم و تربیت میں امہات المؤمنین کا بھی کافی حصّہ رہا، چوں کہ یہ خود بھی علم و فضل اور کمال سے آراستہ و پیراستہ تھیں۔

چناں چہ حضرت عمر بن خطاب کی صاحبزادی اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو قرآن و حدیث، شعر و ادب اور علم انساب و طب

وتبحر میں کمال حاصل تھا۔ اور فقہی مسائل و احکام میں ان کی گہرائی اور گیرائی اور بصیرت کا یہ عالم تھا کہ خواتین ہی نہیں جلیل القدر صحابۂ کرامؓ بھی اُن سے استفادہ فرماتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

ہمیں کسی بھی مسئلہ کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو ہم حضرت عائشہؓ کے پاس چلے جاتے اور وہ نہایت عالمانہ طریقے سے اس مسئلہ کو حل کر دیتیں۔

مسروق ہمدانی کہتے ہیں: کہ میں نے اکابر صحابہؓ کو حضرت عائشہؓ سے میراث کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔

عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حلال و حرام کے مسائل، علوم و فنون، شعر و ادب میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو باخبر نہیں دیکھا۔

علم و فضل اور کمال و بصیرت کے اعتبار سے امہات المؤمنینؓ میں حضرت عائشہؓ صدیقہ کا مقام سب سے بلند و بالا اور اعلیٰ ہے۔ آپؓ بیک وقت مفسر، محدّث، فقیہ، مفتی، اور مجتہد تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؓ نے جو حدیثیں بیان کی ہیں ان کی تعداد ۲۲۱۰ تک پہنچتی ہے۔ اور صرف بخاری میں آپؓ کی روایت کردہ حدیثیں ۲۴۳ ہیں۔

دین میں امہات المؤمنین کے اسی علمی مقام و مرتبہ کے باعث قرآنِ کریم نے ان پر یہ فریضہ عائد کیا کہ وہ دوسروں کو علم سکھلائیں۔ واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من ایٰت اللہ والحکمۃ۔ (الاحزاب) یاد رکھو اور بیان کرو اللہ کی آیات اور حکمت کی ان باتوں کو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔

عورتوں کی تعلیم و تربیت کی نبویؐ تحریک کے یہ اثرات تھے کہ بعد کے ادوار میں بھی اہلِ علم و فضل نے بھی تعلیم نسواں کی جانب اپنی توجہات مبذول رکھیں۔ جن کے نتیجے میں ایسی ایسی خواتین منصبِ شہود پہ جلوہ گر ہوئیں جن کے علم و فضل اور کمال کی خوشبو سے ایک جہان معطر ہوا۔ سیّدنا غوث پاک کی والدہ ماجدہ کے علم و فضل اور حسنِ تادیب کا ثمرہ تھا کہ پیرانِ پیر و شیخ جیلاں آسمان علم و ادب کا درخشاں ستارہ بن کر چمکے اور اپنے علوم و معارف سے اشخاص و خواتین کے دلوں کی دنیا سنوار دی۔ اور حضرت رابعہ بصریؒ کا علم و فضل اور ان کے افاداتِ علمیہ بھی اپنی جگہ ایک مسلّم

شئی ہے۔ اس مقام پر شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی کی خادمہ کے علم وفضل اور بصیرت کی مثال بھی بے محل نہ ہوگی۔

ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک حدیث کی تحقیق اور جانچ پرکھ کے لیے حضرت شیخؒ کے مکان پر آئے خادمہ گھر سے نکلی اور آنے کی غرض دریافت کی۔ جب اسے ان لوگوں کا مقصد معلوم ہوا تو حدیث پڑھنے کے لیے کہا۔ خادمہ کے اصرار پر لوگوں نے حدیث پڑھ کر سنائی۔ خادمہ نے سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ حدیثِ رسولؐ نہیں ہے۔ اس کے بعد معاملہ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے بھی خادمہ کے قول کی تائید وتصدیق کی۔ پھر حضرت شیخ نے خادمہ سے پوچھا کہ تم نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ حدیثِ رسولؐ نہیں ہے۔ حالاں کہ تم نے حدیث کی کوئی کتاب پڑھی ہے نہ اسناد واسمائے رجال کی کوئی خبر ہے؟ خادمہ نے کہا کہ جب میں آپ کو حدیث کے الفاظ پڑھتے ہوئے سنتی ہوں تو اپنی آنکھوں سے انوار وتجلّیات کا نزول دیکھتی ہوں۔ لیکن اس حدیث کی سماع کے وقت یہ کیفیت مجھے محسوس نہ ہوی۔ اس لیے میں نے اُس سے حدیث کی نفی کردی۔

تعلیم نسوان کے باب میں جنوبی ہند کے اندر مجدّدِ جنوب حضرت قطبِؒ ویلور اوران کے اکابراوران کے تلامذہ اور دیگر حضرات کی مساعئ جمیلہ بھی قابلِ قدر اور لائقِ ذکر ہے۔ حضرت قطبِؒ ویلور کے تلامذہ اور مریدین کی تعداد ساٹھ لاکھ سے متجاوز تھی اور آپ سے فیض پانے والوں میں ایک کثیر تعداد خواتین کی بھی تھی جس کی وجہ سے آپ ہر ہفتہ پابندی سے عورتوں میں تقریر فرماتے تھے۔ تاکہ اُن کے عقائد واعمال کی اصلاح ہو سکے اور وہ دین کے احکام ومسائل سے واقف ہوسکیں۔ صاحبِ "ضمیمۂ جواہر السلوک" رقمطراز ہیں:۔

"ہر جمعہ در مردان و ہر سہ شنبہ در زنان وعظ می نمود۔" ہر جمعہ مردوں میں اور ہر منگل عورتوں میں وعظ کرتے تھے۔

حضرت قطبِؒ ویلور کے والدِ ماجد حضرت سیّد شاہ ابوالحسن محوی قادری ویلوری علیہ الرحمۃ اگرچہ کہ صاحبِ جذب اور استغراق بزرگ تھے۔ تاہم آپ نے بھی خواتین کی تعلیم وتربیت اور اُن کی اصلاح وتادیب اور تذکیر سے غفلت نہیں برتی۔ اپنی تصنیف "رسالۂ تفصیل المراتب فی اطوار المراقب" سے متعلق خود رقم طراز ہیں:۔

"فقیر حقیر سید ابوالحسن قادری یہ رسالہ بیچ بیانِ مراقبہ کے لکھتا ہے تا اُمّی لوگ اور عورتاں

کوں کام آوے اور وہ اس سیں رسے) ذوق پاکر اس فقیر کو دعائے خیر سیں یاد کریں اور اس کا نام رکھا تفصیل المراتب فی اطوار المراقب۔

اس کتاب کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری، حیدرآباد (مخطوط نمبر ۱۸۶۶ تصوف) میں بھی موجود ہے۔

حضرت قطبِ ویلورؒ کے فرجد بزرگوار حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ قادری ویلوری کے شاگرد و خلیفۂ خاص حضرت باقر آگاہ مدراسی نے عورتوں کے لیے رسالے اور کتابیں تصنیف کی جن سے خواتین کی زندگی سنوری نکھری اور حسین روپ پائی۔ اس سلسلہ میں آپ کی تصنیف "تحفۃ النساء" غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ اور قاضی بدرالدولہ کی کتاب "ریاض النسوان" اور حضرت شاہ رحمت اللہ قادری نائب رسول کی کتاب "تنبیہ النسای" بھی قابل ذکر ہے جن کی افادیت مسلم ہے۔

حضرت قطبِ ویلورؒ کے شاگردِ عزیز و خلیفۂ رشید حضرت عبدالحئیؒ واعظ بنگلوری نے بھی اپنی زبان اور قلم سے خواتین کی اصلاح و تعلیم کا کام وسیع پیمانہ پر انجام دیا۔ اور آپ کی کتاب "جنان السیّر" کی شہرت و مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دکن کے علاقہ میں یہ رسم چل پڑی تھی کہ دلہن کی رخصتی کے وقت اس کے ساتھ قرآن مجید اور صاحبِ قرآنؐ کی منظوم سیرت "جنان السیّر" کا ایک نسخہ بھی روانہ کیا جاتا تھا۔ اور مذکورہ کتاب کو خواتین ماہِ ربیع الاول میں بڑے اہتمام اور کافی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتی اور سُنتی تھیں۔ اس طرح وہ ہر سال ولادتِ نبویؐ کے ماہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پڑھ اور سُن کر اپنے ایمان کو تازہ کرتی تھیں۔

جنوبی ہند میں عورتوں کی ذہنی و قلبی، علمی و دینی تربیت کے لیے تحریر کردہ ان کتابوں کے مطالعہ کے بعد تاریخی اعتبار سے یہ بات قرین قیاس ہے کہ ان تصنیفات کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہی شمالی ہند میں خواتین کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تادیب کے باب میں اہلِ قلم کی کاوشیں سامنے آئیں اور وہاں بھی اس موضوع پر تصنیفی کام ہونے لگا۔

حاصلِ کلام!

کسی بھی قوم کی تعلیم و تربیت اور تعمیر و ترقی میں عورت کے کردار اور عمل کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے اسلام نے بھی لڑکیوں کی تعلیم اور اُن کی سیرت گری اور شخصیت سازی کی جانب توجہ دلائی تاکہ یہ علم و فضل اور اخلاقِ جمیلہ کے سانچے میں ڈھل کر ایک تعلیم یافتہ اور باخلاق خاتون کے روپ

میں جلوہ گر ہو سکے۔ اور اس کی کوکھ سے نکلنے والی نئی پود علم کی حامل اور اخلاق کی پیکر بن سکے اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا رہے۔ اور دنیائے اسلام میں علم کی شمع ہمیشہ فروزاں رہ سکے اور ایک حدیث: نعم لهو المومنة في بيتها الغزال: (عورتوں کے لیے بہترین مشغلہ اور کام گھروں میں چرخہ کاتنا ہے) کی روشنی میں یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ خواتین کسی زبان میں لکھنے اور بولنے کی صلاحیت پیدا کرنے اور صنعت و حرفت خیاطی (ٹیلرنگ) وکشیدکاری وغیرہ جیسے فنون کے سیکھنے اور سکھانے میں کوئی قباحت نہیں۔

اور اسلام نے عورت کو حقوق میں مساوی درجہ عطا کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم و تربیت اور پرورش و پرداخت کی مستحق اور مال و اسباب میں حق دار قرار دی گئی ہے۔

چناں چہ وہ بیٹی کی منزل میں ہے تو باپ کی کفالت میں رہی۔ بیوی کی منزل میں ہے تو شوہر کی کفالت میں رہی، ماں کی منزل میں ہے تو اولاد کی کفالت میں رہی۔ بیوگی اور بے اولاد کی منزل میں ہے تو محرم اعزہ مثلاً چچا، بھائی وغیرہ کی کفالت میں رہی۔ اور بالکل بے سہارا منزل میں ہے تو اسلامی بیت المال کی کفالت میں رہی۔

اس طرح سے وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے کی منزل تک کسی نہ کسی جہت سے کفالت اور وراثت کی حق دار و حصہ دار قرار پا رہی ہے اور یقیناً یہ اسلام کا عورت پر عظیم ترین احسان ہے۔

وما علینا الا البلاغ ..

روئداد دار العلوم لطیفیہ

(ادارہ)

الحمدللہ! اس دورِ پرفتن و پرآشوب میں بھی دارالعلوم لطیفیہ کی دینی خدمت اور قوم کی ہدایت اور رہ نمائی اور تشنگانِ علوم کو ظاہری و باطنی علوم سے سیراب کرتا رہا ہے۔ اور یہ ادارہ اس لحاظ سے امتیازی خصوصیات کا مالک ہے۔

اسے ابتدا ہی سے صاحبِ دل بزرگوں اور پاک باطن حضرات کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ موجودہ مربیان بھی اسی کارِ خیر کو سنبھالنے میں ہمہ تن کوشاں ہیں۔

آغازِ سالِ نو

الحمدللہ امسال بھی حسبِ سابق دارالعلوم لطیفیہ کا تعلیمی سال ۱۱ر شوال المکرم سنہ ۱۴۱۲ھ سے شروع ہوتا ہے اور ۱۰ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۱۳ھ پر ختم ہوتا ہے۔ امسال بھی اکثر علاقوں سے طلبا آئے اور انھیں داخلہ دیا گیا۔

دورۂ حدیث

تقدس مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری قبلہ مدظلہٗ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور کی مخلصانہ دعاؤں سے امسال دورۂ حدیث کا آغاز مورخہ ۲۳ر شوال المکرم سنہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۷ر اپریل سنہ ۱۹۹۲ء روز دوشنبہ کو خانقاہِ عالیہ قطبیہ میں ہوا۔

نیز مورخہ ۲۵ر رجب المرجب سنہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۸ر ماہ جنوری سنہ ۱۹۹۳ء روز دوشنبہ ہوا اعلیحضرت قبلہ مدظلہٗ العالی کی دعاؤں سے پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

ادبی وافتتاحی اجلاس

ان اجلاس میں طلبا نے دارالعلوم کو فنِ خطابت اور اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کا سلیقہ و طریقہ بتایا جاتا ہے ان مشقی اجلاس کا افتتاح حسب سابق امسال بھی پوری آب و تاب کے ساتھ انجام پایا۔ جس میں

عالی جناب قاضی حبیب احمد صاحب ایم اے؛ ایم فل؛ مدعو کئے گئے۔ موصوف نے اپنے مخصوص و پُراثر انداز میں عربی مدارس کے طلبا کے اندر پائے جانے والی ایک طرح کی احساس کمتری کو ختم کرنے اور انہیں اپنے اندر ایک اعتماد پیدا کرنے اور علم دین کی اہمیت و وقعت پہچاننے کی بھی ترغیب دلائی۔

نیز اس جلسہ کی صدارت ناظم دارالعلوم حضرت مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری صاحب ایم اے؛ نے فرمائی اور موصوف کی دعاؤں کے ساتھ یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

دارالتصنیف والاشاعت

اقطابانِ مکان حضرت قطب ویلور دارالسرور کے وہ تمام انمول جواہر پارے جو خاص کر فارسی و عربی زبان میں ہیں ان کو تراجم و دیگر نادر و نایاب قابل تشریح مضامین کی شرح و بسط کے ساتھ منظر عام پہ لائی جائیں تاکہ افادۂ عوام ہو۔ چناں چہ دنیائے تصوف کے عظیم و نادر تصانیف جن میں زبدۃ العارفین الحاج الحافظ اعلیٰ حضرت محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المشہور بہ قطب ویلور قدس سرہٗ العزیز کی تالیف انیف "جواہر السلوک" اور "جواہر الحقائق" "شاہ حیدر ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے "خوارقِ حیدریہ" کا چند حصّہ مع ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

اسباب صحت

تعلیم و تدریس، تقریر و خطابت، مضمون نگاری و انشاپردازی کے ساتھ ساتھ دماغی فرحت اور جسمانی راحت کے اسباب بھی مہیا کئے جاتے ہیں۔ چناں چہ طلبا روزانہ شام کے وقت تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد والی بال، بیاڈمنٹن، ٹنی کائٹ، کبڈی وغیرہ مختلف گیمس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

نوید مسرّت

ہمارے طلبائے عزیز دینی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنی دنیوی ترقی میں بھی نمایاں جگہ حاصل کرنے کے لیے اس سال بھی مدراس یونیورسٹی کے امتحانات میں حصّہ لیے اور ممتاز و نمایاں نمبرات سے کامیابی حاصل کئے ہیں۔

الحمد للہ علی ھذا۔

امتحانات

مورخہ ۲۳ رماہ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۱ رماہ ستمبر 1992ء ششماہی امتحانات شروع ہوئے جس کی نگرانی اساتذۂ کرام نے فرمائی اور ۲۷ رماہ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ مطابق 21 رماہ جنوری 1993ء سے دارالعلوم کے سالانہ امتحانات شروع ہوئے اور ایک ہفتہ تک جاری رہے۔

عباپوشی اور اعطاے اسناد

بزیرِ صدارت فضیلت مآب اعلیٰ حضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سیّد شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکانِ حضرت قطبؒ ویلور، مورخہ ۱۱ رشعبان المعظّم ۱۴۱۳ھ مطابق 3 ر ماہ فروری 1993ء روز چہارشنبہ دارالعلوم کا سالانہ اجلاس بڑے پیمانے پر منعقد ہوا۔ جس میں قابل قدر علمائے کرام اور قابل ترین حضرات مدعو تھے۔

نیز اعلیٰ حضرت قبلہ مدظلہٗ العالی نے اپنے دست مبارک سے فارغین کو عبا اور اسناد عطا فرمایا۔

تقسیم انعامات

اسی دن شام میں ایک دوسری نشست منعقد ہوئی۔ جس میں درسیات، مقالہ نویسی، تقریر و تحریر اور گیمس و اسپورٹس میں اول و دوم درجہ میں آنے والے طلباء کو قیمتی انعامات سے نوازا گیا۔ نیز عہدیداروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں مختلف انعامات سے سرفراز کیا گیا۔

ہدیۂ تشکّر

لئن شکرتم لازیدنکم کے تحت ہم مدیرانِ مسئول اور مضمون نگار حضرات بالخصوص حضرت مولانا مولوی سید شاہ ابوالسعید عبدالجبار صاحب قادری جنھوں نے "فصل الخطاب" کے ترجمہ کی تصحیح فرمائی اور جناب کاتب محمد شریف صاحب برکاتی آمبور جنھوں نے کتابت کی اور جناب سید عبدالعلیم الدین علیمؔ صبا نویدی صاحب مدراس نے اپنی نگرانی میں طباعت کا کام انجام دیا۔ نیز اُن تمام اطبّا، کا بھی جنھوں نے وقتاً فوقتاً طلبا، و اساتذہ کرام کی صحت کا بھرپور خیال رکھتے ہوئے علاج فرمایا۔ ادارہ ان تمام مخلصین کا تہ دل سے ممنون و مشکور رہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزّت ان سب مخلصوں اور محبّوں کو دارین کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ۔ ۔

چوتھی قسط

جواہر القرآن

مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق قریشی قادری۔ استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

ابن مریم ؑ

(اسلامیات کی روشنی میں)

حواری : حواری کی جمع حواریین ہے اور اس لفظ کی اصل حوَر ہے۔ جس کے معنی سفیدی کے ہیں۔ اور جس آٹے کو چھان کر بھوسی نکال دی گئی ہو اسے حواری کہتے ہیں۔ اس معنی ومفہوم میں خالص سچے دوست اور مخلص وبے غرض حامی کے لیے یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ **لکل نبی حواری وحواری زبیر بن العوام**: ہر نبی کے لیے ایک خاص حواری ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر بن العوام ہیں۔

حضرت مسیح ع کے اصحاب اپنے ایمان وعمل اور اپنے نبیؑ کے ساتھ عشق ومحبت میں خالص اور بے غرض تھے۔ ان کی اسی اندرونی نظافت اور قلبی طہارت کے باعث قرآنِ کریم نے انھیں حواریین کے نام ولقب سے یاد کیا۔ حضرت مسیحؑ جب اپنے دشمنوں سے تنگ آئے تو ان ہی ساتھیوں سے کہا: دین کی تبلیغ میں کون میرا ہاتھ بٹائے گا تو اس وقت انھوں نے یقین دلایا کہ ہم اللہ کے دین کی نصرت واشاعت میں مدد کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس دینِ سماوی کی تبلیغ واشاعت اور سربلندی کے لیے بڑی جدوجہد کی اور فلسطین اور اس کے گردونواح میں دعوت کا فریضہ انجام دیا۔ حواریین کے

جذبات دروں اور اقامت دین کے حوصلوں کی ترجمانی قرآنِ کریم کی ان دو آیتوں سے ہوتی ہے۔

یا ایہا الذین اٰمنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسیٰ ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ فاٰمنت طآئفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طائفۃ فایدنا الذین اٰمنوا علی عدوھم فاصبحوا ظاھرین۔ (الصف)

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے مخاطب ہوکر کہا تھا۔ اللہ کی طرف بلانے میں میرا مددگار کون ہے؟ تو حواریوں نے جواب دیا تھا۔ ہم اللہ کے مددگار ہیں (چناں چہ ان حواریوں نے دین کی تبلیغ میں سعیٔ بلیغ کی جس کے بعد) بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لایا اور دوسرے گروہ نے انکار کیا۔ پھر ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی اور وہی غالب ہوکر رہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے تو ان کی قوم تین فرقوں میں منقسم ہو گئی۔ ایک فرقہ نے حضرت عیسیٰ؏ کی نسبت کہا کہ وہ اللہ تھا۔ آسمان پر چلا گیا۔ دوسرے فرقہ نے کہا کہ وہ اللہ کا بیٹا تھا اس نے اپنے پاس بلا لیا تیسرے فرقے نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اس نے اٹھا لیا۔ یہ تیسرے فرقہ والے مومن تھے۔ ان کی ان دونوں فرقوں سے جنگ رہی اور کافر گروہ ان پر غالب رہے۔ یہاں تک کہ سید انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا۔ اس وقت ایمان دار گروہ ان کافروں پر غالب ہوا۔ اس تقدیر پر مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے سے مدد فرمائی۔ (تفسیر نعیمی)

فلما احس عیسیٰ منھم الکفر قال من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ اٰمنا باللہ واشھد بانا مسلمون۔ (اٰل عمران)

پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو آپ؈ نے فرمایا: اللہ کی طرف دعوت دینے میں کون میرا مددگار ہے؟ حواریوں نے عرض کیا: ہم اللہ پر ایمان لائے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

سورۂ مائدہ میں بھی حضرت مسیح کے حواریوں کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ انھیں حضرت عیسیٰ؏ پر ایمان لانے کے لیے حکم دیا گیا اور وہ ایمان لائے اور اپنے نبی سے استدعاء کی کہ وہ اس معجزہ

کا اظہار کریں کہ ان کا رب آسمان سے خوان نازل فرمائے تاکہ اس خرقِ عادت امر کے مشاہدہ سے ہمارے دلوں کو طمانیت حاصل ہو اور ہم دوسروں کے سامنے گواہی دے سکیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسا معجزہ دیکھا ہے۔ اس طرح ان کی ہدایت کے لیے بھی راہ کھل سکے اور یہ خوان آسمانی کا نزول اگلوں اور پچھلوں کے لیے یوم عید قرار پائے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کا سامان فراہم ہو سکے۔

قرآنِ کریم نے یہ صراحت نہیں کی ہے کہ حواریوں کی درخواست پر فی الواقع آسمان سے خوان نازل ہوا یا نہیں۔ اس بارے میں مفسرین کرام کا اختلاف ہوا۔ جمہور نزول کے قائل ہیں چناں چہ ترمذی کی حدیث میں عمار بن یاسرؓ سے منقول ہے کہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا اور اس میں روٹی اور گوشت تھا۔ (معارف القرآن: جلد سوم)

واذا وحیت الی الحواریّن ان اٰمنوا بی وبرسولی۔ قالوا اٰمنّا واشھد باننا مسلمون۔ اذ قال الحواریون یٰعیسیٰ ابن مریم ھل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدہ من السمآء قال اتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین۔ قالوا نرید ان ناکل منھا وتطمئن قلوبنا ونعلم ان قد صدقتنا ونکون علیھا من الشٰھدین۔ قال عیسیٰ ابن مریم اللّٰھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا واٰخرنا واٰیۃ منک وارزقنا وانت خیر الرازقین۔ قال اللہ انی منزلھا علیکم فمن یکفر بعد منکم فانی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احدا من العٰلمین ٥ (المائدہ)

اور جب میں نے حواریوں کو حکم دیا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبر (عیسیٰؑ) پر ایمان لاؤ تو وہ بولے کہ ہم ایمان لے آئے اور آپؑ شاہد رہیں کہ بے شک ہم مسلمان ہیں۔ اور جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپؑ کا پروردگار قدرت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانے کا خوان اتار دے اس پر عیسیٰؑ نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

وہ لوگ بولے کہ ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور اپنے دلوں کو مطمئن کر لیں اور یقین کر لیں کہ آپؑ ہم سے سچ بول رہے ہیں اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں۔

عیسیٰ ابن مریمؑ نے دعا کی۔ اے اللہ! ہمارے پروردگار، ہمارے لیے ایک خوان آسمان سے اُتار دیجیے کہ وہ ہمارے لیے ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک عید بن جائے اور آپ کی طرف

سے ایک نشان ہو جائے تو ہمیں عطا کر دیجیے اور آپ ہی بہترین عطا کرنے والے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ وہ کھانا ضرور تم پر اتاروں گا۔ لیکن پھر جو کوئی تم میں سے کفر کی روش اختیار کرے تو اُسے سزا بھی دوں گا۔ کہ وہ سزا دنیا والوں میں سے کسی کو بھی نہ دوں گا۔

سورۂ یٰسٓ میں بھی حضرت مسیحؑ کے حواریوں کا ذکر موجود ہے۔ جن کو آنجناب نے دعوت و تبلیغ کے لیے ایک شہر میں مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ گو کہ وحیٔ محمدؐی نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ وہ شہر کون سا تھا۔ اور اس میں حواری حضرت مسیحؑ کے حکم پہ قاصد اور رسول بن کر گئے تھے۔ صرف نفسِ واقعہ کو بیان کیا گیا جس سے مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی مخاطب امّت کو اس حقیقت سے روشناس کرایا جائے کہ اس شہر کے باشندوں نے رسولوں کی تکذیب کی جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک کر دئے گئے۔ اگر اہلِ مکہ نے بھی نبیٔ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی، تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو اس قریہ والوں کا ہوا تھا۔ اس مقام میں حواریوں کو رسول کے لفظ سے یاد کیا گیا۔ جو اصطلاحی معنی میں نہیں ہے بلکہ قاصد اور ایلچی کے معنی میں ہے۔ ان حضرات کو بھیجنے والے حضرت عیسیٰؑ اللہ کے رسول تھے۔ آنجناب کا بھیجنا بھی بالواسطہ اللہ ہی کا بھیجنا تھا۔ اس لیے ان کے ارسال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔

واضرب لهم مثلاً اصحٰب القرية اذ جآءها المرسلون۔ اذ ارسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعززنا بثالث فقالوا انا اليكم مرسلون ○ (یٰسٓ)

اور آپ اُن کے سامنے ایک بستی والوں کا قصّہ بیان کیجیے جب کہ اس میں رسول آئے یعنی جب کہ ہم نے ان کے پاس دو رسول کو بھیجا۔ لوگوں نے اول ان دونوں کو جھٹلایا، پھر تیسرے رسول کے ذریعہ ان کی تائید کی۔ ان تینوں نے قریہ والوں سے کہا کہ ہم تمہارے پاس خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ تم کو ہدایت کریں کہ توحید اختیار کرو اور بُت پرستی چھوڑ دو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا مختصر بیان یہ ہے کہ آپؑ نے اپنے دو حواریوں صادق اور صدوق کو انظاکیہ بھیجا تاکہ وہاں کے بت پرست لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دیں۔ جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انھوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ بکریاں چرا رہا ہے۔ اس شخص کا نام

حبیب نجار تھا۔ اس نے ان کا حال دریافت کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ تمہیں دینِ حق کی دعوت دینے آئے ہیں۔ کہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرو۔ حبیب نجار نے نشانی دریافت کی۔ انھوں نے کہا کہ نشانی یہ ہے کہ ہم بیماروں کو اچھا کر دیتے ہیں۔ اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ برص والے کا مرض دور کرتے ہیں۔ حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا۔ انھوں نے اس پر ہاتھ پھیرا، وہ تندرست ہوگیا۔ حبیب نجار ایمان لائے اور اس واقعہ کی خبر مشہور ہوگئی۔ تاآں کہ ایک خلق کثیر نے ان کے ہاتھوں اپنے امراض سے شفا پائی۔ یہ خبر پہنچنے پر بادشاہ نے انھیں بلا کر کہا: کیا ہمارے معبودوں کے سوا اور کوئی معبود بھی ہے۔ ان دونوں نے کہا: ہاں! وہی جس نے تجھے اور تیرے معبودوں کو پیدا کیا۔ پھر یہ لوگ ان کے در پے ہوئے اور انھیں مارا اور یہ دونوں قید کر لیے گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو بھیجا۔ وہ اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے مصاحبین و مقربین سے راہ و رسم پیدا کی اور بادشاہ تک پہنچے۔ اور اس پر اپنا اثر پیدا کر لیا۔ جب دیکھا کہ بادشاہ خوب مانوس ہوگیا ہے تو ایک روز بادشاہ سے ذکر کیا کہ وہ دو آدمی جو قید کئے گئے ہیں کیا ان کی بات سنی گئی تھی۔ وہ کیا کہتے تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ نہیں۔ جب انھوں نے نئے دین کا نام لیا تو فوراً ہی مجھے غصہ آگیا۔ شمعون نے کہا کہ اگر بادشاہ کی رائے ہو تو انھیں بلایا جائے۔ دیکھیں ان کے پاس کیا ہے۔ چناں چہ وہ دونوں بلائے گئے۔ شمعون نے ان سے دریافت کیا تمہیں کس نے بھیجا ہے۔ انھوں نے کہا۔ اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر جاندار کو روزی دی اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ شمعون نے کہا کہ اس کی مختصر صفات بیان کرو۔ انھوں نے کہا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ شمعون نے کہا: تمہاری نشانی کیا ہے؟ انھوں نے کہا: جو بادشاہ چاہے۔ اس پر بادشاہ نے ایک اندھے لڑکے کو بلایا۔ انہوں نے دعا کی وہ فوراً بینا ہوگیا۔

شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تو اپنے معبودوں سے کہہ کہ وہ بھی ایسا ہی کر کے دکھائیں تاکہ تیری اور ان کی عزت ظاہر ہو۔ بادشاہ نے شمعون سے کہا کہ تم سے کچھ چھپانے کی بات نہیں ہے۔ ہمارے معبود نہ دیکھے نہ سُنے، نہ کچھ بگاڑ سکے، نہ کچھ بنا سکے۔ پھر بادشاہ نے ان دونوں حواریوں سے کہا اگر تمہارا معبود کو مُردے کے زندہ کرنے کی قوت ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں۔ انھوں نے کہا: ہمارا معبود ہر شئے پر قادر ہے۔ بادشاہ نے ایک دہقان کے لڑکے کو منگوایا

جس کو مرے ہوے سات دن ہو گئے تھے۔ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور مردہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں مشرک مرا تھا۔ مجھ کو جہنم کے سات وادیوں میں داخل کیا گیا۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جس دین پر تم ہو بہت نقصان دہ ہے۔ ایمان لاؤ۔ اور کہنے لگا کہ آسمان کے دروازے کھلے اور ایک حسین جوان مجھے نظر آیا۔ جوان تینوں شخصوں کی شفارش کرتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کون تین؟ اس نے کہا: ایک شمعون اور دو یہ (صادق اور صدوق)

بادشاہ کو تعجب ہوا۔ جب شمعون نے دیکھا کہ اس کی بات بادشاہ پر اثر کر گئی ہے تو اس نے بادشاہ کو نصیحت کی وہ ایمان لایا اور اس کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ ایمان نہ لائے اور عذابِ الٰہی سے ہلاک ہو گئے۔

حبیب نجار جس نے سب سے پہلے ان رسولوں کے دستِ حق پرست پر دین قبول کیا تھا وہ کسی غار میں مشغولِ عبادت تھا۔ جب اس کو یہ اطلاع ہوئی کہ باشندگانِ شہر نے ان رسولوں کی تکذیب کی ہے اور ان کے قتل کے درپے ہیں تو فوراً شہر کا رخ کیا۔ تاکہ انھیں اس ھلاکت خیز اقدام سے منع کریں۔ لیکن قوم نے اس کی ایک نہ سنی اور اس خیر خواہی کا صلہ یہ دیا کہ اسی کو مار مار کر شہید کر دیا اور یہ مرد مومن اپنا دم توڑتے ہوئے بھی قوم کو یہ پیغام سنایا کہ تم لوگ میرے اس انجام نیک ہی سے با خبر ہو کر عبرت و نصیحت حاصل کرو اور ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہو کر اخروی نعمتوں کو حاصل کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صاحبِ ایمان کی تعریف ان الفاظ میں کی۔ نصح قومہ حیّاً و میتاً۔ اس مومن نے جیتے جی بھی اپنی قوم کی خیر خواہی کی اور مر کر بھی ان کا بھلا چاہا۔

وحیٔ محمدیؐ نے اس واقعہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔

وجآء من اقصا المدینۃ رجل یسعیٰ قال یٰقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجرا وھم مھتدون۔ انی اٰمنت بربکم فاسمعون قیل ادخل الجنّۃ قال یٰلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔

اور شہر کے دور کنارے سے ایک شخص دوڑتے ہوئے آیا اور کہا: اے میری قوم! ان رسولوں کی اتباع و پیروی کرو۔ جو تم سے کچھ طلب نہیں کرتے اور وہ راہ حق پر ہیں۔ اور سن لو میں تمہارے رب پر ایمان لا چکا ہوں (قوم نے ہلاک کر دیا) اس شہید کو حکم ہوا کہ جنت کو چلا جا

اس وقت بھی اس مردِ مومن کو اپنی قوم کی فکر ہوی۔ کہنے لگا کاش! میری قوم پہ یہ حقیقت کھل جاتی کہ میرے رب نے ایمان اور اتباعِ رسل کی وجہ سے میری بخشش فرمادی اور مجھے عزّت والوں میں شامل کیا۔

اس فقرہ (بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔) کی تفسیر میں ایک معاصر مفسرِ قرآن لکھتے ہیں: قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے اسی وقت اسے جنت میں داخل کر دیا اور وہ وہاں زندہ ہے۔ رزق پا رہا ہے۔

یہ آیت بھی منجملہ اُن آیات کے ہے جن سے حیاتِ برزخ کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ خالص عدم اور کامل نیستی کا زمانہ نہیں ہے جیسا کہ بعض کم علم لوگ گمان کرتے ہیں۔ بلکہ اس زمانہ میں جسم کے بغیر روح زندہ رہتی ہے۔ کلام کرتی ہے اور کلام سنتی ہے۔ جذبات و احساسات رکھتی ہے۔ خوشی اور غم محسوس کرتی ہے۔ اور اہلِ دنیا کے ساتھ بھی اس کی دلچسپیاں باقی رہتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو مرنے کے بعد اس مردِ مومن کو جنّت کی بشارت کیسے دی جاتی اور وہ اپنی قوم کے لیے یہ تمنّا کیسے کرتا کہ کاش وہ اس کے انجامِ نیک سے باخبر ہو جائے۔“

حواریین حضرت مسیحؑ کے سچّے عاشق اور مخلص ساتھی تھے۔ جب آں جناب کی زندگی پوری طرح خطرہ میں گھر گئی تو ایسے نازک وقت میں ان حواریوں میں سے ایک حواری نے اپنی جان نثاری اور اور فداکاری کا ثبوت دیا۔ چناں چہ بعض روایات میں وارد ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کے قتل کی نازک گھڑی آ پہنچی تو آپ نے حواریوں کو دعوت و تبلیغ سے متعلق ھدایات دینے کے بعد ارشاد فرمایا:۔

اللہ نے بذریعہ وحی مجھ کو مطلع کر دیا ہے کہ میں ایک مدّت کے لیے ملاءِ اعلیٰ کی جانب اٹھا لیا جاؤں گا اور یہ واقعہ مخالفین اور متبعین دونوں کے لیے سخت آزمائش و امتحان بن جانے والا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص اس پہ آمادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرا شبیہ بنادے اور وہ خدا کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرے۔ اس کو جنّت کی بشارت ہے۔ تب ایک حواری نے پہل کی اور خود کو اس کے لیے پیش کیا۔ اور منجانب اللہ وہ حضرت مسیحؑ کا ہمشکل ہو گیا اور سپاہیوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ (کذا فی کتب التفاسیر)

مذکورہ تفصیلات اور تشریحات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کے اصحاب ایمان و ایقان میں قوی و مضبوط اور عمل و کردار میں مخلص تھے اور آپؑ کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بعد ان ہی حواریوں نے دینِ سماوی کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اسی کی برکات اور ثمرات تھے کہ قریباً تین صدیوں تک پیغامِ مسیحؑ اپنی اصلی شکل و صورت میں محفوظ رہا۔ ••

جاری

جواہر الحدیث

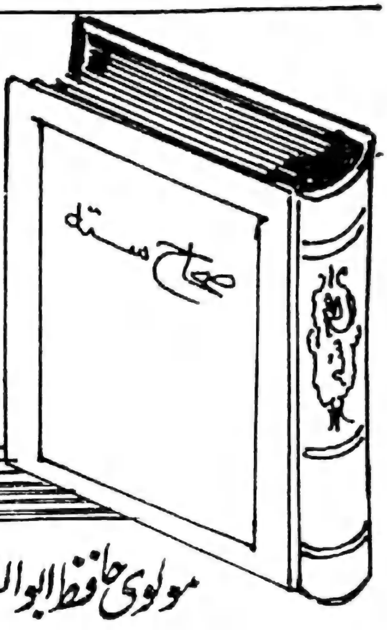

مولوی حافظ ابو النعمان بشیر الحق فریشتی قادری استاذ دار العلوم لطیفیہ ویلور

انسان کی انسانیت و آدمیت اور شرافت، فضائل (عمدہ خصلتیں) سے آراستگی اور رذائل (قبیح خصلتیں) سے کنارہ کشی پر موقوف ہے۔ اور اخلاقی وصفوں میں جس وصف کو بنیادی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے وہ شرم و حیا ہے اور اسی کی بدولت معاشرہ میں نظم و نسق برقرار ہے اور ایک دوسرے کی مصلحتیں وابستہ ہیں۔ اگر اس صفت کی شمع گل ہو جائے تو ایک دوسرے کے حقوق، معاملات اور فرائض ساری چیزیں ختم ہو کر رہ جائیں اس کے بعد انسان کو روک ٹوک لگانے والی چیز نہ اس کے اندر ہوگی اور نہ اس کے خارج میں ہوگی۔ اسی لیے پیغمبرؑ اسلام نے فرمایا:۔

ان مما ادرك الناس من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحي فاصنع ما شئت (بخاری: کتاب الاول: باب: اذا لم تستح فاصنع ما شئت)

انسانوں نے قدیم پیغمبروں کی جو باتیں پائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تم میں شرم و حیا نہیں تو جو چاہو کر گزرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرم و حیاء کو اسلام کا امتیازی وصف اور خلق قرار دیا اور فرمایا: کہ حیاء سے خیر و بھلائی کی پرورش ہوتی ہے اور حیاء ایمان ہے۔ ذیل کی حدیثیں ملاحظہ کیجئے:۔ عن زید بن طلحة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لكل دين خلق وخلق الاسلام حياء (مؤطا: امام مالک: باب: ماجاء فی الحیاء)

زید بن طلحہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر دین کا ایک خاص خلق ہے اور اسلام کا خلق شرم و حیاء ہے۔

الحیاء لا یاتی الا بخیر (بخاری: کتاب الادب: باب الحیاء)

حیاء سے صرف خیر اور بھلائی کی نشوونما ہوتی ہے۔

عن عبد اللہ بن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر رجل وھو یعظ اخاہ فی الحیاء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعہ فان الحیاء من الایمان (نزھۃ المتقین شرح ریاض الصالحین)

عبد اللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا گزر ایک صاحب کے قریب سے ہوا جو اپنے بھائی کو شرم و حیاء سے متعلق پند و نصیحت کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے فرمایا: انھیں چھوڑ دیجیے بے شک حیاء ایمان ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الأذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان کے ستر سے کچھ زائد حصّے اور شعبے ہیں جن میں سب سے اعلیٰ شعبہ لا الٰہ الا اللہ ہے اور اس کا ادنیٰ حصہ راستہ میں تکلیف دینے والی چیز مثلاً پتھر، کانچ، کانٹا، ہڈی وغیرہ دور کرنا ہے تاکہ راہ گیر کو تکلیف نہ ہونے پائے اور حیاء ایمان کا شعبہ ہے۔

حیاء کی صفت سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات متصف ہے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے ان اللہ لا یستحی من الحق (کتاب الادب: ما لا یستحی من الحق) اللہ تعالیٰ حق بات کے اظہار میں حیاء نہیں کرتا۔

امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں یہ حدیث نقل کی ہے:

جب کوئی بندہ اپنے دونوں ہاتھ دُعا کے لیے اس کے سامنے اٹھاتا ہے تو خدا کو شرم آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو اپنے فضل و رحمت سے خالی واپس لوٹا دے۔ بلکہ نقد مراد کو اس کے آرزو کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیاء کی ایک قسم حیاء کرم ہے کہ سائل کو اپنے در سے شرمندہ اور تہی دست نہ لوٹایا جائے۔ حکایات میں آیا ہوا ہے کہ

خلیفہ مامون کے عہد میں ایک اعرابی تھا جس کی نشو و نما اور پرورش شوریلی زمین میں ہوئی تھی اور اس نے کبھی تلخ و نمکین پانی کے سوا دوسرا پانی نہ دیکھا اور نہ چکھا تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے قبیلہ میں قحط پڑ گیا۔ جس کی وجہ سے وہ مجبور ہو کر کھانے کی تلاش میں اپنے گھر سے نکل پڑا۔ جب وہ نمکین علاقہ سے گزر کر سرسبز و شاداب زمین میں داخل ہوا۔ وہاں اس نے ایک حوض دیکھا جس میں بارش کا صاف شفاف پانی جمع تھا۔ اعرابی نے کبھی ایسا پانی زمین کے اوپر نہیں دیکھا تھا۔ بہت متعجب ہو گیا اور تھوڑا سا پانی چکھا تو معلوم ہوا کہ بہت ہی شیریں اور مزہ دار تھا۔ خوب سیراب ہو کر پیا اور اپنے دل میں سوچا کہ میں نے سُنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہشت میں ایسا شیریں و لطیف پانی ہے کہ جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا جیسا کہ قرآن میں ہے فیہا انہار من ماءٍ غیر آسن

بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے فقر و فاقہ اور تنگدستی پر رحم کھاتے ہوئے دنیا ہی میں بہشت کا پانی بھیج دیا ہو۔ اب یہی مناسب ہے کہ اس پانی کا تھوڑا سا حصہ خلیفہ کی خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ اور اس خدمت اور سلوک کے بدلہ میں وہ بھی لامحالہ میرے اوپر کوئی احسان کرے گا۔ اور اس انعام کی برکت سے میں اور میرے قبیلہ والے قحط سے نجات پا جائیں گے۔ پھر وہ اپنے مشکیزہ میں پانی بھرا اور بغداد کا راستہ دریافت کرتے ہوئے دار الخلافت کی جانب چل پڑا۔ ابھی بغداد سے کچھ دُور کے فاصلہ پر تھا کہ خلیفہ کی شان و شوکت والی سواری سامنے نظر آنے لگی۔ جو شکار کے لیے جا رہا تھا۔ اعرابی نے سمجھ لیا کہ یہی خلیفۂ وقت ہے۔ سر راہ آ کر کھڑا ہوا اور اس کی تعریف و توصیف میں زبان کھولا۔ مامون اس کی طرف متوجہ ہوا اور دریافت کیا: اے اعرابی! کہاں سے آ رہے ہو؟ جواب دیا فلاں علاقہ سے جس کے باشندے قحط کی بلا اور مصیبت میں گھرے ہوئے ہیں۔ مامون نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا آپ ہی کے پاس آیا ہوں اور خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں بلکہ آپ کے لیے ایک ایسا نادر و نایاب تحفہ لایا ہوں جس کو آج تک کسی نے نہ دیکھا اور نہ پایا۔ خلیفہ متعجب ہو کر کہنے لگا۔ آخر کیا لائے ہو؟ پیش کرو: اعرابی نے اپنا مشکیزہ سامنے بڑھایا اور کہا ھذا ماء الجنّۃ

یہ جنّت کا پانی ہے۔ دنیا میں کسی شخص نے نہ دیکھا ہے اور نہ چکھا ہے۔

مامون رکاب دار کو حکم دیا کہ ایک پیالہ بھر کر پیش کرے۔ جب اس نے تھوڑا سا چکھا تو معلوم ہوا کہ پانی بہت ہی بدمزہ اور رنگ بدلا ہوا ہے اور اپنی فراست سے صورتِ حال کو سمجھ لیا۔ کرم کی حیا نے اس بات کی اجازت نہ دی کہ سب لوگوں کے سامنے اعرابی کی نادانی اور بھولے پن کو ظاہر کردے۔ فوراً کہنے لگا: اے اعرابی! تم نے سچ کہا۔ یہ تو بہت ہی لطیف پانی اور نادر شربت ہے۔ یہ ہر کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔ پھر رکاب دار کو حکم دیا کہ اس مشکیزہ کو میرے سامان میں پوری حفاظت کے ساتھ رکھ دیں اور کوئی شخص اس کو استعمال نہ کرے۔ پھر اعرابی کی جانب متوجہ ہوکر کہنے لگا: تم نے تو بہت ہی انوکھا اور نادر الوجود تحفہ پیش کیا۔ کہو! تمہاری کوئی ضرورت اور حاجت ہے؟ اس نے عرض کیا: خلیفۃ المسلمین میرے قبیلے اور خاندان کے لوگ فقر و فاقہ اور بے سروسامانی کے باعث تباہ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالے کے فضل اور آپ کے کرم کا امیدوار ہوں۔ خلیفہ نے اعرابی کو ایک ہزار اشرفیوں سے بھری ہوی تھیلی دیا۔ اور کہا: اے اعرابی! یہ ہدیہ لو اور اسی جگہ سے اپنے وطن کو واپس لوٹ جاؤ۔ اعرابی نقود کی تھیلی لیے ہوئے وہیں سے لوٹ گیا۔

خلیفہ کے مصاحبین میں سے ایک صاحب نے پوچھا خلیفۃ المؤمنین! یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ نے یہ پانی کسی کو پینے نہیں دیا؟ اور اعرابی کو یہیں سے لوٹا دیا۔ مامون نے جواب دیا۔ یہ پانی انتہائی بدبودار اور رنگ بدلا ہوا تھا۔ لیکن اس پانی کے مقابلہ میں جس سے اس اعرابی نے پرورش پائی تھی اس کو جنّت کا پانی معلوم ہوا۔ ممکن تھا کہ تم میں سے کوئی شخص اس پانی کو چکھ لیتا اور صورتِ واقعہ کو نہ سمجھتے ہوئے اعرابی پہ ملامت کرنے لگتا اور وہ شرمندہ ہوجاتا اور اگر میں اس کو یہیں سے واپس نہ لوٹاتا تو وہ آگے جاتا اور دریائے دجلہ کا صاف و شفاف پانی دیکھ لیتا اور اس کو پی لیتا تو اس کو اپنے کئے ہوئے پہ شرمندگی اور پشیمانی لاحق ہوجاتی۔

لہذا مجھے شرم آئی کہ کوئی شخص میرے پاس آئے اور کسی ذریعہ سے میری عنایت اور کرم کا امیدوار ہو اور شرمسار خالی ہاتھ واپس چلا جائے۔

(اخلاق محسنی)

حیاء کی ایک قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے کئے ہوئے کسی ناپسندیدہ اور مکروہ فعل پر نادم اور شرمسار ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے تذکرہ میں وارد ہے۔ کہ جب انھوں نے جنت میں گیہوں کھا لیا تو اُن کے بدن پر جو لباس تھا وہ جُدا ہو گیا اور وہ دائیں بائیں بھاگتے تھے اور ہر درخت کے پیچھے چھپتے تھے۔ خطاب ہوا: اے آدم! ہم سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا: نہیں! اے خداوند! تجھ سے کیسے بھاگ سکتا ہوں اور کہاں بھاگ سکوں گا۔ ہاں! البتہ اپنی خطاء ولغزش پر شرمندہ ہوں۔

آخری صحیفۂ سماوی کے حامل وامین حضور پُرنور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدسی صفات میں حیاء کا مادہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ جناں چہ آپؐ چھوٹے بچے تھے۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو آپؐ بھی اینٹ اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپؐ کے عمّ محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے محمدؐ! تم اپنا تہ بند کھول کر کندھے پر رکھ لو تاکہ اینٹ کی رگڑ نہ لگے۔ انہوں نے ایسا کیا تو آپؐ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری تھے۔ میرا تہ بند! میرا تہ بند

حضرت عباسؓ نے فوراً تہ بند باندھ دیا۔ (سیرۃ النبیؐ: جلد ششم)

یہ تو عہدِ طفولیت کی بات تھی۔ عہدِ شباب بلکہ آخری عمر میں بھی حیاء کی یہ کیفیت کمال درجہ کے ساتھ قائم و دائم رہی۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے:

عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذرا فی خدرھا فاذا رأی شیئاً یکرھہ عرفنا فی وجھہ (متفق علیہ: نزھۃ المتقین: شرح ریاض الصالحین)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں کنواری اور پردہ نشین لڑکیوں سے کہیں زیادہ شرم و حیاء تھی۔ جب آپؐ کوئی چیز دیکھتے جو آپؐ کو مکروہ اور ناپسند لگتی تو اس کے آثار چہرۂ مبارک پر دیکھ کر ہم پہچان لیتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک میں بے تکلف لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپؓ کو اجازت دی گئی اور آپؓ اندر داخل ہوئے اور نبی کریمؐ کے ساتھ محوِ گفتگو رہے۔

کچھ دیر ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ رضؓ کو بھی اجازت دی گئی اور آپ رضؓ بھی بات چیت میں شریک ہو گئے ۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی آمد ہوئی اور انھوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنے کپڑوں کو درست فرمالیا اور سنبھل کے بیٹھ گئے اور اس کے بعد حضرت عثمان کو اندر آنے کی اجازت دی گئی تو وہ داخل ہوئے ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا : حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تشریف لائے تو اسی حالت میں تشریف فرما تھے لیکن حضرت عثمانؓ تشریف لائے تو آپؐ نے اپنے کپڑوں کو درست فرمالیا ؟ اس پر ارشادِ نبوی ﷺ ہوا : میں اس آدمی سے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) سے کیسے حیاء نہیں کرتا جس سے ملائکہ حیاء کرتے ہیں ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے متعلق واردشدہ حدیثِ مبارک کے الفاظ آپ بھی پڑھ لیجیے ۔

ان عائشہ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضطجعًا فی بیتہ کاشفاعن فخذیہ او ساقیہ فاستاذن ابوبکر فاذن لہ وھو علی تلک الحال فتحدث ثم استاذن عمر فاذن لہ وھو کذلک فتحدث ثم استاذن عثمان فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسوی ثیابہ قالت عائشہ دخل ابوبکر فلم تھتش لہ ولم تبالہ ثم دخل عمر تھتش لہ تبالہ ثم دخل عثمان فجلست وسویت ثیابک ؟ فقال الا استحی من رجل تستحی منہ الملائکۃ ۔ (صحیح مسلم : جلد ثانی باب فضائل عثمانؓ)

شرم وحیاء بذاتِ خود ایک ستودہ اور محمود شئے ہے لیکن اسلام نے بعض مقامات مثلاً تعلیم وتذکیر اور دعوت واصلاح کے میدان میں شرم وحیاء کے اظہار کو ناپسند فرمایا ۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں : لا یتعلم العلم مستحیٍ ولا مستکبر (بخاری : باب الحیاء فی العلم) شرم وحیا کرنے والا شخص اور غرور وپندار میں مبتلا شخص علم حاصل نہیں کرسکتا ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انصاری خواتین کی تعریف فرمائی یہ مسائل کے پوچھنے اور علم دین حاصل کرنے میں شرماتی نہیں ہیں : نعم النساء الانصار لم یمنعھن الحیاء

ان یتفقھن فی الدین : (بخاری: باب : الحیاء فی العلم)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ امّ سلیمؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات پوچھنے سے حیاء نہیں کرتا۔ کیا عورت پر بھی غسل واجب ہے جب کہ اُسے احتلام ہو جائے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: جب وہ تری دیکھے۔ پس اُمّ سلمہ نے شرم سے اپنے چہرہ کو چھپالیا اور پوچھا: اللہ کے رسولؐ! کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ ارشاد فرمایا: ہاں! تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں پھر کیسے اس کا لڑکا اس کے مشابہ اور مانند ہوتا ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنے جامع میں نقل کیا ہے: عن زینب بنت ام سلمۃ عن ام سلمۃ قالت جاءت ام سلیم الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ! ان اللہ لا یستحی من الحق فھل علی المرأۃ من غسل اذا احتلمت؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأت الماء فغطت ام سلمۃ تعنی وجھھا وقالت یارسول اللہ اوتحتلم المرأۃ؟ قال: نعم تربت یمینک فبم یشبھھا ولدھا۔ (بخاری)

اسلام نے شرم و حیاء کے باب میں یہاں تک ہدایت دی ہے کہ آدمی تنہائی کی حالت میں بھی ننگا اور برہنہ نہ رہے۔ تاکہ اس برہنگی کے باعث اللہ کی مخلوق فرشتوں کو بھی تکلیف نہ ہونے پائے۔ امام ترمذی نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ ارشادِ نبویؐ نقل کیا ہے:۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والتعرّی فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ فاستحیوھم واکرموھم

(ترمذی: جلد دوم: ص۱۰۳)

نبیٔ کریمؐ نے فرمایا! تمہارے اوپر لازم ہے کہ تنہائی کی حالت میں بھی برہنگی سے بچو کیوں کہ تمہارے ساتھ فرشتے رہتے ہیں جو صرف پیشاب اور پاخانہ اور مباشرت کے وقت تم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا تم ان سے شرماؤ اور ان کا خیال رکھو۔

حاصل کلام! شرم و حیاء ہی وہ چیز ہے جس کے دم سے زندگی میں حسن و رعنائی، پاکیزگی و صفائی، طہارت و نظافت، اخلاقی و معاشرتی اور تہذیبی و ثقافتی قدریں زندہ رہتی ہیں اسی لیے اسلام نے حیاء کو ایمان کا جز لاینفک قرار دیا:

والحیاء شعبۃ من الایمان ••

تعلیمِ طفلاں

مولانا سید شاہ عثمان پاشاہ قادری عرف فصیح پاشاہ صاحب۔ ناظم دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

آغاز دنیا ہی سے مفکران علم اور بزرگانِ دین اور علمائے کرام ہمیشہ اس یات پر اہمیت دیتے رہے ہیں کہ بچوں کو دینی و مذہبی تعلیم سے آراستہ کیا جائے تاکہ اُن کے اندر شروع سے علم دین کی اہمیت و فضیلت جاگزیں ہوجائے۔

چناں چہ دنیا میں اور خاص کر برصغیر میں اس بات کی اہمیت بہت زیادہ رہی ہے۔ جو چیز بزرگانِ دین نے برسوں پہلے ضروری اور اہم سمجھا اس کو آج موجودہ دور کے حکمران بھی جاننے اور پہچاننے لگے ہیں۔ چناں چہ حکومت کی جانب سے بلدی اداروں سے اور ذاتی انجمنوں کے ذریعہ گھر گھر، گلی گلی محلہ محلہ جاکر والدین کو سمجھایا جارہا ہے اور تاکید کی جارہی ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کو مدرسہ روانہ کریں۔ تاکہ وہ جوہرِ علم سے بہرور ہوں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض جگھوں پہ جہاں لڑکیوں کو دن میں کام کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی اُن کے لیے رات میں معقول انتظام کیا جارہا ہے تاکہ وہ اپنے اساتذہ کی حفاظت میں درس گاہ جاسکیں اور علم حاصل کرسکیں۔ دیہاتوں میں ایک تحریک شروع ہوگئی ہے۔ جس کی رو سے پڑھے لکھے لوگ آن پڑھ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ اس طریق سے فی شخص ایک آن پڑھ کو اپنالیں۔

حال ہی میں ملک کی اعلیٰ عدالت سپریم کورٹ کے جج کلدیپ سنگھ اور آر۔ کے۔ سہائے نے ایک مقدمہ (موہنی جین مقابل کرناٹک اسٹیٹ) کے فیصلے کی رو سے تعلیم کو بنیادی حقوق میں درج کروادیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے زندگی کی آزادی، پیشہ کی آزادی، نجی زندگی کی پردگی

وغیرہ بنیادی حقوق ہیں جن کی حفاظت کی ذمہ داری سرکار پر عائد ہوتی ہے اسی طرح تعلیم بھی بنیادی حق ہوگا جس کا ذمہ سرکار پر عائد ہوتا ہے۔ نتیجہ میں آئندہ چل کر کوئی مجبور ان پڑھ شہری سرکار پر یہ دعویٰ داخل کر سکتا ہے کہ سرکار نے اس کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہ کیا اور اس لیے خسارہ میں رہا لہٰذا وہ معاوضہ بھی طلب کرنے کا مستحق ہو جائے گا۔

اس صورت حال میں پیغمبرِ آخرالزماں کا یہ حکم کہ "اطلبوا العلم ولو کان بالسین" کتنا تازہ ترین اہمیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ نے تو علم کا حاصل کرنا فرض قرار دے دیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ علم کے انواع کتنے ہیں اور کون سا علم اہم ہے اور اس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں۔ یہ تو مسلّم بات ہے علم کی حد نہیں کہ علم کے انواع لا محدود ہیں۔ فلسفہ اور منطق، ریاض ونجوم، تاریخ وجغرافیہ، رمل وقیافہ، طب وسائنس، علم جمادات ونباتات حیوانات اور سائنس کی ترقی وجستجو سے نہ جانے اور کن کن علوم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ انسان بناتا نہیں تحقیق کرتا ہے۔ انسان ایجاد کا جو بھی دعویٰ کیا ہے وہ پہلے سے حقیقت تھی تحقیق کی رو سے اُسے "پالینا"، "ایجاد" کہا جانے لگا۔

اختصار کے لحاظ سے ایک ہی مثال پر اکتفا کر لیتا ہوں۔ مادۂ تخلیق رحم میں قیام پانے کے بعد تقریباً پچاس دن تک کی ہئیت اور اس کے بعد نو ماہ تک اس کا ارتقاء اور تشکیل سائنس نے دلیل کے ساتھ ثابت کر رکھا ہے۔ یہ ایجاد نہیں تھی بلکہ تحقیق تھی۔ "اصالۃ" اس کی تشریح خود قرآن عظیم میں موجود ہے۔ اور سائنس دانوں نے حال ہی میں تصدیق اور اعتراف کر لیا کہ قرآن ہی ایک کتاب ہے جس میں مفصل طور پر 'علق' اور 'مضغہ' سے لے کر پوری تشکیل کی مدّت بیان کی گئی ہے اور تحقیق سے ثابت ہے۔ یہ ایک مثال ہے ایسی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ایک اور مثال پیش کرنے کا جوش ابھرتا ہے۔

سائنس بتاتی ہے کہ یہ کرۂ ارض، یہ آسمان، آفتاب اور ماہتاب، ستارے اور سیارے سب ایک عالم ہے جسے "ملکی" کہا جاتا ہے اور سائنس پھر یہ بتانے لگی ہے کہ "ملکی وے" (جہاں ہماری نشوونما ہوتی ہے۔) کی طرح اور بھی کئی عالم ہیں اور بھی آفتاب وماہتاب ہیں وغیرہ۔ اہلِ قرآن کے لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی اوروں کے لیے یہ تحقیق کا ثمرہ ہے لیکن قرآن میں عالمین، مشرقین، مغربین، سبع ارضین

وسبع السمٰوٰت وغیرہ کا 1400 سال سے درس دیتا آرہا ہے اور بھی عقدے قرآن میں مضمر ہیں اسی وجہ سے ایک مومن پکار اٹھا: ؎

ارض وسما کہاں تیری وسعت کو پا سکے !
میرا ہی ایک دل ہے جہاں تو سما سکے

لہٰذا ظاہر ہے کہ قرآن ایک منبع علم ہے۔ ہر ذوق کی تشنگی اس کے ذریعہ دُور ہو سکتی ہے۔ ہر مذاق کے لیے اس میں مواد حاضر ہے گویا سارے علوم ایک نقطہ بنا کر اس میں سما گئے ہوں۔ اسی کو انسان کے لیے کافی قرار دیا گیا ہے اسی سے انسان انسانِ کامل بن سکتا ہے۔ انسان اگر کامل بن جائے تو اور کیا حاجت رہ جاتی ہے۔

دینی مدارس کا تقرر اس علم کی ایک ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ حسبِ استعداد و مقدور بعض ابتدائی رہ جاتے ہیں بعض مولوی، عالم فاضل، افضل العلماء تک محدود ہو جاتے ہیں۔ باقی عارفین و محققین کا حق بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی قرآن کو علم کا جوہر قرار دیتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے بصیرت افروز اقوال یاد آجاتے ہیں جن کا تذکرہ یہاں مناسب نہیں آتا۔

اس سمندرِ بے کراں سے جوہرِ مقصود کے حصول کے لیے بنیادی تعلیم کے ادارے برائے طفلاں گہری اہمیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ ایک عالم جاہلانہ اعتراض بن کر رہ گیا ہے کہ مدرسہ کی تعلیم حاصل کر کے کیا کرنا ہے۔ پیش امام بنو گے یا استاد بنو گے۔ انہیں مدرسوں کے تعلیم یافتہ ہستیوں کے نام اگر پیش کر دیے جائیں تو ایک اچھی خاصی فہرست ہو جائے گی جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ آخر مدرسوں ہی کے تو پیداوار ہیں۔ یونیورسٹیوں سے لے کر تعلیم کے چھوٹے اداروں تک غور سے دیکھا جائے تو انھیں مدرسوں کی پیداوار نے کئی شعبوں کو زینت بخشی ہے۔ علم وادب، صرف ونحو، فلسفہ و منطق، طب وحکمت، فنِ شعر گوئی قصیدہ گوئی، مثنوی پر کمال، تصنیفاتِ عالمِ علم کے لیے انھیں کا چندہ ہے۔ اس تعلیم کو کارآمد بنانا منتظمین اور اساتذہ کا ذمہ ہو جاتا ہے۔

ابتدائی دینی مدرسے تین سطح پر قائم کئے جا سکتے ہیں۔ اول تو وہ جو ہر محلہ کی مسجد سے متصل ہوں یا مسجد ہی میں اس کا انتظام ہو۔ جس میں چھوٹے چھوٹے طلباء اپنے دین کے ابتدائی احکام سے روشناس ہوں۔ ان مدارس سے فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے طلباء میں دین کی روشنی اُجاگر ہوگی۔ اس سلسلہ میں ہم کو یہ کرنا ہے کہ ہم گھر گھر جا کر والدین کو علم کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں سمجھائیں۔ ان کے بچوں

کے نام و عمر نوٹ کریں اور کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں بچے مدرسہ آئیں اور نہ آنے کی بنا پر اس کو تحقیق کریں۔ اور کوشش کریں کہ ان رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور وہ سب مدرسہ آسکیں۔ اس کے لیے ہر مسجد میں جماعت کی طرف سے ایک دفتر بنایا جائے جس کی رو سے مدرسہ میں داخلہ کی قابل عمر والے تمام لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد معلوم ہو سکے۔

دوسرے قسم کے وہ مدارس قائم کئے جائیں جن میں مولوی عالم اور شعبۂ حفظ ہوں۔ اور کم سے کم ہر ضلع کی سطح میں ایک ہو اور اس میں طلباء کے لیے طعام و قیام کا بھی بندوبست ہو۔ اس قسم کے مدارس سے ہمیں اپنی سوسائٹی کے لیے پیش امام اور خطیب جیسے ضرورت مند لوگوں کی کمی دور ہوگی۔ جو کہ آج کا ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ان ہی مدرسوں کے ذریعہ ہمیں وہ اساتذہ بھی ملیں گے جو ابتدائی تعلیم دے سکیں۔

تیسرے وہ مدارس ہیں جن میں دینی تعلیم کے ساتھ اردو، عربی اور فارسی زبان کی لسانی اور ادبی تعلیم اور اس کی تاریخ اور اس کے بڑے بڑے مصنفین کے بارے میں بھی تعلیم دی جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے ذریعہ ہمیں دینی ضروریات کے ساتھ ساتھ دنیاوی شعبوں میں جیسے اساتذہ مدرسین، مترجمین، کتب خانوں کے نگران، لکچرار اور ریڈر پروفیسر اور وائس چانسلر جیسے عہدوں پر مامور کرنے کے لیے امیدوار ملیں گے اس میں درسِ نظامی کے ساتھ دنیاوی تعلیم کی بھی تکمیل ہوگی۔

یہ بالکل ضروری ہے کہ مختلف درجوں کے طلباء کے لیے عام طور پر ہر ہفتہ واعظین کو مدعو کیا جائے۔ جن کے لکچر کے ذریعہ معلومات کا ذخیرہ مہیا کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ سارے نہ سہی چند طلباء ایسے ملیں گے جن کے شوق کو اجاگر کیا جائے اور وہ خود مختلف دیگر علوم حاصل کرنے کے ذرائع بھی ڈھونڈیں گے۔ ایسے طلبا کی ہمت افزائی کے لیے ایک شعبہ بنا لیا جائے جس میں تعلیم اور ریسرچ کے مواقع مہیا ہوں۔ اگر سچی لگن اور محنت سے یہ کام کیا جائے تو کوئی مشکل بات نہیں۔ اس کی چند زندہ مثالیں آج کے دور میں بھی موجود ہیں۔ شمالی ہند میں، ندوۃ العلماء، دیوبند اس کی زندہ مثالیں ہیں اور جنوب میں دار العلوم طیفیہ، باقیات الصالحات، دار العلوم عمرآباد، اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ ●●

فصل الخطاب

بین الخطاء والصواب

تصنیف

مجدّدِ جنوب سلطان المرشدین

حضرت العلامہ شاہ محی الدّین سیّد شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرّہٗ

ترجمہ وتلخیص

مولوی حافظ ابو النعمان شاہ بشیر الحق قریشی قادری ادھونی استاذِ دار العلوم لطیفیہ ویلور

فائدہ نمبر ۳۱

زیارتِ قبور اور زیارت کے لیے سفر اور ان دونوں کے متعلقات

واضح ہو کہ اہلِ ایمان کی قبروں کی زیارت کرنا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا مستحب ہے اور اس مسئلہ میں سارے علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ بحر الرائق اور عالمگیری میں مرقوم ہے۔

زیارت کا حکم اس لیے ہے کہ وہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ اور قلب کی قساوت اور دنیا کی رغبت سے رہائی دلاتی ہے۔ اور یہ قلب کے لیے رقت اور عبرت کا باعث اور آخرت کی یاد کا موجب بنتی ہے۔ چناں چہ حدیث میں آیا ہوا ہے: زوروا القبور فانها تذکر الاخرة: قبروں کی زیارت کرو بے شک یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

زیارتِ قبور کے مسئلہ میں قابلِ اعتماد عمل میّت کے لیے دعا اور استغفار ہے اور یہی سنّت بھی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنّت البقیع تشریف لے جاتے تھے اور اہلِ بقیع پر سلام بھیجتے اور ان کے لیے استغفار فرماتے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کی شرح میں مذکور ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے مسئلہ میں علمائے کرام کا اجماع ہے کہ وہ قولی اور عملی سنّتوں میں سب سے افضل اور مستحبات میں مؤکد ترین مستحب ہے۔ قاضی عیاض شافعی فرماتے ہیں:

"سرورِ عالمؐ کی مزارِ اقدس کی زیارت ایک ایسی سنّت ہے جس کے مسنون ہونے پر اجماع ہے اور وہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کی غیر معمولی ترغیب اور تحریص دلائی گئی ہے۔"

بعض مالکی علمائے کرام نے قبر نبویؐ کی زیارت کو واجب قرار دیا ہے اور دوسرے مکاتیبِ فکر (حنفی، شافعی، حنبلی) کے علمائے کرام "تاویل کے ساتھ سنّتِ واجبہ قرار دیتے ہیں" اور ان کے نزدیک سنّتِ واجبہ مراد ہے ایسی موکد سنت ہے جس کی ترغیب غیر معمولی طور پر دی گئی ہے۔ جیسا کہ "جذب القلوب" میں مذکور ہے۔

زیارت کے وقت اہلِ قبور کا احترام ان کی جانب چہرہ کرنے میں، ان سے نزدیکی اور دوری اور بیٹھنے میں آداب کی رعایت ان کے درجات و مراتب کے مطابق واجب ہے۔ جیسا کہ ان کی زندگی

میں ان تمام باتوں کا پاس و لحاظ کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ "جامع الرموز" اور "شرحِ مشکوٰۃ" اور "اللالی الفاخرۃ فی تذکرۃ الآخرۃ" میں مذکور ہے۔

جب تم کسی بزرگ کی قبر پر زیارت کے لیے جاؤ تو ان کی عظمت و بزرگی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ادب و احترام کو اپناؤ۔ کذا فی زاد الآخرۃ

مولانا مخدوم محمد ہاشم سندھی اپنی کتاب "حیاۃ القلوب فی زیارۃ المحبوب" میں زیارت سرورِ عالمؐ کے آداب میں رقمطراز ہیں:۔

جب تم حمد و ثنا اور دعا سے فارغ ہو جاؤ تو توبہ کی تجدید کرو اور انتہائی خشوع و خضوع، تواضع و انکساری اور وقار و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزارِ اقدس کی جانب آؤ اور آنکھیں بند کئے ہوئے خاموش کھڑے ہو جاؤ اور اپنے اعضاء کو حرکت نہ دو اور اپنے قلب کو خطرات و وساوس اور علائق سے خالی رکھو اور سیدھے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر باندھو جس طرح کے نماز میں باندھتے ہیں۔ اور زیارت کے وقت اپنا چہرہ نبی کریمؐ کے چہرہ مبارک کی جانب رکھو اور اپنی پشت کو قبلہ کی طرف ہو اور یہی مذکور طریقہ ائمۂ اربعہ کے نزدیک مستحب ہے۔ جیسا کہ ابنِ ہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

صاحبِ "فتاوی عالمگیری" فرماتے ہیں:۔

مواجہ شریف میں حالتِ نماز کی طرح (با ادب) کھڑے رہیں اور رسولِ کریمؐ کی مبارک و مسعود اور منوّر صورت کو اپنے ذہن میں لائیں گویا کہ آپؐ اپنی مزارِ اقدس میں سوئے ہوئے ہیں اور اس کو جانتے ہیں اور اس کے کلام کو سن رہے ہیں جیسا کہ "الاختیار فی شرحِ مختار" میں مذکور ہے:۔

بلکہ زائرینِ قبرِ نبویؐ کے علاوہ دوسرے حضرات بھی اگر متبرک مقامات کی جانب متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے مقرب و برگزیدہ بندوں کی شکل و صورت کو عظمت و جلالت کے ساتھ اپنے ذہن میں مستحضر کر لیں تو یہ بات شریعتِ مطہرہ کے خلاف نہیں ہے۔ اور اس سے محض سعادت اور قرب کی تحصیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ شیخ الہند شاہ عبد الحق محدّث دہلوی نے مدارج اور اس کے تکملہ میں بیان کیا ہے۔

سند العلماء شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی نعیم الدین کے جواب (مطبوعہ ۱۲۳۷ھ) میں فرماتے ہیں:۔

نمازِ عشاء کے بعد درودِ شریف جس صیغہ کے ساتھ بھی ہو مدینۂ منوّرہ کی سمت متوجہ ہو کر نبی کریمؐ کی

مبارک و مسعود صورت کو اپنے ذہن و قلب میں مستحضر کرتے ہوئے ننّو مرتبہ پڑھنا چاہیے۔

زیارت کے لیے سفر کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ صاحب "مفتاح البیت العتیق" لکھتے ہیں کہ امام نووی شافعیؒ نے فرمایا:۔

تین مساجد (مسجد نبویؐ، مسجدِ الحرام، مسجدِ اقصیٰ) کے علاوہ دیگر مقامات مثلاً بزرگانِ دین کی مزارات اور فضیلت والے مقامات وغیرہ کی طرف سفر کرنے کے بارے میں علمائے کرام نے اختلاف کیا ہے۔ ہمارے شافعی فقہا میں شیخ ابو محمد جوینی نے فرمایا کہ تین مساجد کے علاوہ دیگر مقامات کی طرف سفر کرنا حرام ہے۔ لیکن ہمارے دیگر فقہائے کرام کے نزدیک صحیح اور درست موقف تو وہی ہے جس کو امام الحرمین اور محقق فقہا نے اختیار کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سفر نہ حرام ہے اور نہ مکروہ بلکہ جائز ہے۔

شیخ ملّا علی قاری حنفی "شرح عین العلم" میں لکھتے ہیں:

بخاری اور مسلم کے علاوہ دیگر کتابوں میں ابو ہریرہ اور ابو سعید کی روایت کردہ حدیث لا تشدوا الرحال آئی ہوئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ میری مسجد اور مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کے سوا کسی قطعۂ زمین سے حصولِ برکت کے خیال سے سفر نہ کیا جائے۔ لیکن اس حدیث سے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ حصر مساجد کے حق میں ہے۔ تمام مشاہد اور مقابر کے حق میں نہیں ہے۔ انتہی

شیخ الہند عبد الحق محدّث دہلوی ترجمۂ "مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں:۔

اولیائے کرام کی مزارات کی زیارت کے لیے سفر کرنے کے بارے میں اور مقاماتِ متبرکہ میں پہنچنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے مباح قرار دیا ہے اور بعض نے حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ "مجمع البحار" میں مرقوم ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ان مقامات (مسجدِ حرام، مسجدِ نبویؐ، مسجدِ اقصیٰ) کے علاوہ کسی بھی مقام کے لیے نذر کے طریقہ پر قصد کرنا اور جانا درست نہ ہوگا۔ اگر ان تین مقامات کے علاوہ کسی بھی مقام کی نذر اور منت کر لے تو اس کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ سفر کی ممانعت مساجد کے حق میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر جائز نہ ہوگا۔ لیکن مساجد کے علاوہ دیگر مواضع اور مقامات کی طرف سفر کی ممانعت کا مفہوم اس حدیث سے خارج ہے یعنی انبیائے کرام اور اولیائے عظام

کی قبروں کی طرف سفر کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی ۔

نیز مولانا شاہ عبدالحق محدّث "جذب القلوب" میں لکھتے ہیں :۔

لا تشدوا الرحال کی حدیث سے سفر کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی چناں چہ نحو کا قاعدہ بھی ہے کہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا لازمی ہے ۔ لہٰذا ان مساجد کے علاوہ مطلق سفر کی ممانعت لازم نہیں آئے گی اور ان مساجد کے سوا سفر سے منع بھی کیسے کیا جائے گا، جب کہ حج، جہاد، دار الکفر سے ہجرت، تجارت اور تمام دنیاوی مصالح اور فوائد کے لیے سفر کرنا جائز ہے اور شریعتِ مطہرہ کے موافق امر ہے ۔ جس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے ۔

حجۃ الاسلام امام غزالی "کیمیائے سعادت" کے رکن دوم کی ساتویں اصل میں لکھتے ہیں :

دوسری قسم سفر برائے عبادت ہے جیسے حج بیت اللہ، جہاد، انبیاءؑ، اولیاءؒ، صحابہؓ اور تابعین کے مزارات کی زیارت بلکہ عالموں اور بزرگوں کی زیارت ہے ۔ جن کے چہروں کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور ان کی دعاؤں کی برکت بڑی عظیم ہوتی ہے ۔ اور ان کے مقابر ومشاہد کے فوائد وبرکات میں سے ایک برکت یہ ہوتی ہے کہ ان بزرگوں کے نقش قدم پہ چلنے کی رغبت اور خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ لہٰذا ان کا دیدار بھی عبادت ہے اور بہت ساری عبادتوں اور ریاضتوں کا اصل ثابت ہوتی ہے ۔ جب ان نفوسِ قدسیہ اور ان کے ارشادات کے فوائد وبرکات زیارت کرنے والوں کے ساتھ پیوست ہو جائیں تو فوائد دوگنے ہو جاتے ہیں ۔ لہٰذا زیارت گاہوں اور بزرگوں کے مقبروں کی زیارت کے لیے قصد وارادہ کے ساتھ جانا جائز ہوتا ہے ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا ہے **لا تشدوا الرحال** یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تین مساجد کے سوا دیگر مقامات اور مساجد سے تبرک حاصل کرنے کی غرض سے سفر نہ کریں ۔ کیوں کہ یہ تمام فضیلت میں برابر ہیں ۔ لیکن علمائے کرام کی زیارت اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا گئے ہوں ۔ غرض حصولِ برکت کی خاطر انبیاءؑ اور اولیاءؒ کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا اور اس نیت سے سفر کرنا جائز ہے ۔

مولانا ابو المکارم رکن الدین علاؤ الدولہ احمد بن محمد البیابانکی قدس سرہٗ کے احوال میں صاحب "نفحات" فرماتے ہیں کہ ایک درویش نے ان سے سوال کیا کہ جب اس جسم کو قبر میں ادراک کی قوت نہیں

ہے اور جسم، روح سے اکتساب کرتا ہے اور وہ اس سے جُدا ہو چکی ہے اور عالمِ ارواح میں حجاب نہیں ہے پھر قبر کے پاس جانے ضرورت کیا ہے؟ اور اس سے کیا فائدہ ہے؟ کیوں کہ جس مقام سے بھی کسی بزرگ کی روح طرف توجّہ کریں تو یہ ویسے ہی ہوگا جیسے قبر پہ حاضری تو پھر کیوں قبر کے پاس جائیں؟

شیخ نے فرمایا: قبر پہ جانے میں بہت سے فوائد و برکات ہیں۔ ایک یہ کہ جب کسی شخص کی زیارت کے لیے جائیں گے اور جتنا زیادہ جائیں گے اس کی توجہ اتنی ہی زیادہ ہوگی اور جب قبر کے پاس پہنچیں اور آنکھوں سے قبر کا مشاہدہ بھی کریں تو اس کی قبر کی طرف بھی اس کی حِس مشغول ہوگی اور اس طرح اس کو توجّہ تام حاصل ہوگی اور (زیارت کا) فائدہ بہت زیادہ ہوگا۔

دوسرا یہ کہ ارواح کے لیے اگرچہ کہ کوئی حجاب نہیں ہے اور ان کے لیے سارا جہاں ایک ہے لیکن جس جسم میں روح ستّر سال تک رہی ہو اور جسمِ محشور میں حشر واقع ہونے کے بعد ابدالآباد تک رہے گی۔ وہ جسم جس جگہ (قبر) ہوگا روح کی نظر اور اس کا تعلق اس جگہ کے ساتھ زیادہ ہوگا۔ برخلاف دوسرے مقام کے۔

اس وضاحت کے بعد شیخ نے حکایت بیان کی کہ ایک مرتبہ میں جُنید بغدادیؒ کی خلوت گاہ تھا اور اس خلوت گاہ سے ذوق تمام حاصل ہو رہا تھا۔ جب ان کی خلوت گاہ سے باہر آیا اور ان کی قبر پر چلا گیا تو اس جگہ میں نے وہ ذوق نہیں پایا۔

میں نے یہ بات شیخ سے عرض کی تو انھوں نے فرمایا: کیا تم نے یہ ذوق جنید بغدادیؒ کی وجہ سے نہیں پایا؟ عرض کیا: ہاں! پھر فرمایا:

ظاہر ہے کہ جس جگہ انھوں نے صرف چند مرتبہ قیام کیا تھا تو ذوق حاصل ہوا اور جو جسم کے کئی سال تک اس کی صحبت میں تھا تو اولیٰ یہی ہے کہ ذوق زیادہ حاصل ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ احساس و شعور کی مشغولی کے باعث صاحبِ قبر سے توجہ میں کمی واقع ہو گئی ہو۔ آخر خرقہ جو مشائخ کرام سے پہنا جاتا ہے اس میں بھی تو اس کے ذوق کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اور جسم خرقہ سے بہت ہی نزدیک ہے۔

زیارت کے فوائد بہت ہیں۔ اگر کوئی شخص اسی مقام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس کی جانب متوجہ ہو تو فائدہ پائے گا۔ لیکن اگر مدینۂ منوّرہ چلا جائے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدّسہ اس کے جانے اور راہ کی صعوبت سے باخبر ہوگی اور جب اس جگہ

پہنچے تو احساس وشعور کے ساتھ روضۂ نبویؐ کو دیکھے گا اور پورے ذہن ودل کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب متوجہ ہوگا۔ مدینہ منوّرہ پہنچنے سے جو فوائد اور برکات حاصل ہوں گے اس کے مقابلہ میں دور ہی دور سے روحانیت کی طرف متوجہ ہونے سے حاصل ہونے والے برکات وفوائد کو کیا نسبت ہے۔ اوران فوائد کے درمیان جو عظیم فرق ہے یہ اہلِ مشاہدہ پر پوری طرح واضح ہے۔

اگر قبر پہ جانے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے تو سرورِ عالمؐ غزوۂ احد میں شہید ہونے والے صحابۂ کرامؓ اور جنّت البقیع میں مدفون حضرات کی زیارت کے لیے قبرستان تشریف نہیں لے جاتے۔

ان اسناد اور شواھد سے یہ بات واضح ہے کہ زیارتِ قبور مستحب ہے اور قبر پہ حاضری دینا بلکہ صاحبِ قبر کی شکل وصورت کو ذہن میں مستحضر کرلینا بھی سعادت اور حصولِ تقرب کا ذریعہ ہے۔

"مصباح الانام" کے مصنف تیرھویں فصل میں لکھتے ہیں:-

امام غزالیؒ احیاء میں ربع العبادت (جو کتاب اسرار الحج ہے) کی کتاب سابع میں فرماتے ہیں:-

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاتشد الرحال الثلاثة مساجد۔ مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے سوا کہیں سفر نہ کرو۔ اس حدیث سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ علماء اور صلحاءؒ کے مقابر اور مشاہد کی زیارت کرنا منع ہے۔ یہ بات مجھ پر کھل نہ سکی کہ فی الواقع یہ مسئلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض علماء نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ کیوں کہ شریعتِ مطہرہ میں زیارت کا حکم موجود ہے۔ چناں چہ نبیٔ کریمؐ نے ارشاد فرمایا: **کنت نھیتکم عن زیارة القبور فزوروھا**۔ میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا۔ پس اب تم زیارت کرو۔

مذکورہ حدیث ان تین مساجد سے متعلق ہے جو فضیلت میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ (بقیہ پورے مساجد فضیلت میں برابر ہیں۔)

پس کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس میں مسجد نہ ہو لہٰذا ایسی صورت میں شہر کی مسجد چھوڑ کر کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ لیکن مشاہد اور مقابر باہم مساوی نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ ان کی زیارت کی برکت اصحابِ قبور کے درجات ومراتب کے لحاظ سے ہوگی، جو عنداللہ انھیں حاصل ہیں

ہاں! اگر کسی جگہ میں ایک ہی مسجد ہو تو اس مقام سے دوسرے کسی ایسے مقام کی طرف سفر کرنا جس میں مسجد ہو درست نہیں ہے البتہ اگر وہ چاہے تو مستقل طور پہ دوسرے مقام کی طرف منتقل ہو جا سکتا ہے۔

کاش میں جان سکتا کہ کیا اس بات کا قائل انبیائے کرام مثلاً حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ وغیرہ کی مزارات کی طرف سفر کرنے کو بھی منع قرار دیگا پس اگر منع کرے تو یہ بات انتہائی محال ہو گی اور اگر سفر کو جائز قرار دے تو علماء، اولیاء اور صلحا کی مزارات اسی حکم میں داخل سمجھی جائیں گی۔

پس بعید نہیں ہے کہ سفر کے اغراض و مقاصد میں بات (تحصیل برکت) شامل ہو جیسا کہ زندگی میں علماء کی زیارت کے مقاصد میں شامل ہے۔ یہ بحث سفر کے جواز میں تھی۔ انتہی..

لیکن ہم عورتوں اور مردوں کے اختلاط سے جن منکراتِ شرعیہ کے وقوع اور رونما ہونے کا احساس کر رہے ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان خلاف شرع امور کو ختم کر دیں۔ یہ نہیں کہ کسی امرِ جزوی کی وجہ سے کسی امرِ کلّی کو ترک کر دیں۔

امام مقری "الارشاد" کے باب الجہاد میں فرماتے ہیں:

عورتوں کا جہاد میں تیر چلانا جائز ہے۔ جب کہ ہم ان کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ اور امام ابن سیرین بعض جنازوں میں شریک ہوئے جن میں نوحہ کیا جا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر امام ابن سیرین نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت حسن بصری نے ان سے کہا کہ اگر ہم اس طرح جب کبھی کسی بدعت کو دیکھ کر سنّت کو چھوڑ دیں تو اس طرح ہم بہت سی سنّتوں کو خیرباد کہہ دیں گے۔

اس واقعہ کو امام زکریا نے "شرح رسالۃ القشیریہ" میں ذکر کیا ہے۔

اور شیخ محمد ابنِ احمد العدنی نے بھی شرحِ "تراجم البخاری" میں جو وضاحت کی ہے وہ بھی اس موقف سے قریب ہے۔

امام علامہ عبداللہ بن عمر مخرمہ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کسی جنازہ میں مختلف اور متعدد منکراتِ شرعیہ موجود ہوں مثلاً عورتوں کا نکل آنا اور ان کا مردوں کے ساتھ اختلاط وغیرہ تو ایسی صورت میں کوئی شخص جنازہ میں شریک نہ ہو تو کیا اُسے معذور قرار دیا جائے گا؛ جب کہ اس کے لیے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ وہ ان منکرات کا ازالہ کر سکے۔

امام موصوف نے جواب دیا کہ باطل کی وجہ سے حق کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ خلافِ شرع

کام روک سکتا ہے تو جنازہ میں شریک ہو کر یہ کام انجام دے۔ اور اگر نہیں روک سکتا ہو تو اپنے دل میں غیر مشروع کام کو مکروہ سمجھے۔ اس کراہت اور ناپسندیدگی کے باعث عنداللہ اجر و ثواب پائے گا۔
اور ابنِ عبدالسلام نے بھی مذکورہ مسئلہ کے موافق طویل جواب دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ فتاویٰ العدنیہ کی عبارت مکمل ہو گئی۔

"تحفہ" کے مصنف شیخ ابنِ حجر مکی سے سوال کیا گیا۔ کیا اولیاء کرام کی مزارات کی زیارت کے ارادے سے ایک متعین وقت میں سفر کرنا جائز ہے جب کہ مزارات کے پاس کثیر مفاسد پائے جاتے ہیں۔ جیسے مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور کثیر چراغوں کا روشن کرنا وغیرہ وغیرہ۔

آپ نے جواب دیا: اولیائے کرام کی مزارات کی زیارت کرنا اور اس کے لیے سفر کرنا مستحب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے اور شیخ ابو محمد کا یہ قول کہ صرف قبر نبیؐ کی زیارت کے لیے سفر کرنا مستحب ہے۔ اس کی تردید امام غزالی نے کر دی ہے۔

حدیث میں تین مساجد کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف سفر کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ جب تمام مساجد فضیلت و ثواب میں مساوی ہیں تو کسی مسجد کی طرف سفر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں شیخ ابو محمد نے اسی ممانعت پر قیاس کیا ہے۔ لیکن حضرات اولیاء کے درجات و مراتب، تقرب الی اللہ کے لحاظ سے متفاوت اور متفرق ہوتے ہیں۔ اور ان کے اسرار و معارف کے اعتبار سے زیارت کرنے والوں کو
زیارت میں متعدد اور گوناں گوں فوائد و برکات حاصل ہوتے ہیں۔
ہیں سے مزاراتِ اولیاء کی طرف قصد و ارادہ کے ساتھ سفر کرنا صرف مردوں کے لیے مسنون ہونا اور ان کی نذروں کا منعقد ہونا معلوم ہو گیا۔

اور سائل نے جن بدعات اور محرکات کی جانب اشارہ کیا ہے یہ اس قسم کی چیزیں ہیں کہ ان کی وجہ سے قربات اور مستحبات کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان قربات پر عمل کرنا اور ان بدعات کا انکار و ازالہ انسان پر لازم ہے۔

اور فقہائے کرام نے ذکر کیا کہ قطع نظر طوافِ واجب کے مندوب طواف بھی عورتوں کی موجودگی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اسی طرح رمل بھی۔ البتہ فقہاء نے حکم دیا ہے کہ عورتوں سے دور رہتے ہوئے طواف اور رمل کریں۔ اور جو بھی حرام دیکھیں تو منع کریں بلکہ ممکن ہو تو اس کا

ازالہ کریں۔

اور جس نے اختلاط اور اس جیسی چیزوں سے خوف کھاتے ہوئے زیارت ہی کو مطلقاً منع قرار دے تو اس سے یہ بات لازم آئے گی کہ وہ طواف، رمل، عرفہ اور مزدلفہ میں قیام اور رمی کو بھی منع قرار دے۔ اور ائمہ کرام نے ان امور میں کسی امر کے متعلق ممانعت نہیں کی حالانکہ ان سارے امور کے اندر اختلاط ہی اختلاط ہے۔ فقہا نے نفسِ اختلاط کو منع کیا نہ کہ اس قسم کے امور میں اختلاط کو۔

اور جس نے اختلاط کے خوف سے زیارت کا انکار کیا ہے اس کی جلالت سے دھوکہ نہ کھاؤ اور اس کے کلام کے محمول کو ہماری بیان کردہ تفصیل پر متعین کر دو۔ ورنہ اس کے لیے اور کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور اس کا زعم کہ اولیاء کرام کی زیارت بدعت ہے، کیوں کہ اس کا رواج سلف کے زمانہ میں نہ تھا ممنوع ہے اور اس کے قول کو تسلیم کرنے کی صورت میں بھی وہ بدعت منہیہ نہیں بلکہ بدعتِ واجبہ قرار پائے گی۔

جیسا کہ خود انھوں نے تصریح کی ہے۔ علّامہ ابن حجر کا جواب مکمل ہوا۔

اور "جواہر" کی عبارت یہ ہے کہ زیارتِ قبور اور جس قدر ممکن ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت اور میّت کے حق میں دعائے مغفرت کرنا مندوب اور مستحسن ہے۔ ایک عالم یا اس کے مثل آدمی کی قبر کے نزدیک کسی مخصوص دن میں اجتماع بدعت نہیں ہے بلکہ ایسی زیارت مندوب اور مستحسن ہے۔

"مصباح الانام" کے مصنف سترھویں فصل میں لکھتے ہیں:۔

جان لیجئے! بے شک نجدی کے ہفوات اور واہیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا۔ بلکہ مقام احساء کے لوگ زیارتِ نبوی ﷺ سے مشرّف ہوئے اور جب مقام درعیہ میں پہنچے تو نجدی نے ان کی داڑھیاں منڈھوادیں اور انھیں انتہائی خستہ حالت میں درعیہ سے احساء کی طرف لوٹا دیا۔ حتّٰی کہ اس سال دنیا جہاں سے لوگ درعیہ آپہنچے اور ان سب کا مقصد بھی زیارت نبوی ﷺ اور حج تھا۔

بعض لوگوں نے نجدی کو یہ کہتے ہوئے بھی سُنا کہ یہ مشرکین ہیں مدینہ کے راستے پر جا رہے ہیں۔

انھیں جانے دو اور مسلمان وہ ہیں جو ہمارے حلقے میں ہیں۔

(یہ عجیب و غریب تشدّد اور تعصب ہے کہ) باوجود اس کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے زیارت سے منع نہیں کیا۔ البتہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ زیارتِ نبویؐ کے لیے سفر کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور ابو محمد نے فرمایا کہ حضور اکرمؐ کی زیارت کے سوا کسی اور انسان کی زیارت کے لیے سفر مستحب نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے تیرھویں فصل کے خاتمہ میں بیان کیا ہے۔

زیارتِ نبویؐ کے لیے سفر کو ممنوع قرار دینے والے حضرات اور اولیائے کرام کی زیارت کے لیے سفر کو غیر مستحب قرار دینے والے حضرات کے موقف کی تردید امام غزالی نے "احیاء" میں کردی ہے۔

اس فرق کو پیشِ نظر رکھیں کہ نجدی قبرِ نبویؐ کی زیارت کرنے والے کو عقاب اور عتاب کر رہا ہے اور ابن تیمیہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ قبرِ نبویؐ کی زیارت کرنے والا خطاکار ہے بلکہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ بالراست قبرِ نبویؐ کی زیارت غیر مستحب ہے۔ لہٰذا مسجدِ نبویؐ کی طرف سفر کی نیّت کی جائے اور اس کے ضمن میں نبیٔ کریمؐ کی زیارت کی جائے۔ اس کے بعد ابنِ تیمیہ نے جو کلام کیا ہے وہ چنداں قابلِ التفات نہیں۔

نیز "مصباح الانام" کے مصنف مذکورہ فصل میں لکھتے ہیں:۔

"احیاء" میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو قبرِ نبویؐ کے پاس مقرر کیا ہے جو ہر اس امتی کا سلام بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچا دیتا ہے جس نے آپؐ پر سلام بھیجا ہے۔

پھر غزالی نے فرمایا:

یہ اس شخص کے حق میں ہے جو آپؐ کی مزار پر حاضری نہ دے سکا۔ پھر بھلا کیسے اس شخص کا سلام آپؐ کی بارگاہ میں نہیں پہنچے گا جس نے وطن سے مفارقت اختیار کی اور آپؐ کی محبت اور شوق میں وادیوں کو طے کرتے ہوئے روضۂ اقدس پہ آپہنچا۔ انتہی

مذکورہ دونوں فصلوں میں مصنف "مصباح الانام" کی بڑی طویل بحث ہے۔ جس کے نقل کی یہاں گنجائش نہیں۔ ••

فائدہ نمبر ۳۲

درتبرک

صاحبِ تفسیرِ جلالین سورۃ البقرہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترلک اٰل موسیٰ واٰل ھارون تحملہ الملئکہ ان فی ذلك لاٰیۃ لکم ان کنتم مؤمنین۔

اوران کے نبی حضرت شمویل ؑ نے کہا جب کہ لوگوں نے ان سے طالوت کی سلطنت سے متعلق نشانی طلب کی۔ بے شک ان کے بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آئے گا جس میں انبیائے کرام کی تصویریں ہوں گی۔ اوراس صندوق کو اللہ نے حضرت آدمؑ پر نازل فرمایا اوراُن کے نزدیک ایک عرصۂ دراز تک رہا اوراس کے بعد قوم عمالقہ نے اس پر قبضہ کرلیا اور یہ لوگ اسی تابوت کے ذریعہ اپنے دشمنوں پر فتح ونصرت طلب کرتے تھے۔ اور جنگ میں اس کو مقدم رکھتے اور اس سے سکینت وطمانیت پاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: اس تابوت میں تمہارے قلوب کے لیے تمہارے ربّ کی طرف سے طمانیت و سکینت موجود ہے اوراس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے آثار و متروکات ہیں۔ وہ آثار یہ ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلینِ شریفین اور آپؑ کا عصائے مبارک اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور من وسلویٰ (جو اُن لوگوں پر آسمان سے نازل ہوتا تھا) کا پیمانہ۔ اور تورات کے الواح کے ریزے وٹکڑے اوراس صندوق کو فرشتے اٹھا لاتے تھے۔ بے شک اگر تم صاحب ایمان ہو تو اس میں تمہارے لیے طالوت کی بادشاہت پر نشانی ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "فتح الرحمٰن" میں فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل کو ان کے پیغمبر شمویل ؑ نے کہا کہ طالوت کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس میں تمہارے پروردگار کی جانب سے تسکینِ قلب کا سامان ہے جیس

کے سبب سے تم لوگ جنگ کے لیے آمادہ ہوجاؤ گے اور اس صندوق میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے کچھ آثار اور متروکات ہوں گے۔ اور اس کو فرشتے اٹھالائیں گے۔ بے شک اگر تم صاحبِ یقین ہو تو اس صندوق میں تمہارے لیے نشانی ہے۔

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی "موضح القرآن" میں فرماتے ہیں :۔

"اور کہا ان کو ان کے نبی نے نشانی اس کی سلطنت کا یہ کہ آوے تم کو صندوق جس میں دل جمعی ہے تمہارے رب کے طرف سے اور کچھ چیزیں جو چھوڑ گئے موسیٰ اور ہارون کی اولاد اٹھالاویں اس کو فرشتے اس میں نشانی ہے تم کو اگر یقین رکھتے ہو۔" انتہی

اور یہ فائدہ موضح القرآن کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اُس میں تبرکات تھے موسیٰ وہارون کے۔ لڑائی کے وقت سردار کے آگے لے چلتے اور دشمن پر حملہ کرتے تو اِس کو آگے دھر لیتے۔ پھر اللہ فتح دیتا۔ جب بدنیت ہوگئے وہ صندوق اُن سے چھن گیا۔ غنیم کے ہاتھ لگا۔ اب جو طالوت بادشاہ ہوا وہ صندوق خود بخود رات کے وقت اُس کے گھر کے سامنے آموجود ہوا۔ سبب یہ کہ غنیم کے شہر میں جہاں رکھا تھا اُن پر بلا پڑی پانچ شہر ویران ہوئے تب ناچار انہوں نے دو بیلوں پر لاد کر ہانک دیا۔ پھر فرشتے بیلوں کو ہانک کر یہاں لے آئے۔" انتہی

صاحبِ جلالین سورۂ یوسف کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یاتِ بصیرا۔ فلما ان جاء البشیر القاہ علی وجہہ فارتد بصیرا۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔ میری قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو تو ان کی آنکھوں میں روشنی آجائے گی۔ یہ وہی قمیص ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت پہن رکھا تھا جب کہ انھیں آگ میں ڈال دیا گیا تھا۔ اور یہی قمیص حضرت یوسفؑ کی گردن میں رہی جب کہ وہ کنوئیں میں ڈال دئے گئے تھے اور یہ جنّت کی قمیص تھی۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت یوسفؑ کو حکم دیا کہ اس قمیص کو اپنے والد (حضرت یعقوبؑ) کے پاس بھیج دیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا۔ اس میں بو باس ہے جس مریض پر ڈال دیں وہ شفایاب ہوگا۔ پس اُن کے چہرہ پر ڈال دو تو آنکھوں میں بصارت لوٹ آئے گی۔

نیز صاحبِ جلالین، تفسیر سورۂ یوسفؑ میں فرماتے ہیں :

جب یہودا حضرت یعقوبؑ کے پاس قمیص لے کر آیا اور ان کے چہرہ پر ڈال دیا تو آنکھوں

میں روشنی آگئی۔ یہی وہ یہودا تھا (جس نے) حضرت یعقوبؑ کے پاس حضرت یوسفؑ کی خون آلود قمیص لے کر حاضر ہوا تھا۔ اس لیے اس نے چاہا کہ حضرت یعقوبؑ کو فرح و سرور سے ہمکنار کرے، جس طرح کہ اس نے انھیں مغموم و محزون کیا تھا۔ جب قمیص آپؑ کے چہرہ پہ ڈال دیا تو آنکھوں میں روشنی آگئی۔

مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی "فتح الرحمٰن" میں فرماتے ہیں:۔

حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ میرا پیراہن لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو تاکہ وہ بینا اور صاحبِ بصارت ہو جائیں۔

نیز شاہ صاحب اسی کتاب میں فرماتے ہیں: پس جب حضرت یعقوبؑ کے سامنے مژدہ سنانے والا آ پہنچا اور ان کے چہرہ پر قمیص ڈال دیا تو وہ بینا ہو گئے۔

مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی "موضح القرآن" میں لکھتے ہیں:

لے جاؤ کرتا میرا اور ڈالو منہ پر میرے باپ کے چلا آوے آنکھوں سے دیکھتا۔

نیز شاہ صاحب اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

پھر جب پہنچا خوش خبری والا ڈالا کرتا اس کے منہ پر تو الٹا پھر آنکھوں سے دیکھتا۔ انتہی

مذکورہ آیات سے برکات کا ثبوت ملاحظہ کیجیے:۔

شیخ الاسلام زکریاؒ "شرح رسالہ قشیریہ" میں اولیاء کرام کی کرامات کے اثبات میں فرماتے ہیں: شیخ معروف کرخیؒ طبقۂ اولیاء میں منبع فیوض و برکات ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا مزار بھی تریاقِ آزمودہ ہے۔ جس شخص نے بھی اس سے کچھ اخذ کیا وہ شفایاب ہوا۔ انتہی

"النہایہ" کے مصنف لکھتے ہیں کہ امام رملی نے اولیائے کرام کے آستانوں کو تحصیل تبرک کے ارادہ سے چومنے کو بغیر کراہت کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ انتہی۔

"مصباح الانام" کے مصنف تیسری فصل میں لکھتے ہیں:

نجدی کے خرافات اور بیہودہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اولیائے کرام کی زیارت کا قصد اور ان کے ساتھ حسنِ اعتقاد اور ان سے تحصیل تبرک کا عقیدہ شرکِ اکبر ہے۔ واضح رہے کہ اولیائے کرام کی زیارت کا قصد اور ان سے تحصیل تبرک کا حکم پہلے خود نبی کریمؐ نے اپنے دو مصاحب حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو دیا ہے کہ وہ حضرت اویس قرنیؒ کے پاس جائیں اور ان سے دعا و استغفار

طلب کریں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

اولیائے کرام سے حصول برکت کی نظیر یہ ہے کہ نبی کریمؐ کی چادرِ مبارک حضرت کعب بن زبیرؓ کے پاس تھی جس سے وہ برکت حاصل کرتے تھے۔ اس چادر کو حضرت معاویہؓ نے ان کی اولاد سے تیس ہزار درہم دے کر خریدا۔ اور ہمیشہ خلفاء اس سے برکت حاصل کرتے رہے۔

اور نبی کریمؐ کے موئے مبارک حضرت خالدؓ بن ولید کی ٹوپی میں تھے اور وہ اس ٹوپی کو ہمیشہ برکت کے خیال سے پہنے رہتے تھے۔ جیسا کہ قاضی عیاض نے "شفاء" میں ذکر کیا ہے۔

امام عبد الرؤف المناوی الشافعی مصنف "الکواکب الدریہ فی طبقات الصوفیاء" نے امام سیوطی کی کتاب "خصائص" کی شرح میں لکھا ہے کہ جب نبی کریمؐ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا تو آپؐ نے اپنے سرِ مبارک کو منڈھوایا اور صحابۂ کرامؓ میں تبرک کے خیال سے اپنے بال تقسیم فرمایا۔ کتابِ مذکور میں یہ طویل حدیث ملاحظہ کیجیے۔

تحصیل تبرک کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ قرآنِ کریم میں خود اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسفؑ کی حکایت بیان فرمائی اذهبوا بقميصي هذا فالقوه على وجه ابي يات بصيرا فلما ان جاء البشير القاه على وجهه فارتد بصيرا۔ میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو تو اُن کی آنکھوں میں بصارت آ جائے گی۔ پس خوش خبری سنانے والا آ پہنچا اور حضرت یعقوبؑ کے چہرہ پر قمیص ڈال دی تو ان کی آنکھوں میں روشنی آ گئی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہر چیز کی اصل اور بنیاد اعتقاد ہے۔ اور اس اُمت کے مردوں میں سب سے پہلے جنھوں نے یہ سعادت حاصل کی (سعید اور نیک بخت) حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جنھوں نے نبی کریمؐ پر اعتقاد رکھا کہ آپؐ اللہ کے رسول اور اللہ کے حبیب ہیں اور خدا کی ساری مخلوق میں سب سے بہتر اور افضل ہیں۔ پس اسی اعتقاد کی بُنیاد پر آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تصدیق کی۔

اعتقاد، انتقاد اور تنقید کی ضد ہے۔ اور یقیناً کفّار اسی سے شقی اور بد بخت ہو گئے اس لیے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقید اور تنقیص کی اور آپؐ کو آپؐ کے صحابہؓ کو اور ان کو دوست رکھنے والوں کو عظمت وجلالت اور تعظیم وتکریم کی نگاہوں سے نہیں دیکھا اور ان حضرات کے لیے اس معنی کے لحاظ سے نصیبہ وری ہے۔ پس جو شخص بھی ان صحابہ کرام کو اور ان کے دوستوں

کو اعتقاد کی نظر سے دیکھے تو وہ نیک بخت اور سعید ہے۔ اور جو شخص اُن کو انتقاد اور تنقید کی نظر سے دیکھے تو وہ شقی اور بدبخت ہے اور وہ ان کے فیوض و برکات سے محروم ہے۔ انتہی۔

* * *

فائدہ نمبر ۳۳

در اَقسامِ نِدا

واضح ہو کہ ندا کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ندا کبھی تعبد کے طریقے پر ہوتی ہے۔ جیسے کوئی شخص نماز یا خارجِ نماز میں یا ایھا المزمل پڑھتا ہے۔ اس سے یہاں یہ بات لازم نہیں آتی کہ قاری غیب دانی کا اعتقاد رکھتے ہوئے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر رہا ہے اور آپؐ کو نمازِ تہجد ادا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ معاذ اللہ من ذلک۔ بلکہ کلام خدا کو تعبد کے طریقہ پر تلاوت کر رہا ہے۔

اور اسی طرح تشہد میں السلام علیک ایھا النبی یہ ندا بھی تعبد کے طریقے پر ہے۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی شرحِ "مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی اس کلام کو اسی نہج پر باقی رکھتا ہے جس نہج پر وہ اصل میں تھا۔ کیوں کہ شبِ معراج میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پروردگار کی جانب سے سلام کا خطاب اسی طرح آ پہنچا اور یہی لفظ امّت کی تعلیم کے وقت میں بھی باقی رکھا گیا۔

اور ندا کبھی قانونِ فصاحت کے اقتضاء کی وجہ سے ہوتی ہے جس کو اصحابِ علم بدیع کی اصطلاح میں التفات کہتے ہیں۔ منادی (ندا کرنے والا) اس قسم میں یا غائب کو حاضر قرار دے کر مخاطب ہوتا ہے۔ چناں چہ اکابر حضرات کی مثنویات اور قصائد میں اس قسم کی ندا کا استعمال کثرت سے موجود ہے۔ یا کلامِ غائبانہ سے خطابِ حاضرانہ کی جانب انتقال کرتا ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی کے کلام میں ہے: ؎

خدیو خردمند فرخ نہاد　　کہ شاخِ امیدش برومند باد
درختے بہشتے تولے بادشاہ　　کہ افکندۂ سایہ بکسالہ را

نیک سیرت عاقل بادشاہ جس کی امید و آرزو کی شاخ سرسبز رہے اے بادشاہ تو شجرِ طوبیٰ ہے جس کا سایہ ایک سال کی مدت میں طے ہو سکے گا۔

اور کبھی بیماری والا شخص اور ڈرنے والا شخص مرض اور خوف کی حالت میں اپنے ماں باپ اور دیگر غم خواروں کو بے اختیار غیب دانی کی نیّت کے بغیر پکارتا ہے اور کبھی مغموم شخص فرطِ غم سے وفات یافتہ لوگوں کو پکارتا ہے لیکن وہ ان کے غیب دان ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اور کبھی عاشق فرطِ محبت اور جوشِ الفت سے معشوقِ غائب کو حاضر قرار دے کر اس سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور اپنے بے قرار دل کو کچھ قرار و تسکین دیتا ہے۔ اور ندا کبھی توسل اور استمداد کے طریقے پر ہوتی ہے۔ ••

* * *

(بقیہ مضمون "ندا اور دعا کے درمیان فرق") ص 96 سے آگے ....

اور حدیث شریف میں ہے: یاَ عباد اللہ اعینونی اور دوسری روایت میں أعینونی وارد ہے۔

اور ہم نے پوری شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب "السیف الباتر" میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ لہٰذا یہ کتاب اور اس موضوع پر دوسری کتابیں مطالعہ کریں۔ اور امام علامہ عارف باللہ سید عبداللہ بن ابراہیم میر غنی ساکن طائف نے بھی اس مسئلہ پر: "تحریض الاغبیاء علی الاستغاثہ بالانبیاء والاولیاء" کے نام سے بڑی انوکھی تالیف تحریر کی ہے۔ انتہی

اس فصل میں اور دوسری فصلوں میں مسئلہ نداء اور اس کے اسناد سے متعلق مذکورہ مصنف کی بڑی عمدہ بحث موجود ہے۔ لیکن ان کی تفصیلات کا یہ محل نہیں۔

حاصل کلام!

ان دلائل و براہین کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ دونوں جانب کے بعض لوگ ندائے غائب کے مسئلہ میں مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا باقر آگاہ مدراسی اور دیگر بزرگانِ عالی قدر پر جو لعن طعن کر رہے ہیں۔ یہ سب بے اصل ہے ــ ••

فائدہ نمبر ۳۴

توسّل واستمداد

"حصن حصین" کے مصنف شیخ القراء والمحدثین "آداب الدعا" میں امام بخاری، امام بزار اور امام حاکم سے نقل کرتے ہیں ' وان نتوسل الی اللّٰہ تعالیٰ بانبیائہ ' ہمیں چاہیے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاءِ کرام کا وسیلہ اختیار کریں اور امام بخاری سے نقل کرتے ہیں و الصالحین من عبادہ ای ان نتوسل الی اللّٰہ تعالیٰ بالصالحین من عبادہ۔ ہمیں چاہیے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے صالح اور نیک بندوں کا وسیلہ اختیار کریں۔

"مصباح الانام" کے مصنف چودھویں فصل میں لکھتے ہیں کہ بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ انسان کا اپنے صالح عمل کے وسیلہ سے دعا کرنا صحیح اور درست ہے جیسا کہ اہلِ غار کی حدیث میں ہے۔ (تین اشخاص غار میں تھے۔ تیز و تند آندھیوں کے باعث ایک بڑی چٹان ڈھل گئی جس سے غار کا منہ بند ہو گیا۔) کہ انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنے افضل اعمال کے وسیلہ سے دعا کی تو اللّٰہ تعالیٰ نے انھیں اس مصیبت سے رہائی عطا کی۔ بخاری و مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے انتہی

مولانا شاہ عبدالحق دہلوی شرح "مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں کہ بہت سے فقہا نبیٔ کریمؐ اور انبیاء کے علاوہ دیگر اہلِ قبور سے توسل اور استمداد کا انکار کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ زیارت کا مقصد صرف اموات کے لیے دعا، استغفار اور تلاوتِ قرآن کے ذریعہ نفع پہنچانا ہے۔ اور مشائخ صوفیاء اور بعض فقہا نے نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور انبیائے کرام کے سوا دیگر حضراتِ کرام مثلاً صحابہؓ اور اولیاء سے توسل اور استمداد ثابت کیا ہے۔ اور اہلِ کشف و کمال کے نزدیک یہ مسئلہ ثابت اور متحقق ہے کہ انبیاء کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی بہت سارے لوگوں کو فیوض و برکات پہنچتے ہیں اور اس طائفہ کو صوفیا کی اصطلاح میں اُویسی عہ کہتے ہیں۔

عہ جن سے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں اور خواب میں ان کا دیدار بھی ہوتا ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: قبولیتِ دُعا کے لیے امام موسیٰ کاظم کا مزار شریف تریاقِ مجرب ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فرمایا: جس شخص سے اس کی زندگی میں مدد طلب کی جاتی تھی اس کی وفات کے بعد بھی اس سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔

مشائخِ عظام میں سے ایک بزرگ نے فرمایا: میں نے مشائخ کرام میں چار اشخاص کو دیکھا جو اپنی قبروں میں اسی طرح تصرف کر رہے ہیں، جس طرح کہ وہ اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے۔ بلکہ زندگی سے بھی زیادہ تصرف کر رہے ہیں۔ ایک شیخ معروف کرخیؒ دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور اولیاء کرام میں سے مزید دو حضرات کو شمار کیا۔ یہاں جن اصحابِ تصرف کا شمار کیا گیا ہے اس سے حصر مقصود نہیں ہے، بلکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جن بزرگوں کو دیکھا اور متصرف پایا اس کو بیان کر دیا ہے۔

سید احمد زروق جو دیارِ مغرب کے عظیم علماء اور مشائخ میں سے ہیں انھوں نے فرمایا: ایک روز شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ بزرگوں کی امداد قوی تر ہے یا وفات یافتہ بزرگ کی امداد؟ میں نے عرض کیا: ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ بزرگ کی امداد قوی تر ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ بزرگ کی امداد قوی تر ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا: ہاں! یہ درست ہے۔ کیوں کہ وفات یافتہ بزرگ حق تعالیٰ کی بساط میں اور اس کے حضور میں ہے۔ اس موضوع پر صوفیا کی بڑی تفصیلات ہیں جو احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ اور کتاب و سنّت اور مشائخ سلف صالحین کے ارشادات اور اقوال میں کوئی قول ایسا نہیں ہے جو ان امور و حقائق کا مخالف اور منافی ہو۔ اور ان کی تردید کرتا ہو۔ آیات اور احادیث سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ روح غیر فانی ہے اور اولیاء اللہ کی ارواح کو بارگاہ خداوندی میں ایک خاص قرب اور ایک مخصوص مقام حاصل ہے۔ جس طرح کہ انھیں زندگی میں حاصل تھا۔ بلکہ زندگی سے بھی زیادہ بلند مقام اور تقرب حاصل ہے۔ اور اولیاء اللہ کو دنیا میں تصرف اور کرامات کی نعمت حاصل ہے اور یہ قوتِ تصرّف اور شرفِ کرامت دراصل ان کی ارواح سے وابستہ ہے اور ارواح غیر فانی ہیں۔ اور متصرفِ حقیقی نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی متصرف حقیقی ہے اور یہ ساری چیزیں یعنی تصرف و کرامات اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے ہے۔ اور یہ حضرات اپنی زندگی میں اور اپنی موت کے بعد بھی جلال حق میں فانی ہیں۔ لہٰذا اللہ کے برگزیدہ دوستوں میں سے کسی دوست کی وساطت سے اور اس کے مقام کے باعث جو اس کو بارگاہِ ایزدی میں حاصل ہے۔ اگر کسی شخص کو کوئی چیز حاصل ہو جائے تو یہ بعید نہیں ہے جس طرح کہ حیات کی حالت میں تھا اور زندگی و موت دونوں حالتوں میں فعل اور تصرّف اللہ تعٰ

ہی کا ہے۔ یعنی وہی فاعلِ حقیقی اور متصرفِ حقیقی ہے۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اِن دو حالتوں کے درمیان فرق کر سکے۔ اور اس کے لیے کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔ (یعنی بزرگانِ دین زندگی میں تو متصرف ہوں اور موت کے بعد نہ ہوں۔)

علامہ ابنِ حجر مکی ہیتمی نے اس حدیث لعن اللّٰہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور ھم انبیائھم مساجد یعنی اللہ تعالےٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا ہے) کی تشریح میں لکھا ہے کہ لعنت کی بات اس صورت پر مبنی ہے جب کہ نمازی صاحبِ قبر کی تعظیم کے خیال سے قبر کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھے اور یہ بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن کسی پیغمبر یا اللہ کے ولی کی قبر کے قریب مسجد تعمیر کرنے میں اور کسی پیغمبر یا ولی کی قبر کے نزدیک نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جب کہ نماز پڑھنے میں صاحبِ قبر کی تعظیم کا قصد نہ ہو۔ اور قبر کی جانب توجہ نہ ہو بلکہ صاحبِ قبر سے حصولِ مدد کی نیت ہو تاکہ اس کی برکت اور اس کی روح پاک کی قرب و مجاورت کی وجہ سے عبادت کا ثواب کامل ہو۔

شاہ صاحب "جذب القلوب" کے پندرھویں باب کے آخر میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنتِ اسد کی قبر کے ذکر میں مذکور ہوا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی قبر میں اُترے اور یہ دعا پڑھی: بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی: اے اللہ! تیرے نبی (محمدؐ) اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کے وسیلہ سے فاطمہ بنتِ اسد کی مغفرت فرما۔

اس حدیث میں حیات اور ممات دونوں حالتوں میں وسیلہ جائز ہونے پر دلیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت (بحق نبیك) کی وجہ سے حالت حیات میں وسیلہ جائز ہے اور انبیاء کرام کی جانب نسبت (والانبیاء الذین من قبلی) کی وجہ سے بعد از وفات وسیلہ جائز ہے اور جب حضرات انبیاء کرام سے بعد از وفات وسیلہ جائز ہے تو سید الانبیاء سے بطریقِ اولیٰ بعد از وفات وسیلہ جائز ہوگا بلکہ اس حدیث سے اگر یہ قیاس کیا جائے تو درست ہوگا۔ کہ اولیاء اللہ سے بھی ان کی وفات کے بعد وسیلہ جائز ہے۔ مگر اس صورت میں جب کہ بعد از وفات وسیلہ طلب کرنا انبیاء کے لیے مخصوص ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو۔ ظاہر ہے کہ اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

نیز شاہ صاحب اسی میں رقمطراز ہیں:۔

عالمِ برزخ اور قبر کی منزل میں انبیائے کرام ہی کے ساتھ تبرک اور توسل کو مخصوص رکھنے میں تردد ہے،

اوران کے علاوہ امّت کے صلحاء اور اولیاء اللہ کے حق میں توسل کے جواز کی وجہ ظاہر ہے۔ حالتِ حیات میں توسل کا جواز عام ہونے کی وجہ سے میت کی روح اور شعور و ادراک کے بقاء کے ضمیمہ کے ساتھ اور عنداللہ ان کے قرب و منزلت کی وجہ سے جو انُ کو ایمان و عملِ صالح اور اتباعِ سنّت کی وجہ سے حاصل ہے۔

اس کے علاوہ توسل کی حقیقت بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال اور دعا کی جائے اللہ تعالیٰ کی اس محبت و کرم کے واسطے سے جو وہ اس بندۂ خاص کے ساتھ رکھتا ہے۔

یا اس بندہ کی روحانیت سے التماس اور طلب کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور فریاد کرے اس بندۂ خاص کے قرب و کرامت کے وسیلہ سے جو اس کو بارگاہِ خداوندی میں حاصل ہے۔ اور اس کے لیے نص صریح موجود رہنے کی ضرورت نہیں متوسل ہی کی ذات کے بقاء کے وجود کی جہت ہی سے انتہی

نیز شاہ صاحب "اشعۃ اللمعات فی شرحِ مشکوٰۃ" کی تیسری جلد میں باب "حکم الاسراء" میں فرماتے ہیں کہ اہلِ قبور میں جو اولیاء اور صلحا ہیں ان سے توسل و استمداد کے منکر چند فقہا ہی ہیں (انبیاء کرام سے توسل و استمداد کے مسئلہ میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جائز ہے) اگر ان بعض فقہاء کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ قبور کو زائرین اور ان کے احوال کے علم اور سماع کی قدرت نہیں ہے تو اس خیال کا باطل ہونا ثابت ہے اور اگر انکار کی وجہ یہ ہے کہ ان کو قبر میں قدرت اور تصرف کی قوت نہیں ہے کہ وہ مدد کر سکیں بلکہ یہ خود ہی محبوس اور ممنوع ہیں اور قبر میں پیش آنے والے عوارضات میں مشغول اور منہمک ہیں اور ان کو وہاں کی شدت و تکلیف دوسروں کی طرف متوجہ ہونے سے روک رکھی ہے تو یہ کلیہ بالخصوص اولیاء اللہ کی شان میں صحیح نہیں ہے۔ جو اللہ کے دوست اور محبوب ہیں۔ یہ بات ممکن ہے کہ ان کی ارواحِ مقدسہ کو قربِ خداوندی کے باعث برزخ میں شفاعت، دعا اور زائرین کی حاجات کو پورا کرنے کی قدرت حاصل ہو جو انُ کا وسیلہ طلب کرتے ہیں۔ جیسا کہ قیامت کے روز انھیں یہ قدرت حاصل ہوگی اور اس کی نفی پر کیا دلیل ہے۔

مفسرِ قرآن امام ناصرالدین بیضاوی نے "والنازعات غرقا. الآیہ کی تفسیر ارواحِ فاضلہ کی صفات سے کی ہے۔ ان کے بدن سے مفارقت کی حالت میں جب کہ انھیں ان کے جسموں سے کھینچ لیا جاتا ہے علاحدہ ہوتی ہیں اور عالم ملکوت کی جانب خوشی سے پرواز کرتی ہیں اور اس میں سیر و سیاحت کرتی ہیں اور مقدس مقامات میں ایک دوسرے پر سبقت کرتی ہیں۔

اور قوت و شرف کے ذریعہ دنیوی امور میں تدبیر کرنے والوں میں داخل ہو جاتی ہیں۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ منکرین توسل و استمداد آخر کیا چاہتے ہیں۔

ہم نے امداد و استمداد سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محتاج اور فقیر ہے اور اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اسی کی بے نیاز اور عزت والی بارگاہ میں اپنی حاجت کی تکمیل چاہتا ہے اور اس کی بارگاہِ عزّت میں اس بندۂ مقرب و مکرم کی روحانیت کا وسیلہ اختیار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے اے خداوند! تیرے اس بندے کی برکت سے جس پر تو نے اپنی رحمت نازل کی ہے اور اس کو اپنے فضل و کرم سے مکرم و معزّز فرمایا اور اس کرم و احسان کے صدقے میں جو تو نے اس پر کیا ہے میری حاجت پوری فرما۔ تو عطا کرنے والا ہے اور کرم کرنے والا ہے۔

یا استمداد کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنے والا اس بندۂ مقرب و مکرم کو پکارتا ہے کہ اے خدا کے بندے! اے اللہ کے ولی! میرے لیے شفاعت فرمائیے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے مجھے میرا مطلوب پورا کر دے۔ اور میرا مقصود و مسئول پورا کرے۔ اور میری ضرورت و حاجت پوری کر دے۔ پس! معطی (عطا کرنے والا) مسئول (جس سے سوال کیا گیا) اور مامول (جس سے امید کی گئی) اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اور یہ بندہ (صاحب قبر) درمیان میں صرف وسیلہ ہے۔ اور یہ اپنی ذات اور وجود سے متصرف، فاعل اور قادر نہیں ہے بلکہ اللہ ہی قادر اور متصرف اور فاعل حقیقی ہے۔ اور اولیاے کرام اللہ تعالیٰ کے فعل اور قدرت و سطوت میں فانی اور ہالک ہیں۔ اور ان بزرگوں کو فعل، قدرت اور تصرف کی قوت بالذات نہ اس وقت ہے کہ وہ قبور میں ہیں اور نہ اُس وقت تھی جب کہ وہ دنیا میں زندہ تھے۔

امداد و استمداد کا جو معنیٰ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اگر یہ موجب شرک اور ماسوی اللہ کی جانب توجہ کا باعث ہے جیسا کہ اس مسئلہ کے منکر خیال کرتے ہیں تو چاہیے کہ اہل اللہ اور صالحین سے ان کی زندگی میں دعا کی درخواست اور توسل سے منع کر دیا جائے۔ اور یہ باتفاق فقہاء ممنوع نہیں ہے بلکہ مستحب اور مستحسن ہے اور یہ دین میں شائع و ذائع ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ موت کے بعد یہ حضرات تصرف اور قدرت سے معزول ہو چکے ہیں، اور زندگی میں اُن کو جو حالات اور کرامت حاصل تھی اس سے اُن کو باہر کر دیا گیا ہے تو اس بات کے لیے دلیل کیا ہے؟

یا یہ کہا جائے کہ یہ حضرات موت کے بعد پیش آنے والے مصائب اور آفات میں گھرے ہوئے ہیں تو یہ کوئی کلیہ نہیں اور اس کے دوام و استمرار پر دلیل بھی نہیں ہے کہ قیامت تک وہ ان عوارضات میں پھنسے رہیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہو سکتی ہے کہ یہ بھی کلیہ نہ ہو اور استمداد کا فائدہ عام نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ بعض حضرات عالم قدس کی طرف مائل ہوں اور لاہوت حق میں فنا ہوں جس کی وجہ سے ان کو عالم دنیا کی جانب کسی قسم کا شعور اور کسی طرح کی توجہ نہ رہے۔ اور اس حال میں ان سے کسی قسم کا تصرف اور کسی نوع کی تدبیر کا ظہور نہ ہوتا ہو جس طرح کہ اس عالم میں بھی مجذوب اور باہوش بزرگوں کی حالت کے فرق سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی مجذوب حضرات دنیاوی امور سے غافل اور بے تعلق رہتے ہیں۔

ہاں! اگر زائرین یہ اعتقاد رکھیں کہ اصحاب قبور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع اور توجہ کے بغیر اور اس کی جناب میں التجا کے بغیر اپنی ذات سے متصرف مختار اور قادر ہیں جیسا کہ عوام اور جہلا اور غافل اشخاص اس قسم کے اعتقاد میں مبتلا ہیں اور وہ جو کچھ افعال اور اعمال کر رہے ہیں یہ سب حرام اور منہی عنہ (وہ کام جس سے منع کیا گیا) ہیں۔ قبر کو بوسہ دینا اور اس کو سجدہ کرنا اور اس کی طرف چہرہ کرتے ہوئے نماز پڑھنا اور اس قسم کے دوسرے امور ہیں جن کے متعلق شریعت میں ممانعت کی گئی اور تحذیر آئی ہوئی ہے۔ اس قسم کے عقائد اور افعال حرام اور ممنوع ہوں گے اور عوام کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ چیز نفس مسئلہ اور موضوع سے تعلق رکھنے والی نہیں ہے۔۔

حاشا و کلاّ! ہرگز ہرگز کوئی بھی عالمِ دین اور احکامِ شریعت کا جاننے والا نہ اس قسم کے عقائد رکھتا اور نہ اس قسم کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔

اولیائے کاملین کی ارواح سے استمداد و امداد اور ان سے استفادہ کے باب میں اہلِ کشف مشائخ کرام سے جو روایات اور حکایات بیان کی گئی ہیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ یہاں ان کا احاطہ مشکل ہے اور یہ ساری چیزیں ان بزرگوں کی کتابوں میں مرقوم ہیں اور ان کے درمیان مشہور ہیں۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ان چیزوں کو یہاں نقل کیا جائے۔ اور ممکن ہے کہ ان کے کلمات اور ارشادات منکر اور متعصب شخص کے لیے سودمند ثابت نہ ہوں۔ عافانا اللہ من ذلک

اس مسئلہ میں بحث علم اور شریعت کی بنیاد پر ہے۔ ہاں! تو زیارت کے مسئلہ میں مسنون اور مروی چیز اصحابِ قبور کے لیے سلام کرنا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرنا اور ان کے لیے

تلاوتِ قرآن کا ثواب پہنچانا ہے ۔ لیکن یہاں استمداد سے ممانعت نہیں ہے ۔ لہٰذا زیارت کا حکم اصحابِ قبور کی امداد کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور ان سے امداد طلب کرنے کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور یہ دونوں صورتیں زیارت کرنے والے اور صاحبِ مزار کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ہوں گے یعنی صاحبِ مزار اگر منصب نبوت اور ولایت کا حامل ہو تو اس سے امداد طلب کی جا سکتی ہے اور اگر عام مسلمان ہے تو اس کے حق میں ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے ۔

اور جاننا چاہیے کہ غیر انبیاء (یعنی اولیاء اور صلحاء) سے توسل و استمداد کے مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے ۔ انبیاء کرام سے توسل و استمداد کے مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے ۔ کیوں کہ یہ حضراتِ کرام حقیقی دنیاوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے ۔ اور اولیاء کرام اخروی اور معنوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں ۔

اس مقام پر منکروں کے غلط اعتقاد اور غلط کام کی بنا پر کلام اطناب اور تطویل کی حد تک پہنچ گیا کیوں کہ زمانہ قریب میں ایک جماعت پیدا ہو چکی ہے جو اِن اولیاء کرام سے استمداد اور استعانت کی منکر ہے ۔ جو دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے ہیں ۔ حالاں کہ یہ اپنے پروردگار کے نزدیک زندہ ہیں ۔ اور رزق پا رہے ہیں ۔ اور خوش حال ہیں اور اس حقیقت کا شعور لوگوں کو نہیں ہے ۔ جس کی وجہ سے ان بزرگوں کی جانب متوجہ ہونے والوں کو اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے اور بتوں کی عبادت کرنے والے سمجھتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں

اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل قلب ہی میں تھی اور اب یہ توفیقِ الٰہی سے قرطاس پر پھیل گئی الحمد للہ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ واللہ اعلم وحکمہ احکم ۔ انتہی ۔

نیز شاہ صاحب "جذب القلوب" کے پندرھویں باب میں تحریر فرماتے ہیں:

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدسؐ سے شفاعت طلب کرنا اور آپؐ کا وسیلہ طلب کرنا اور آپؐ کی جناب میں استغاثہ طلب کرنا اور آپؐ کے جاہ و مرتبہ سے امداد طلب کرنا، انبیاء و مرسلین کی سنّت ہے اور سلف و خلف صالحین کی سیرت ہے ۔

کیا اس وقت جب کہ آپؐ کی روحِ پاک ابھی جسمانیت کا لبادہ اوڑھے نہ تھی اور کیا اس

وقت جب کہ آپؐ دنیاوی زندگی میں جلوہ افروز رہے۔

اور عالمِ برزخ میں بھی اور میدانِ قیامت میں بھی جب کہ انبیا و مرسلین کو نطق گوئی کی مجال اور دم مارنے کی تاب و طاقت نہ ہوگی (آپؐ کی ذاتِ گرامی متوسل ہے) اور آپؐ ہی بارگاہِ ربّ ذوالجلال میں شفاعت کا آغاز فرمائیں گے۔ اور اولین و آخرین کو نعمت کے سمندروں میں غرق فرمائیں گے اور انوارِ رحمت میں شامل فرمائیں گے۔

جناب رسالت مآبؐ سے ان چاروں مقامات (قبل تخلیق، حیاتِ دنیاوی، حیاتِ برزخی، میدانِ قیامت) میں امداد و استعانت کے ثبوت میں اخبار اور آثار وارد ہیں۔

نیز شاہ صاحب اسی کتاب میں رقمطراز ہیں:

یہ بات ثابت اور متحقق ہے کہ ان چاروں مقامات میں سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدسؐ سے توسل و استمداد واقع اور ثابت ہے۔

پہلا مقام: آپؐ کی روحِ اقدس سے توسل ہے جب کہ وہ ابھی خلعتِ جسمانیت سے ملبوس نہ تھی۔ اس منزل میں کسی روح کا متوسل قرار پانا یہ صرف آپؐ ہی کا خاصہ ہے اور اس منقبتِ عظمیٰ و مرتبتِ علیا میں کوئی نبی اور کوئی ولی آپؐ کا شریک اور سہیم نہیں ہے۔ اور آپؐ کے علاوہ کسی نبیؑ اور ولی کے تعلق سے نص کا وارد نہ ہونا ہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ یہ صرف حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔

دوسرا مقام: رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی زندگی میں آپؐ کی ذاتِ اقدسؐ سے توسل واستمداد ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف آپؐ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ آپؐ کے متبعین حضرات جن کو آپؐ کی متابعت کا شرف اور آپؐ سے قربت کی نسبت حاصل ہے جیسا کہ آپؐ کی آلِؓ اور آپؐ کے اصحابؓ اور دیگر اولیاے کرامؒ امت ہیں۔ ان سے بھی دنیاوی زندگی میں توسل و استمداد ثابت ہے۔

دنیا کے موجودات میں اولیاء اللہ کا تصرف اور ان کی کرامات کا ثبوت اولیاء اللہ سے ظاہر ہونے والی کرامات و تصرفات میں سے ایک فرد اور یہ ہمارے مطلب (توسل و استمداد از اولیاء) کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

نیز طلبِ باراں کے قضیہ میں حضرت عباسؓ بن عبد المطلب سے حضرت عمرؓ بن الخطاب

کا توسل ثابت ہے۔ جس میں کسی بھی ایک عالم کا اختلاف ثابت اور محقق نہیں ہے۔

تیسرا مقام : روزِ آخرت میں شفاعت کے وسیلہ سے انبیائے کرام اولیاء اللہ اور صالحینِ امت سے بھی توسل اور استمداد جائز ہے جیسا کہ عقائد کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

چوتھا مقام : قبر کی منزل اور عالم برزخ میں توسل و تبرک کا حضرات انبیاء کے ساتھ ہی مخصوص ہونے میں تردد ہے۔ ظاہراً تبرک و توسل ان کے علاوہ اولیاء اللہ اور صلحائے امت کے حق میں بھی جائز ہے، واللہ اعلم۔ زندگی کی حالت میں توسل کا جواز عام ہونے کی وجہ سے میت کی روح کی بقاء و شعور و ادراک کے ضمیمہ کے ساتھ اور اس قرب و منزلت کی وجہ سے جو انھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان، عمل صالح اور اتباعِ سنت سے حاصل ہوا ہے۔

اس کے ساتھ توسل و استمداد کے معنی کی حقیقت بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور سوال کرنا ہے اس محبت اور لطف و عنایت کی وساطت سے جو اللہ تعالیٰ اس بندۂ خاص کے ساتھ رکھتا ہے۔ یا اس بندہ کی روحانیت سے التماس اور طلب کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے اس قرب و کرامت کے توسل کے ذریعہ جو اس بندہ کو اس درگاہ میں حاصل ہے۔ اور متوسل بہ کی ذات کی بقاء کے وجود کی وجہ سے۔ اس بارے میں نصِ صریح وارد ہونے کی ضرورت نہیں ہے برخلاف پہلے مقام کے (خلعتِ جسمانیت سے قبل) بلکہ اس کے منع پر نص کا وارد نہ ہونا ہی کافی ہے۔

ہاں! اگر دلیل قاطع انبیاء کے ساتھ اختصاص پر پائی جاتی تو اس کا منع کرنا درست ہوتا ظاہر ہے کہ مذکورہ دلیل موجود نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ معصوم شخص (نبیؑ) کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں کہ اس کو قرب الٰہی حاصل ہے اور اس کی موت ایمان پر ہوئی ہے۔ یہ کوئی یقین کے ساتھ کہے جانے والی بات نہیں ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ میت کی روح کے باقی رہنے اور اولیاء اللہ سے عموماً و خصوصاً توسل کے جواز کی بشارت و خوش خبری کے رو سے ان سے توسل کرنا یقینی امر ہے تو پھر ان سے توسل جائز ہوگا۔ اور توسل کرنے میں انبیاء اور اولیاء کے درمیان فرق کے قائل کوئی بھی نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں عالم مثال کے اسرار کے محرم اور اربابِ کشف مشائخ کبار سے جو اخبار اور آثار وارد ہیں وہ اس شبہ کو جڑ سے ہی کاٹ دینے والے ہیں۔

ہاں! بعض فقہاء کو اس مسئلہ میں ایک گونہ اختلاف ہے اور یہ بعض بھی کل کے مقابلہ میں ہے

اور یہ زیادہ نہیں ہیں۔ کیوں کہ بہت سارے فقہاء توسل کے منکر ہیں۔ لیکن حق اس بات کا حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ واللہ اعلم۔

شاہ صاحب نے مذکورۃ الصدر چاروں مقامات میں توسل و استمداد کے ثبوت میں "جذب القلوب" کے پندرھویں باب میں جو اسناد اور شواہد بیان کئے ہیں وہ مطالعہ کے قابل ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان تفاصیل کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

اس مقام پر "مصباح الانام" کے مصنف سید علوی شافعی تریمی کے کلام کا خلاصہ بھی پڑھ لینا چاہیے۔ جو انھوں نے چودھویں فصل میں کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے :۔

امام رملیؒ، امام نوویؒ کی کتاب "الایضاح" کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

نبی کریمؐ یا انبیائے کرامؑ اور اسی طرح اولیائے کرامؒ سے توجہ، یا شفاعت یا استغاثہ اور توسل کے ذکر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں امام سبکی متفق ہیں۔ اگرچہ کہ ابن عبد السلام نے ولی سے توسل کو منع کیا ہے۔ اعمال باوجود اس کے کہ وہ اغراض ہیں، ان سے توسل جائز ہے تو ذواتِ فاضلہ اور نفوس قدسیہ سے بدرجۂ اولیٰ توسل جائز اور صحیح ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ بندہ کی روحانیت سے دعا کی درخواست کرنا غیر اللہ سے استعانت کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ ہی سے استعانت ہے۔ چناں چہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی وایاک نستعین کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

اس مقام پر یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ غیر اللہ سے استعانت اس طریقہ پر کہ اس غیر پر اعتماد ہو اور اس کو عونِ الٰہی اور تائیدِ ربانی کا مظہر نہیں سمجھ رہے ہیں تو ایسی استعانت حرام ہے۔ اور اگر التفاتِ محض اور توجۂ کامل اللہ تعالےٰ کی جانب ہو اور غیر اللہ کو عونِ الٰہی کے مظاہر میں سے ایک مظہر جانتے ہوئے اور کارخانۂ اسباب کی طرف نظر کرتے ہوئے اور اس میں حکمتِ الٰہی کا خیال پیش نظر رکھتے ہوئے غیر اللہ سے استعانتِ ظاہری کی جائے تو یہ بات حقیقت اور عرفان سے دور نہ ہوگی اور شریعتِ مطہرہ میں بھی جائز اور درست ہے۔ اور حضرات انبیاء اور اولیاء نے بھی اس قسم کی استعانت غیر اللہ سے طلب کی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس قسم کی استعانت غیر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہے۔

ان دلائل اور اسناد سے جو حقیقت مترشح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء سے توسل و استمداد کیا ان کی زندگی اور کیا ان کی وفات، دونوں حالتوں میں جائز ہے اور اس پر صوفیاء اور فقہاء دونوں کا

اتفاق ہے اور اسی طرح انبیاے کرام کے علاوہ دیگر حضرات سے حالتِ حیات میں توسل واستمداد جائز ہونے پر بھی سب کا اتفاق ہے اور اصحابِ قبور میں جو انبیاء نہیں ہیں ان سے بھی توسل کے مسئلہ میں صوفیاء کے درمیان تو اتفاق ہے لیکن فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور اصحابِ قبور میں جو انبیاء نہیں ہیں ان سے توسل کا مسئلہ اہلِ کشف و کمال کے نزدیک ثابت اور متحقق ہے۔ یہاں تک کہ ان سے بہت سارے حضرات کو فیض اور فتوح ارواح کی نعمت حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح سے فیض پانے والوں کو صوفیاء کی اصطلاح میں اُویسی کہتے ہیں۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی ”الانتباہ“ میں اسی نسبتِ اُویسیت سے متعلق لکھتے ہیں:۔

کہ شیخ ابوالحسن خرقانی سے حضرت بایزید بسطامی سے روحانی استفادہ کیا جس طرح کہ اویس قرنی رح نے منبعِ انوار ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس سے اکتساب فیض کیا۔ اسی طرح سلطان العارفین نے امام جعفر صادق کی روحِ پاک سے استفادہ کیا۔ اور یہ بات جو مشہور رہی ہے کہ سلطان العارفین امام موصوف کی خدمت اور صحبت میں رہے صحیح نہیں ہے۔

نیز شاہ صاحب ”الانتباہ“ میں فرماتے ہیں:۔

شیخ ابو علی فارمدی نے خواجہ ابوالحسن خرقانی اور شیخ بایزید بسطامی سے جو اکتسابِ فیض کیا یہ روحانی طور پر ہے۔ جسمانی طور پر نہیں۔ بے شک شیخ بایزید بسطامی کی وفات شیخ خرقانی کی ولادت سے عرصۂ دراز قبل ہو چکی اور شیخ بسطامی نے امام جعفر صادق سے جو اکتسابِ فیض کیا۔ یہ بھی باطنی طریقہ پر ہے۔ ظاہری طریقہ پر نہیں۔ امام جعفرِ صادق کی وفات کے عرصۂ دراز کے بعد بایزید بسطامی کی ولادت ہوئی

مولانا جلال الدین رومی شیخ ابوالحسن خرقانی کی اُویسیت کے بیان میں فرماتے ہیں: ؎

ہمچناں آمد کہ او فرمودہ بود   ابوالحسن از مردمان او را شنود
کہ حسن باشد مریدی زا منم   درس گیرد ہر صباح از تربتم
گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام   وز روانِ شیخ ایں بشنیدہ ام
ہر صباحی رو نہادے سوی گور   ایستادی تا ضحیٰ اندر حضور
تا مثالِ شیخ پیشش آمدی   تا کہ بی گفتی شکالش حل شدی
تا یکی روزی بیامد با سعود   گورہا را برف نو پوشیدہ بود
توی بر تو برفہا ہم چون علم   قبہ قبہ دیدہ و جانش شد بغم

بانگش آمد از حظیرہ شیخ حی   ہا انا ادعوک کی تسعی اِلَیَّ
ہین بیا این سو بر آوازم شتاب   عالم از برف است روز من متاب
حال او زان روز شد خوب و پدید   آن عجائب را کہ اوّل می شنید

مثنوی جلال الدین رومی

جیسے فرمایا تھا اس نے وہ !   ابوالحسن نے اس کو لوگوں سے سُنا
کہ حسن ہو ایک مرید امت مرا   قبر سے مری پڑھے ہر صبح آ
ہر سحر آ کر سبق مجھ سے پڑھے   ایک خدا کے اولیاؤں سے بنے
بولا ابن خواب میں دیکھا اُسے   اور سنایا میں نے روحِ شیخ سے
ہر سحر کے وقت جانا سوئے گور   چاشت تک رہتا کھڑا اندر حضور
تا مثالِ شیخ آئی سامنے   مشکلیں حل ہوتیں اس کے بے کہے
تا کہ ایک دن ابوالحسن آئے وہاں   برف میں تھیں تربتیں جملہ نہاں
برف کے تودے لگے مثلِ علم   قبہ قبہ دیکھ جان آئی بغم !
آئی آواز اس کو زندہ شیخ سے   ہاں آ نا اعودك تسع الی
ادھر آواز پہ جلدی میرے   برف کا عالم ہے مجھ سے مت پھرے
حال ان کا خوب تب ظاہر ہوا   وہ عجائب جو کہ تھا پہلا سُنا

پیراہنِ یوسفی

"ہمعات" کے مصنف مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے کلام کا خلاصہ نسبتِ اُولیسیہ سے متعلق یہ ہے :

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کو کسی خاص روح کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اس واسطے کہ وہ اس کے فضائل سُنا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے اس کے دل میں ایک خاص الفت پیدا ہوتی ہے اور یہی محبّت اِس شخص اور اُس روح کے درمیان ایک وسیع راہ ہموار کرنے کا سبب بن جاتی ہے یا یا اس واسطے کہ وہ روح اس شخص کے مرشد یا دادا کی ہوگی اور اس کے اندر اپنے مریدین منتسبین کی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کی ہمت جاگزیں ہوگی یا کسی جبلّی دقیق مناسبت کی وجہ سے۔ پس یہ شخص اس روح کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس سے مستفیض ہوتا ہے۔ اس طرح

اکتساب فیض کرنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مشائخ صوفیاء کی تمام ارواح کے ساتھ یا بعض کے ساتھ عشق و محبت حاصل ہوے اور اس شخص کو فنا فی المشائخ کا مرتبہ حاصل ہو۔ تو ہر شخص میں ایک عجیب حالت اور عجیب واقعہ ظاہر ہوگا۔

اس لیے مشائخ کے اعراس کی حفاظت، اوران کے قبور کی زیارت پر مواظبت اور مداومت اوران کے لیے فاتحہ خوانی اور صدقہ وخیرات کی پابندی اوران کی اولاد اوران کے آثار اوران سے منسوب افراد کی تعظیم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اوراس نسبت کے ثمرات وبرکات میں سے خواب میں اس جماعت کا دیدار کرنا ہے۔ اور اس سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور سختیوں اور بلاکتوں کے مواقع میں ان کی صورت کا ظاہر ہونا اوراس مشکل کا حل اس صورت کے ساتھ منسوب ہونا اوراس جیسے واقعات ہیں۔

جاننا چاہیے کہ صاحب نسبت اُولیسیہ کو ان ارواح کے ساتھ ایک خاص ربط اور تعلق پیدا ہوتا ہے جو خواب اور بیداری کے فرق کے بغیر اس شخص کی روح کے جوہر میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن جب یہ شخص سو جاتا ہے تو ظاہری حواس اپنے مشاغل سے استراحت پاتے ہیں۔ فی الجملہ وہ شخص طبعی احکام سے خلاصی پالیتا ہے تو وہی صورت جو اس کے دل میں جاگزیں ہے کام کرنے لگ جاتی ہے۔ اوراس شخص کی توجہ اس صورت کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے تو اسی وقت عجیب عجیب چیزوں اور رنگ برنگ معاملات کا ظہور ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ نسبتِ اُولیسیہ خواہ کسی بھی قسم کی ہو اس کے ثمرات وبرکات بیداری اور خواب میں مختلف واقعات کا مشاہدہ ہی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ خواب میں صاحب نسبت اولیسیہ کی عظمت وشرف کے دلائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اورانھیں قبول بھی کر لیتے ہیں اورانھیں شدت وتنگی میں غیب سے مدد بھی حاصل ہوتی ہے اور غالباً صاحبِ نسبت اُولیسیہ کو اپنی معاش میں تائیدِ غیبی بھی ملتی رہتی ہے اور وہ لوگ ظاہر میں کسی پیر کے مُرید نہ ہو کر بھی طریقۂ اولیسیہ میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے اندر ایک کشش اور راحت پاتے ہیں۔ اور غفلت کے عین ہجوم میں بھی ان سے کشش تلب ختم نہیں ہوتی۔ غالباً اصحابِ نسبت اولیسیہ ارواح کے ساتھ مناسبت سے خالی نہیں ہیں۔

وہ اس حقیقت کی تفصیل جانیں یا نہ جانیں اور جو بھی سرِ الٰہی اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے تو لامحالہ

اس کے لیے ایک مخصوص جسم اور ایک خاص صورت ہوتی ہے۔ اس عالم سے جو سِرِّ الٰہی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اس اعتبار سے عالم الغیب کی توجہ اس شخص کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور اس ظہور مثالیہ کے ہیکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپؐ کی اُمّت میں سب سے پہلے شخص جنھوں نے جذب کی حقیقت کو پالیا ہے اور اس منزل میں قدم رکھا وہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہٗ ہیں۔ اسی لیے طریقت کے سلاسل آپؓ ہی کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔

اور اُمّت کے اولیاء و صلحا اور طریقت کے اصحاب میں سب سے زیادہ قوی ترین شخص جنھوں نے راہِ جذب یعنی توحیدِ ذاتی کی راہ کی تکمیل کے بعد بہت ہی قوی اسباب کے ذریعہ اس نسبتِ اولیسیہ کی اصل کی طرف میلان کیا اور اس مقام میں اکمل اور اتم طریقہ کے ساتھ قدم رکھا، وہ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی ہیں۔

اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ شیخ جیلانی اپنی مزار میں ایک زندہ شخص کی طرح تصرف فرمارہے ہیں اور اس فقیر کو آگاہی بخشی گئی ہے کہ ان کا طریقۂ کار یہ ہے کہ توحیدِ ذاتی کا راستہ طے کر لینے کے بعد صاحبِ نسبت نسبتِ اُولیسیہ کے خلاصے کے رنگ میں ڈوب کر رنگین ہوجائے۔

نیز ملّتِ مصطفویؐ میں خصوصًا اس زمانے میں کوئی بھی شخص ان دو بزرگوں سے بڑھ کر خوارقِ عادت کی جہت سے مشہور تر نہیں ہے۔ اور یہ بات متقاضی ہے کہ اپنی طرف عالم غیب کی توجہ انھیں بزرگوں کی وجہ سے ملی ہے سمجھیں۔

حاصلِ کلام! یہ اسباب اس بات کے متقاضی ہیں کہ آج بھی اگر کسی شخص کو کسی بزرگ سے کوئی نسبت پیدا ہوجائے اور وہ اس سے فیض پالے تو غالبًا یہ بعید نہیں ہے کہ یہ فیض امیر المؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہٗ کی نسبت سے ہے یا حضرت غوث جیلانی کی نسبت سے۔

اور وہ اشخاص ان دو بزرگوں کے سوا باقی ارواح کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں۔ ان ارواح کے ساتھ خصوصی مناسبت کا باعث رونما ہونے والے مختلف اسباب ہیں۔ مثلًا یہ کہ صاحبِ نسبت ان بزرگ کے ساتھ محبت زیادہ رکھتا ہے اور کثرت سے ان کی قبر پر آتا جاتا ہے اور یہ چیز صاحبِ نسبت کی طرف سے اس بزرگ کے ساتھ مناسبت کے لیے سلسلۂ جنباں ہوجاتی ہے۔ اور اس بزرگ کو دنیا ہی میں اپنے منتسبین اور مریدین کی تعلیم و تربیت کرنے کی قوی ہمت و استعداد رہی ہے اور یہی ہمت ان کی روح میں باقی اور برقرار ہے اور یہی بات ان بزرگ کی طرف سے ان بزرگ کے ساتھ مناسبت کے لیے سلسلۂ جنبانی ہے۔

اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُولیسی اجمالاً ارواح کا جاننے والا تو ہوتا ہے مگر اس کی نظر میں بہ مناسبت چند اسباب کی وجہ سے کسی خاص بزرگ کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے۔

اور جب یہ فقیر مشائخ صوفیاء کی ارواح کی جانب متوجہ ہوا تو ان کا اثر اپنے اندر چند طریقوں سے محسوس کیا۔ ان میں سے ایک حیوانی قوتوں کا اضمحلال ہے۔ اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس بزرگ کی روح کی مثال پانی سے بھرے ہوئے اس حوض کے مانند ہوتی ہے جس کے ظاہر و باطن کو نورِ آفتاب نے احاطہ کر لیا ہو اور پورا حوض شعاعوں میں تبدیل ہو گیا ہو ایسے ہی صاحبِ نسبت کا تصور اور اس کی توجہ عالم غیب کی جانب اس بزرگ کی روح میں ظاہر ہو کر اس کو تمام اطراف سے احاطہ کر لیتا ہے۔

ان کلمات کے ضمن میں یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ بزرگوں کے ارواح کی جانب توجہ کے اثر کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے۔

ایک قسم یہ ہے کہ صاحبِ نسبت مثلاً اپنی روح کو اس حقیقت کے ساتھ ملتصق کر دیتا ہے جو مسافتِ بعیدہ پر ان بزرگ کی قبر میں موجود ہیں۔ اور وہاں اس کی روح پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور صاحبِ نسبت اس کیفیت میں غور و تامل کرتا ہے۔ اور واقعہ کی حقیقت کو پہچان لیتا ہے۔ اس شخص کی طرح جو آفتاب کے ارتفاع کو مقیاس کے سایے سے پہچان لیتا ہے۔ یا کسی شخص کے چہرے کو آئینہ میں دیکھ کر پہچان لیتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صاحبِ نسبت بزرگ کی قبر پر حاضر ہوتا ہے اور اس پر صاحبِ قبر بزرگ کی کیفیت بالکل اسی طرح واضح ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص آنکھ کھولے تو اس کے مقابل جو کچھ ہے اس کو دیکھ لیتا ہے۔ اس مثال میں چشم سے چشمِ بصیرت مراد ہے۔

صاحب "ہمعات" کا خلاصہ مکمل ہوا۔ انتہی۔

فیض اور فتوحِ روحانی کی یہی وہ منزل ہے جس کے تعلق سے امام غزالی "کیمیائے سعادت" میں فرماتے ہیں:

کسی چیز پر قادر ہونے کے اختیار سے انسانی دل کی شرافت و بزرگی یہ ہے کہ جیسے وہ بدن پر قدرت رکھتا ہے اور اس پر تصرف کرتا ہے ویسے ہی بعض دل جو بہت ہی شریف اور بہت ہی قوی ہوتے ہیں اور ملائکہ کی جوہر طبیعت کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے ہیں تو دوسرے اجسام بھی جو مملکتِ بدن سے باہر ہوتے ہیں ان کے مطیع و فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اگر کسی شیر پر قابو کا ارادہ

کریں تو شیر بھی ان کا مطیع اور ماتحت ہو جائے گا۔ اور اگر کسی بیمار کے لیے صحت کا ارادہ کریں تو وہ بھی شفایاب ہوگا اور اگر کسی تندرست کے لیے بیماری کا ارادہ کریں تو وہ بیمار ہوگا۔ اور اگر کسی شخص کے بارے میں خیال کریں کہ وہ ان کے پاس آجائے تو اس شخص کے باطن میں حرکت ظاہر ہوگی اور وہ کھنچا چلا آئے گا۔

اور اگر وہ بارش کا ارادہ کریں تو باراں کا نزول ہوگا۔ یہ ساری باتیں عقلی دلائل سے ممکن ہیں اور تجربہ سے معروف اور مشہور ہیں۔ اور یہ خاصیت جب کسی شخص کے اندر ظاہر ہو جائے اگر وہ داعیِ خلق (نبی) ہوگا تو معجزہ کہیں گے۔ اور اگر نہ ہوگا تو کرامت کہیں گے۔ اس موضوع پر امام موصوف نے بڑی بحث کی ہے۔ یہ مقام اس کے نقل کا متحمل نہیں۔

اسی موضوع سے متعلق یہ بات بھی ہے جس کو امام ربانی مجدّد الف ثانی مکتوبات کی دوسری جلد کے ۸۵ ویں مکتوب میں لکھتے ہیں۔

اسی طرح حاجت مندا شخاص زندہ اور رحلت کردہ بزرگوں سے خوف و ہلاکت کے مقامات اور مسالک میں مدد طلب کرتے ہیں۔ اور مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان بزرگوں کی مثالی صورتیں حاضر ہو کر ان بلیات اور مصائب کو دُور کرتی ہیں۔ کبھی ان بزرگوں کو ان بلاؤں کو دفع کرنے کی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی اطلاع نہیں ہوتی۔

حقیقت میں اللہ ہی سارے امور کا وکیل ہے، ہمیں اور تمہیں صرف ایک سبب ٹھہرایا ہے
یہ ان بزرگوں کا مثالی صورت میں تشکل ہے۔

یہ شکل و صورت ان بزرگوں کے لطائف اور صفات ہیں اور یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں (یعنی بیداری میں) ہوتا ہے تو کبھی عالمِ مثال (یعنی عالمِ خواب میں) ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شب میں ہزاروں بزرگانِ کرام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں متعدد صورتوں اور شکلوں میں دیکھتے ہیں اور آپ کی ذات اقدس ﷺ سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ تمام آپ ﷺ کے لطائف اور صفات کی شکل و صورت ہے جو مثالی صورتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح مریدین مرشدوں کی مثالی صورتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور مشکلات کا حل پاتے ہیں۔ انتہی۔

نیز امام ربّانی مذکورہ مکتوب میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جنّات کو جب قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مختلف شکلوں اور صورتوں کو اختیار کرتے ہوئے عجیب وغریب اعمال اور افعال

صادر کرتے ہیں تو اگر یہ قدرت و طاقت اولیاء اللہ اور کاملین کی ارواح کو عطا ہو جائے تو اس میں تعجب کا مقام کیا ہے اور دوسرے بدن کی احتیاج کیا ہے کہ تناسخ لازم آجائے۔

چناں چہ یہ حقیقت بھی اسی قبیل سے ہے کہ بعض اولیاء اللہ ایک آن اور ایک ہی وقت میں متعدد مقامات میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور ایسے دو مخالف افعال کو جو ایک دوسرے پر صادق نہ آسکیں وقوع میں لاتے ہیں۔ اس جگہ میں بھی ان بزرگوں کے لطائف اور صفات مختلف اجساد کے ساتھ جسم اختیار کر لیتے ہیں اور متبائن اشکال میں متشکل ہوتے ہیں۔ انتہی۔

یہ بات بھی اسی سے میل کھاتی ہے جو سید عبد اللہ دہلوی المعروف شاہ غلام علی نقش بندی مجددی نے رسالہ "سیر" اور اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناں کے حالات میں صحبت کی تاثیرات کی فصل میں بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت موصوف (مرزا مظہر جان جاناں) کو نسبت باطنی کے القاء اور ارشاد میں کمال قوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اپنی غائبانہ توجہات سے بھی دور دراز شہروں میں بسنے والے سالکینِ طریقت کو ترقیات سے بہرور فرماتے تھے اور جو حالات و کیفیات کہ حاضرین آپ کی پُر نُور مجلس میں پاتے تھے۔ ان ہی کیفیات و حالات کو دور دراز کے مریدین کو عطا فرماتے تھے۔ چناں چہ شاہ بھیک جو شیخ احمد سرہندی کے پوتے (شیخ عبد الاحد کے نبیرہ) ہیں دہلی سے حضرت کی غائبانہ توجہات کی بدولت کابل شہر میں مقاماتِ عالیہ اور وارداتِ سامیہ پر پہنچ گئے اور اسی طرح دیگر عزیزین و مریدین بھی اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انتہی۔

نیز مولانا سید عبد اللہ دہلوی نے مذکورہ رسالہ کی بارہویں فصل میں بھی جو کچھ تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشکلات کا حل اور فیوض و برکات کا افاضہ پیر و مرشد کی صورت میں بیداری کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اس بزرگ کے بعض لطائف اور صفات ان کی صورت میں متمثل ہو کر حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور اس بزرگ کو اس معاملہ کی اطلاع بھی کبھی ہو جاتی ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں :- ؎

از ما و شما بہانہ بر ساختہ اند
و در حقیقت وکیل امور او تعالیٰ است
او بدلہا می نماید خویش را
او بدوزد خرقۂ درویش را

ہماری اور تمہاری ذات کو تو صرف ایک ذریعہ بنائے ہوئے ہے ورنہ درحقیقت سارے کاموں کا وکیل اور کارساز وہی اللہ تعالےٰ ہے۔

دلوں میں جلوہ گری بھی وہی کرتے ہیں اور درویش کی کارسازی بھی وہی یعنی ظاہر و باطن میں اُنھیں کی جلوہ گری ہے۔

یہ بات بھی اسی حقیقت سے متعلق ہے۔ جس کو مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی نے ”قول الجمیل“ میں مشائخ نقشبندیہ کے اشغال کی فصل میں بیان کیا ہے۔

جب مرید سے مرشد دُور ہو تو مرید توجہ و استمداد کے جذبات کے ساتھ محبت اور تعظیم سے سرشار ہو کر اپنے مرشد کی صورت تخیل ہی تخیل میں اپنی نگاہوں کے سامنے لاتا ہے تو اس کی صورت کا تصوّر بھی وہی فائدہ دیتا ہے جو فائدہ کہ مرشد کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

مولانا خورم علی بلہوری ”شفاء العلیل“ میں لکھتے ہیں:

اور جب مرشد اوس کے پاس نہ ہو تو اوس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان خیال کرتا رہے بطریقِ محبت اور تعظیم کے تو اوس کی خیالی صورت وہ فائدہ دے گی جو اوس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔ انتہی

نیز شاہ صاحب مذکورہ فصل میں رقمطراز ہیں:۔

جب مرشد موجود نہ ہو تو مرید ہیں اس کی تشکل و صورت کو طلبِ امداد کے جذبات کے ساتھ ذہن میں لاتے ہیں اور اس کی صورت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔

مولانا خورم علی بلہوری ”شفاء العلیل“ میں فرماتے ہیں:۔

جب کہ طالب غائب ہو تو اوسکی صورت کو خیال کرتے ہیں اور اوسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں یعنی غائب کو توجہ دیتی ہیں اوسکی صورت کو خیال کر کے۔ انتہی

یہ بات بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے جس کو شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے ”تفسیرِ عزیزیہ“ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

خواص اولیاء میں سے بعض بزرگوں کو جو اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت اور رشد وہدایت کا مُوثر ذریعہ ٹھہرایا گیا ہے وہ موت کے بعد بھی دنیا میں تصرف کی طاقت سے نوازے گئے ہیں اور ان ہی سے اُویسی حضرات کمالاتِ باطنی کی تحصیل اور تکمیل کرتے ہیں۔ اور پاتے ہیں اور

ان کی زبان حال اس مقال کی مترنم ہے۔

اگر تو تن کے ساتھ آئے تو میں جان کے ساتھ آؤں۔

یہ بات بھی وہی ہے جس کو مولانا شاہ عبد العزیز نے نعیم الدین کے جوابات مطبوعہ سنہ ۱۲۳۷ھ میں تحریر کیا ہے۔ کہ نمازِ عشاء کے بعد مدینۂ منوّرہ کی سمت متوجہ ہو کر جناب پیغمبر محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارک کو ذہن میں مستحضر کرتے ہوئے ایک سو مرتبہ درود شریف جس صیغہ کے ساتھ ہی پڑھنا چاہیے۔ انتہی۔

یہ بھی وہی حقیقت ہے جس کو مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" کے خاتمہ میں درج کیا ہے

شیخ ماجد سید احمد مجاہد، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہٗ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی علیہ الرحمہ کی ارواحِ پاک سے مزارات پر حاضری کے بغیر دور ہی سے روحانی استفادہ حاصل کیا۔ (لہٰذا آپ اُویسی ہیں۔)

اور حضرت غوث پاکؒ اور خواجہ نقش بند سے طریقہ قادریہ اور طریقہ نقشبندیہ کا استفادہ کیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مرقد پر حاضری کے بغیر طریقہ چشتیہ کا استفادہ کیا۔

حاصلِ کلام مرشد کے ساتھ قلبی و ذہنی ارتباط اور اس سے استمداد کی حقیقت "جواہر السلوک" کے ۳۲ ویں فائدہ میں ملاحظہ کیجیے۔ اُویسی حضرات کیا رزق کی وسعت، اولاد کا حصول، بارش کا نزول، عیش کی فراخی و فراوانی میں اور کیا خوف و ہلاکت کے مقامات اور مسالک میں اور کیا طبعیہ و بہیمیہ قوتوں کے اضمحلال میں اور عالم غیب کی جانب توجہ اور تصور سبھی حالات میں بزرگوں کی ارواح سے مدد پاتے ہیں۔ اور کبھی ان کو مدد ان کی مثالیہ صورتوں کے ذریعہ بھی حاصل ہوتی ہے لیکن کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی ارادے اور مشیّت کے بغیر ظہور میں نہیں آتی

علامہ قیصری "فصوص الحکم" کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ ان صورتوں کے ظہور کا ارادہ فرماتا ہے جن کی نوع اس عالم کے اندر صورتِ حسّیہ میں موجود نہیں ہے۔ جیسے عقولِ مجردہ وغیرہ تو وہ صورتیں محسوسات کی شکل و صورت شئی متشکل کی استعداد کے مطابق اختیار کر لیتی ہیں۔ ان مناسبتوں کے ساتھ جو اُن کے درمیان اور اشکالِ محسوسات کے درمیان

ہوتی ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضرت وجیہ کلبیؓ کی صورت میں اور کبھی دوسری شکل میں ظاہر ہونا، جیسا کہ اسلام، ایمان اور احسان سے متعلق سوال کی حدیث سے ظاہر ہے۔ جس کو حضرت عمرؓ نے روایت کیا ہے۔

ویسا ہی ہیاتی ملائکہ سماویہ اور عنصریہ کا دوسری شکلوں میں متشکل ہونا اور جنّات بھی دوسری شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ جنّات کے لیے اجسامِ ناریہ ہیں ارشادِ خداوندی ہے **خلق الجان من مارج من نار** اور انسانیت کاملہ کے مالک نفوس قدسیہ بھی اپنی محسوس شکلوں کے سوا دوسری صورتوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ حالاں کہ وہ اسی دنیا میں ہیں۔ اپنے اجسام سے باہر آنے کی قوت کی وجہ سے اور آخرت کی جانب انتقال کے بعد بھی وہ دوسری صورتوں میں منتقل ہوتے ہیں۔ اس انسلاخی قوت کی زیادتی کے باعث اور جسمانی موانع کے مرتفع ہوجانے کی وجہ سے ان نفوسِ قدسیہ کو تمام عوالم ملکوتیہ میں دخل رہتا ہے۔ جس طرح عالمِ دنیا کے اندر ملائکہ کا دخل رہتا ہے اور جس طرح ملائکہ اہل دنیا کی شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں اور انھیں یہ قوت اور طاقت بھی ہوتی ہے کہ وہ اہلِ کشف کے خیالالت میں خواب اور بیداری کی حالت میں ظاہر ہوں۔ جیسا کہ اُن کے خیالات میں ملائکہ اور جنّات ظاہر ہوتے ہیں ان نفوس قدسیہ کو بُدلاء کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انتہٰی

نیز فص یوسفی کی شرح میں لکھتے ہیں:

جان لیجیے کہ مرئی کا ظہور اپنی اصلی صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں یا اپنی ہی صورت میں کبھی اس کے اپنے ارادے سے ہوتا ہے۔ اور کبھی رائی کے ارادے سے ہوتا ہے اور کبھی رائی اور مرئی دونوں کے ارادے سے اور کبھی ان دونوں کے ارادے کے بغیر ہوتا ہے۔

پہلے کی مثال یعنی مرئی کے ارادے سے ظہور کی مثال انبیائے کرام میں سے کسی نبی کے پاس فرشتے کا مختلف صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ظاہر ہونا اور انسانوں میں سے انسانِ کامل کا بھی بعض صالحین پر غیر کی صورت میں ظاہر ہونا۔

دوسرے کی مثال یعنی رائی کے ارادے سے ظہور کی مثال: فرشتوں اور انسانوں کی ارواح میں سے کسی روح کا ظہور کسی انسانِ کامل منتصرف کے، اس کو اپنے عالم میں بلانے کی وجہ سے ہو۔ تاکہ اس معنی کا انکشاف ہوجائے جس کا جاننا اس روح کی آمد کے ساتھ ساتھ مخصوص ہو۔

تیسرے کی مثال یعنی رائی اور مرئی دونوں کے ارادہ سے ظہور کی مثال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہنے اور اللہ تعالےٰ کے بھیجنے کی وجہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہونا ہے۔

چوتھے کی مثال یعنی رائی اور مرئی دونوں کے ارادہ کے بغیر ظہور کی مثال: زید کا عمر کو خواب میں دیکھنا ہے جو دونوں کے ارادے کے بغیر ہو۔

حاصل تحریر!

صورتِ مرئی کے ظہور کے لیے مرئی کے ارادہ اور اس کی اطلاع کی شرط نہیں جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی ابھی گزر چکی۔ ••

فائدہ نمبر ۳۵

زندہ اور وفات یافتہ بزرگوں سے اربابِ حاجات کی نداء، توسّل

حصن حصین کے مصنف شیخ القراء والمحدثین ابو الخیر محمد بن محمد الجزری فرماتے ہیں :

من کانت له ضرورة فلیتوضأ فیحسن وضوءه ثم یدعو اللّٰهم انی اسئلك واتوجه الیك نبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لی اللّٰهم فشفعه فیّ . رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه وحاکم

جس شخص کو کوئی ضرورت اور حاجت پیش آئے تو اس کو چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا پڑھے :۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے نبی محمدؐ نبیٔ رحمت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں۔ یا محمد ﷺ ! میں آپؐ کے وسیلہ سے اپنی حاجت کی تکمیل کے خاطر اپنے رب کی جانب متوجہ ہوں تاکہ وہ میری اس حاجت کو پوری کر دے۔ اے اللہ! میرے حق میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے روایت کی ہے۔

شیخ الہند شاہ عبدالحق دہلوی "مشکوٰۃ" کی شرح "اشعۃ اللمعات" کے باب جامع الدعا میں لکھتے ہیں:

عن عثمان بن حنیف قال ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال ادع اللّٰه ان یعافینی فقال ان شئت دعوت وان شئت صبرت فهو خیر لك قال فادعه قال فامره ان یتوضأ فیحسن الوضوء ویدعو بهذا الدعاء:

اللّٰهم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبیّ الرحمة انی توجهت بك الی ربی لیقضی لی فی حاجتی هذه اللّٰهم فشفعه فیّ۔

رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب

حضرت عثمان رضؓ بن حنیف نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ آپؓ کو صحابی ہونے کی نعمت حاصل ہے اور

آپ اشراف انصار میں سے ہیں۔ اور آپ کا شمار اہلِ کوفہ میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

ایک نابینا شخص نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کیا کہ آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ میری بینائی لوٹ آئے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم بصارت ہی چاہتے ہو تو میں دعا کرتا ہوں لیکن اگر تم صبر کرو تو تمہارے لیے ثوابِ آخرت کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ اس کا اجر و ثواب جنّت ہے اور حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: جب میں اپنے بندہ کو دونوں آنکھوں سے محروم کر کے ابتلا اور آزمائش میں ڈال دیتا ہوں اور وہ صبر کر لیتا ہے تو میں اس کا بدلہ جنّت دوں گا۔

نابینا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ دعا فرمائیے۔ میں عافیت چاہتا ہوں۔ آپؐ سے اس کی یہ گزارش عدمِ صبر، اضطرارِ قلب اور اس اختیار کی وجہ سے تھا آپؐ نے اس کو آنکھوں کی روشنی اور ثواب آخرت کے درمیان دیا تھا۔ اسی لیے آپؐ اس سے راضی نہیں ہوئے اور نفسِ شریف دعا کے لیے آمادہ نہ ہوا تو اُسے بھی دعا کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن چوں کہ آپؐ نے اس کو مضطر اور بے قرار دیکھا تو اس کو یہ دعا بتلائی اور اپنی ذات کو قبولیتِ دعا کے لیے وسیلہ اور تشفیع ٹھہرایا۔

چناں چہ عثمان بن حنیف رضؓ فرماتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے اور اس دعا کے ساتھ دعا کرے۔ پس اس نے شرائط و آداب اور کمالیت کی رعایت کے ساتھ وضو کیا اور یہ دعا پڑھی: اللّٰھم انی اسئلك ... الخ

اے خداوند! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جانب تیرے پیغمبر کے توسل سے متوجہ ہوں جن کا نام محمدؐ ہے جو رحمت کے پیغامبر ہیں اور جن کو تو نے سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آں حضرتؐ کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام نبئ رحمت ہے۔

یا محمدؐ! میں آپؐ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں متوجہ ہوں تاکہ آپؐ میری حاجت برآری کے لیے دعا فرمائیے۔ اے خداوند! میرے حق میں آپؐ کی شفاعت قبول فرما۔

بعض روایات میں صراحت کے ساتھ یا محمد انی توجھت بك الی ربی موجود ہے۔ اور فی کی زیادتی ایسی ہی ہے جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا واصلح لی فی ذریتی۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کے متعلق یہ نوٹ درج کی ہے کہ یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کے آخر میں یہ عبارت نقل کی ہے:-

ففقام وقدابصر۔ دعا کے بعد وہ شخص کھڑا ہوا تو اس کی آنکھوں میں بینائی آچکی تھی۔ اور ایک روایت ہے: ففعل الرجل فبرأ: اس نے عمل کیا تو وہ شفایاب ہوگیا۔

سیدِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اربابِ حاجات کے امداد طلب کرنے اور آپؐ کا وسیلہ اختیار کرنے کے باب میں کثرت سے اخبار وارد ہے۔ مثلاً وسعتِ رزق، حصولِ اولاد، نزولِ باراں، زندگی کی خوش حالی اور اسی طرح کی دیگر نعمتوں میں۔

مذکورہ حدیث میں وارد ندا اور توسل کا تعلق نبئ کریمؐ کی حیات سے ہے۔ لیکن آپؐ کی وفات کے بعد بھی اس کی مثالیں پائی گئی ہیں۔ چناں چہ شاہ عبدالحقؒ دہلوی "جذب القلوب" کے پندرھویں باب میں لکھتے ہیں:۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی ذاتِ گرامی سے توسل واستمداد اور توجہ کے آثار اور امثال وارد ہیں۔ امام طبرانی نے عثمانؓ بن حنیف سے "معجم کبیر" میں روایت کی ہے کہ ایک شخص کو حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس کوئی ضرورت تھی اور آپؓ اس کی طرف نظر التفات نہیں فرما رہے تھے۔ وہ شخص ابنِ حنیف کے پاس آیا اور اپنی حاجت بیان کی اور اس کی تدبیر کی صورت تلاش کیا تو آپؓ نے اس سے کہا: اچھی طرح کامل وضو کرکے مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر یہ دعا کرو:۔

اللّٰھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبینا محمد صلّی اللہ علیه وآله وسلّم نبی الرحمة یا محمدؐ انی اتوجه بك الی ربی لتقضی حاجتی

وہ شخص مذکورہ ہدایت پر عمل کرنے کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے در پر حاضر ہوا، تو دربان سامنے آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنیؓ کے پاس لے آیا اور آپ نے اسکو اپنی مخصوص مسند پر بٹھایا اور اس کی ضرورت پوچھی اور جو کچھ اس کی حاجت تھی پورا کردیا اور فرمایا آئندہ تمہیں جو بھی ضرورت پیش آئے تو مجھ سے کہو، میں اسکو پورا کروں گا۔

وہ شخص حضرت عثمان غنیؓ کے پاس سے خوشی خوشی لوٹا اور ابنِ حنیف کے پاس آکر کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے میری حاجت پوری کرنے کے بارے میں حضرت عثمان غنی سے سفارش کی ہوگی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے میری جانب اس طرح التفات کیا کہ اس کے قبل کبھی انھوں نے میری جانب اس طرح توجہ نہ کی۔

ابنِ حنیف نے کہا: خدا کی قسم! میں نے تمہارے متعلق عثمان غنیؓ سے کچھ نہیں کہا۔

سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا کہ آپؐ کی خدمت میں ایک اندھا شخص آیا اور آپؐ سے دعا کی درخواست کی کہ اس کی بینائی لوٹ آجائے۔ اس حدیث کو مکمل بیان کرنے کے بعد ابنِ حنیفؓ نے کہا۔

میں نے اس حدیث سے قیاس کیا کہ دعا میں نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لینا حاجتوں کی تکمیل کا ذریعہ اور مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کا سبب ہے۔ انتہی۔

"دلائل الخیرات" کے مصنف مولانا محمد بن سلیمان الجزولی نے چھٹے حزب میں ایک دعا نقل کی ہے (جس کو انہوں نے تین مرتبہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس میں بھی ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل موجود ہے۔)

اللّٰھم انی اسألك واتوجه اليك بحبيبك المصطفیٰ عندك يا حبيبنا يا محمد انا نتوسل بك الى ربك فاشفع لنا عند المولیٰ العظيم يا نعم الرسول الطاهر ثلثا اللّٰھم شفعه فينا بجاهه عندك ثلثاً۔ انتہی۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیبؐ کے صدقے اور توسل سے طلب کرتا ہوں جو تیرے نزدیک مصطفیٰ اور مجتبیٰ ہیں۔ یا حبیبؐ، یا محمدؐ! ہم آپؐ کے رب کے حضور میں آپؐ کا توسل لے رہے ہیں۔ آپؐ مولائے عظیم کی بارگاہ میں ہمارے لیے شفاعت فرمائیے۔ اے طیب و طاہر بہترین رسول۔

اے اللہ! ہمارے حق میں رسولؐ محترم کی شفاعت قبول فرما ان کے اس جاہ و رتبہ کا صدقہ جو انھیں تیرے نزدیک حاصل ہے۔

"دلائل الخیرات" کی شرح "مطالع المسرات" میں لکھتے ہیں:۔

حدیثِ نبویؐ کا لفظ گزر چکا ہے جس میں حضور اکرم سے یا محمد! کے ساتھ ندا موجود ہے۔ اور عثمان بن حنیف نے بھی اسی لفظ ندا کے ساتھ یہ دعا اس شخص کو بتلائی جو حاجت مند تھا پس جب اس کی حاجت پوری ہوی تو اس شخص کے سامنے نابینا کا وہ مکمل واقعہ سنایا جو عہدِ رسالت میں پیش آیا تھا۔

جیسا کہ طبرانی کے پاس ہے۔ اس اثر میں دلیل ہے کہ اس قسم کے واقعات میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ ندائے توسل درست ہے۔

انھیں دلائل کی روشنی میں، سند المقربین، سید المحبوبین، شیخ الشیوخ العالم غوث الاعظم، امام

ربّانی سید عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: ؎

یا حبیب اللّٰہ خذ بیدی
ما العجزی سواک مستندی

یا حبیبؐ خدا! مجھے سہارا دیجیے۔ میرے عجز و درماندگی کے لیے آپؐ کے سوا کوئی بھی ماوٰی اور ملجا نہیں ہے۔ اور

انھیں دلائل کی روشنی میں علّامہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد البوصیریؒ "قصیدہ بردہ" میں لکھتے ہیں: ؎

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ
سواک عند حلول الحادث العمم

اے مخلوقات میں سب سے زیادہ برگزیدہ نبیؐ! میرے لیے آپؐ کے سوا کوئی ماوٰی اور ملجا نہیں ہے جو بڑے بڑے حوادث کے نزول کے وقت جس میں پناہ لے سکوں۔

اور انھیں دلائل کی روشنی میں عبد الرحمان جامیؒ "یوسف زلیخا" میں فرماتے ہیں۔ ؎

زمہجوری برآمد جانِ عالم
ترحّم یا نبیؐ اللّٰہ ترحّم

رحم کیجیے، رحم کیجیے یا نبیؐ اللّٰہ! آپؐ کے فراق میں ایک عالم کی جان نکل رہی ہے۔

اور انھیں دلائل کی روشنی میں مولانا شاہ ولی اللّٰہ محدثؒ دہلوی "قصیدۂ ہمزیہ" کی چھٹی فصل میں سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں: ؎

وآخر لمادحہ اذ ما
احس العجز عن کنہ الثناء

نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور حقیقتِ مدح و ثنا سے عاجز آدمی کے لیے آخری علاج یہ ہے کہ ؎

ینادی ضارعًا بخضوع قلب
وذلّ و ابتہال والتجاء

وہ خضوعِ قلب، عاجزی، ذلّت و خواری، اخلاص و التجا کے ساتھ پکار اٹھے کہ ؎

رسولؐ اللّٰہ یا خیر البرایا
نوالک ابتغی یوم القضاء

اے اللّٰہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ برگزیدہ اور بہترین رسولؐ! میں حشر کے روز آپؐ کی عطا بخشش کا طلب گار ہوں۔ ؎

اذا ما حل خطب مدلھم
فانت الحصن من کل البلاء

جب مجھ پر مصائب و آفات ہجوم کر بیٹھیں تو اس وقت ہر بلا و مصیبت سے محفوظ رہنے کے لیے

آپؐ ہی کی ذات جائے پناہ ہے۔ ؎

الیک توجّھی وبک استنادی وفیک مطامعی وبک ارتجائی

میں آپؐ ہی کی جانب متوجہ ہوں اور آپؐ ہی کی پناہ کا متلاشی ہوں اور آپؐ ہی کی ذاتِ اقدسؐ میرے لیے حرص وطمع اور امید کا مرکز ہے۔

انھیں دلائل کی روشنی میں ہے کہ طریقۂ قادری کے علماء اور عرفاء دو رکعت نماز حاجت پڑھنے کے بعد یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ کے نام سے نداء و توسل کرتے ہیں (اور یہ نداء توسل غیر انبیاء یعنی صحابہؓ، اور اولیاءؒ کے بارے میں ہے جیسا کہ تمام صوفیاء اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔)

دلائل واسناد کے ساتھ دوگانہ قادریہ کی تفصیل طوالت کی حامل ہے اس لیے مستقل طور پر یہ بحث اگلے فائدہ میں آرہی ہے۔

انھیں دلائل کی روشنی میں ہے کہ طریقۂ قادریہ کے بعض حضرات ختم قادریہ کا عمل کرتے ہیں اور اس میں شیئاً للّٰہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی پڑھتے ہیں۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے بھی اسی ختم قادریہ کو اپنی کتاب "الانتباہ" میں درج کیا ہے اور اس میں طریقۂ قادریہ کے بعض حضرات حاجات کی تکمیل اور مہمات کی تحصیل کے لیے ایک سو گیارہ مرتبہ شیئاً للّٰہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی پڑھتے ہیں۔ اس کی حکایت بیان کی ہے۔

انھیں دلائل کی روشنی میں شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے ترجمہ کتاب "منہج السالک الی اشرف المسالک" میں آدابِ ذکر کے بیان میں نقل کیا ہے:

چوتھی بات یہ ہے کہ ذکر شروع کرتے وقت دل کی گہرائیوں کے ساتھ ان شیخ کی توجہ اور ہمت سے مدد طلب کرنا ہے جن سے ذکر کی اجازت حاصل ہے۔ اور اگر زبان سے مرشد کو پکاریں اور ان سے فریاد چاہیں تو بھی جائز ہے۔ اگر اس کی ضرورت ہو۔

اس موضوع پر شاہ صاحب کا کلام بڑا طویل ہے جس کے نقل کے لیے یہ مقام متحمل نہیں۔

انھیں دلائل کی روشنی میں مولوی نعیم الدین مجددی (اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے) مرشد مرزا مظہر جانِ جاناں سے متعلق "رسالہ معمولات مظہریہ" مطبوعہ سنہ ۱۲۷۵ھ مطبع نظامی، کانپور میں لکھتے ہیں:

کسی بھی مرض اور کسی بھی درد کے واسطے تعویذ کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی کسی شخص کو تعویذ دینا چاہیں تو ان کلمات کو تحریر کر کے عنایت کرتے اور فرماتے کہ بازو یا گلے میں باندھ دیں۔

وہ کلمات یہ ہیں:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اعوذ بکلمات اللہ التامات کلّھا من شر ما خلق بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ یا حضرت مجدد اللہ آپ سے راضی ہو۔ اس تعویذ والے شخص کو آپ کی پناہ میں دے رہا ہوں۔

انھیں دلائل کی روشنی میں شیخ خیر الدین رملی نے بھی "فتاوی خیریہ" میں نقل کیا ہے۔ کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کے لفظ میں اختلاف ہے بعض علماء، کفر کے قائل ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں۔ یعنی جس طرح اس لفظ کے کفریہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اسی طرح اس کے جائز ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ لیکن یہ اختلاف شیئاً للہ کے کفریہ کلمہ ہونے میں ہے نہ کہ ندائے توسل میں، اور یہ بعض فقہا کا قول ہے جیسا کہ "در المختار" کے مصنف لکھتے ہیں۔

اسی طرح شیئاً للہ کہنے کو کفر کہا گیا ہے۔

اس مسئلہ میں طحطاوی لکھتے ہیں:

مصنف کا قول جو اس کلمہ کے کفریہ ہونے میں ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس کلمہ کا ادا کرنے والا اللہ تعالےٰ کے لیے کوئی چیز طلب کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی اور بے پروا ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج اور فقیر ہے۔ اس مسئلہ میں راجح قول "عدم تکفیر" کا ہونا چاہیے کیوں کہ اس کلمہ کے لیے تاویل موجود ہے۔ ممکن ہے کہ وہ یہ کہے کہ اس قول سے میری مراد یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے مانگتا ہوں۔

جائز ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف مطلقاً توسل میں تھا نہ کہ لفظ شیئاً للہ میں۔

اور یہ قول بہت سے فقہا کا ہے جو انبیا کرام کے علاوہ اہلِ قبور سے توسل کا انکار کرتے ہیں پس اُن کے نزدیک اولیاء وصلحاء سے ندا کے ذریعہ توسل جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ تفصیل سابقہ فائدہ میں گزر چکی ہے۔

اس لفظ میں علماء کا جو اختلاف ہے اس کی تفصیل "تنبیہ الضالین" کے مصنف نے بھی مطبوعہ ۷۷ ویں صفحہ میں "فتاویٰ خیریہ" سے نقل کیا ہے۔

انھیں دلائل کی روشنی میں مولانا محمد سعید اسلمی (مدراسی) بھی "رزینہ حاشیۂ سفینہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

اس فاسد زمانے میں بعض شرپسند مفسدوں کے برانگیختہ کرنے اور بہکانے کی وجہ سے ایک مذہب پیدا ہو گیا ہے جو یارسول اللہ کہنے یا اور کسی بزرگ کو ندائے توسل سے مخاطب ہونے کو شرک کہتا ہے انتہی

ان دلائل اور شواھد سے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ اموات کے لیے ادراک قوی دلائل شرعیہ اور احادیثِ نبویہؐ سے ثابت ہے جیسا کہ سابقہ فائدہ گزرا۔

"زاد الآخرت" کے مصنف بھی آٹھویں فصل کے تیرھویں باب میں شرح صدور مجدد قرن نہم حافظ احادیثِ نبویؐ شیخ جلال الدین سیوطی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

دنیا میں جو امور اور واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں اموات بھی ان سب کا احساس اور ادراک مشیّت الٰہی کے موافق کر لیتی ہیں۔ انھیں یہ ادراک و احساس کبھی فرشتوں کی اطلاع دینے سے حاصل ہوتا ہے تو کبھی دیگر اموات کی اطلاع دینے سے حاصل ہوتا ہے جو ان کے بعد ان سے جا ملتے ہیں اور کبھی دوسروں کی وساطت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے دنیاوی امور یہ آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ انتہی۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی "عہود محمدیہ" میں فرماتے ہیں:-

میں نے سید علی الخواص کو یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ جب تم اللہ تعالیٰ کسی ضرورت اور حاجت کی تکمیل کی دعا مانگو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگو اور عرض کرو: اللّٰھم انی اسئلک بحقِ محمدؐ: اے اللہ ہم تجھ سے بحق محمدؐ مانگ رہے ہیں۔ تو ہماری دُعا قبول فرما۔

اس فریاد کو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور آپؐ سے عرض کرتا ہے کہ فلاں شخص نے آپؐ کے توسل سے یہ دعا کی ہے۔ پس نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی حاجت پوری ہونے کے لیے دُعا فرماتے ہیں تو وہ مقبول ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ آپؐ کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔

سید علی الخواص فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو وسیلہ بنا کر اللہ سے تمہارے مانگنے میں بھی ویسی ہی بات ہے کہ فرشتہ اس دعا کو ان بزرگوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے تو یہ حضرات بھی اس حاجت کی تکمیل

کے لیے شفیع بن کر اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں۔ واللہ علیم حکیم

اور اسی طرح اللّٰھم فشفعہ فی: (خداوندا! میرے حق میں ان کی شفاعت قبول فرما) کی کی دلیل سے ندائے توسل میں متوسل کی حاجت کی تبلیغ ہے۔ کیوں کہ اس حدیث کو ترمذی، نسائی ابن ماجہ اور حاکم اور طبرانی نے روایت کی ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی گزری۔ (ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ ہر تینوں صحاح ستہ میں داخل ہیں۔)

نیز یہ حقیقت بھی اس مقام پر جان لینی چاہیے کہ جو بھی شخص فنا فی اللہ باقی باللہ کے مرتبہ پر فائز بزرگوں کو پکارے تو اللہ تعالیٰ اس کا جواب دینے والا ہوگا۔ شیخ اکبر ثانی، عبد الکریم جیلیؒ انسانِ کامل کے تیرھویں باب میں تحریر فرماتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اپنے اسماء میں سے کسی اسم کی تجلّی ظاہر کردے تو بندہ اس اسم کے انوار کے تحت فنا فی اللہ ہو جائے گا۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ کو اس اسم سے ندا کرو تو آپ کو بندہ جواب دے گا کیوں کہ اس پر اس اسم کی تجلّی واقع ہوئی ہے۔

اسماء کی تجلّیات کا پہلا مشہد یہ ہے کہ اللہ اپنے اسم موجود سے اپنے بندہ پر تجلّی فرمائے تو اسی اسم اسم کا اطلاق بندے پر کیا جائے گا اور اسم موجود سے بھی تجلی الٰہی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ بندہ پر اسم واحد میں تجلّی فرمائے۔ اور اس سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ بندہ پر اپنے نام اللہ میں تجلّی فرمائے۔ پس بندہ اس تجلّی کے ذریعہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور اس کے وجود کا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بندہ کے طور حقیقت پر سے ندا کرے گا۔ کہ انی انا اللہ (بے شک میں خدا ہوں۔)

اور اس مقام میں اللہ تعالیٰ بندہ کا نام محو کرکے اپنا نام 'اللہ' اس کے لیے ثابت کردے گا پس جب تم یا اللہ کہو تو یہ بندہ تمہیں جواب دیگا لبیک وسعدیک اور جب بندہ اس مقام سے ترقی کرجائے اور اللہ تعالیٰ اس کو قوت عطا فرمائے اور اس کو فنا کے بعد بقا باللہ کی منزل پر فائز کردے تو ایسے میں جو بھی شخص اس بندے کو پکارے گا تو اللہ اس کا جواب دیگا۔ مثلاً جب تم یا محمدؐ کہو تو اللہ جواب دیگا لبیک وسعدیک

انسان کامل میں بیان کردہ یہی وہ مذکورہ حقیقت تھی جس کے باعث "بہجۃ الاسرار" کے مصنف اور دوسرے اکابر والا قدر نے سلطان الاولیا اور غوث البرایا سے نقل کیا ہے۔ اذا سألتم اللہ فاسلونی: جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو مجھ سے طلب کرو: انتہی

حاصل کلام!

زندہ اور رحلت شدہ بزرگوں کی ارواح یکمشت عالم الغیب نہیں ہیں کہ ان کو یہ نداء پہنچائے بغیر ہی وہ اس سے مطلع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کا وسیلہ لینے والے کی مشکل حل ہونے کے واسطے دعا کریں۔

نیز ان بزرگوں کی ارواح قاضی الحاجات نہیں ہیں کہ صرف ان کو محتاج متوسل کی ندا پہنچتے ہی محتاج کی حاجت پوری کر دیں۔ مرادات کا پہنچانا اور حاجات کا پورا کرنا یہ دونوں باتیں عالم الغیب والشہادات کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہی قاضی الحاجات ہے۔ اور ہر چیز کلیتہً اس کے قبضۂ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واللہ خلقکم وما تعملون: اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہے ھو خالق کل شیئ: اللہ ہر شئے کا خالق ہے، وربك یخلق مایشاء ویختار: اور تمہارا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور وہی مختار ہے۔

غرض ہر شئے اور ہر کام کا خالق یعنی اللہ تعالیٰ ہی مشکلات حل کرنے میں اور حاجات پوری کرنے میں قادر، مختار اور صاحبِ قدرت ہے۔

اس حقیقت کے باوجود اللہ تعالیٰ ندائے توسل کے وقت فرشتے کے ذریعہ یا فرشتے کی وساطت کے بغیر ہی بزرگوں کی ارواح پر وسیلہ لینے والے کی حاجت پہنچا دیتا ہے اور ان کی دعا سے حاجت پوری کرتا ہے۔

یا متوسل کی حاجت کو بزرگوں تک پہنچانے کے بعد کوئی نہ کوئی صورت پیدا کر کے تکلیف دور کر دیتا ہے

یا ان بزرگوں تک بغیر حاجت پہنچائے کہ کسی نہ کسی صورت کو پیدا کر کے حاجت پوری کرتا ہے۔

یا مطلق حاجت ہی پوری نہیں کرتا۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

ممکن ہے تم کسی امر کو ناپسندیدہ اور ناگوار خیال کرو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب اور پسندیدہ خیال کرو اور وہ تمہارے حق میں شر ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔ ••

فائدہ ۳۶

دوگانۂ قادریہ

واضح ہو کہ دوگانۂ قادریہ شریعت کے منافی اور خلاف نہیں ہے۔ اور یہ نماز قوی دلائل اور اسناد سے ثابت ہے۔ شاہ عبدالحق محدّثؒ دہلوی "اخبار اخیار" میں سلطان الاولیاء سید عبدالقادر جیلانی کے احوال میں قمطراز ہیں:۔

شیخ جیلانی فرماتے ہیں جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگو تو میرے وسیلہ سے طلب کرو تاکہ تمہاری خواہش منظور ہو سکے۔

اور فرماتے ہیں جو شخص کسی مصیبت و تکلیف کے وقت مجھ سے استعانت طلب کرے تو اس سے وہ تکلیف دور ہو جائے گی اور جو شخص کسی شدّت اور پریشانی میں میرے نام سے ندا کرے تو اس سے وہ پریشانی رفع ہو جائے گی۔ اور جو شخص کسی ضرورت و حاجت میں میرے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

اور فرماتے ہیں جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے اور عراق کی جانب گیارہ قدم چلے اور میرے نام سے ندا کرے اور اپنی ضرورت و حاجت کو درگاہِ خداوندی سے طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی ضرورت و حاجت کو پوری کر دے گا۔ انتہیٰ۔

نیز شاہ صاحب "زاد المتقین" میں لکھتے ہیں:

دوگانہ جو صلاۃ الاسرار کے نام سے موسوم ہے اور اس سلسلۂ عالیہ میں متعارف اور مشہور ہے اس کے تعلق سے ایک مرتبہ بات اٹھی تو شیخ عبدالوہاب متقی نے فرمایا: ہمارے مرشد شیخ علی متقی اس دوگانہ کو ادا نہیں کرتے تھے۔ اور شیخ محمد بکری جو اس سلسلۂ عالیہ سے منسلک اور وابستہ تھے، وہ بھی اس کے قائل نہ تھے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اس کا ذکر "بہجۃ الاسرار" میں موجود ہے۔ پس مذکورہ کتاب طلب کی گئی تو فقیر اس کی نقل بتلائی۔ اس پر شیخ نے فرمایا: شاید ان بزرگوں تک یہ نقل اور سند نہیں پہنچی ہوگی۔

جامع علوم ظاہری و باطنی مولانا مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی نے دوگانۂ قادریہ کے منکرین کی تردید اور اُن کے شکوک و شبہات کے ازالہ میں پہلے ہی ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اور دوسروں کو جنبشِ قلم کی تکلیف سے بچا لیا ہے۔ لہٰذا فقیر مذکورہ رسالہ سے من وعن یہاں نقل کر رہا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا ! مشہور اکابر علمائے کرام اور اولیائے عظام جو اسلام کے ارکان اور شریعت کے اقطاب ہیں، یہ حضراتِ عالی مقام اس بات پر متفق ہیں کہ سید الاصفیاء امام العلماء سید ابو محمد محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جعفری جیلانی رضی اللہ عنہٗ شریعتِ مطہرہ کے شعائر کی تنفیذ و اقامت میں اور کتاب و سنّت کے احکام پر عمل کرانے میں اس قدر انہماک و اشتغال اور مبالغہ فرماتے تھے کہ جس مرید سے بھی شریعت کی پیروی میں ذرا سی سستی اور غفلت دیکھتے تو اس کی اصلاح اور تادیب میں اس قدر توجہ اور ہمت سے کام لیتے تھے کہ اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آپ کے مواعظ چالیس سال کے علوم و حقائق کے افادہ سے لبریز رہے اور آپ کے فتاویٰ اور درس بندرہ علوم کے افاضہ سے تیس سال جاری رہے۔

مفسرین، محدثین، فقہا اور اصولیین وغیرہ میں مشاہیر اور برگزیدہ علمائے کرام جن میں کچھ حضرات امیر المؤمنین کے لقب سے سرفراز رہے اور جن میں سے بہت سارے حضرات عمدہ اور لطیف تصانیف کے مصنف ہیں جن کی فہرست بڑی طویل ہے۔ یہ تمام شیخ جیلانی کے شاگرد و تلمیذ تھے۔

اور یہ بات مکمل ثقہ راویوں کی روایت کے ذریعہ متصل صحیح اسناد سے ثابت ہے جب آپ کی قابلِ احترام شخصیت امام احمد بن حنبل کی زیارت کے لیے تشریف لے گئی تو امام عالی مقام مزار شریف سے باہر نکل آئے اور آپ کو خلعتِ نورانی پہنایا اور معانقہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں علم شریعت اور علم حقیقت میں آپ کا محتاج ہوں۔

یہاں ان باتوں کو بیان کرنے کا مقصد اور منشا یہ ہے کہ جناب مقدّس (حضرت غوث پاک) جو ظاہر اور باطن دونوں حیثیتوں سے شریعت مطہرہ کے حامی ہیں ان کے ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ اخلاص پڑھے اور

سلام پھیرنے کے بعد درود شریف پڑھے اور بغداد کی سمت گیارہ قدم چلے اور میرے نام کا وسیلہ لیتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں اپنی ضرورت و حاجت بیان کرے تو بفضلہٖ تعالیٰ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی۔

حضرت غوث پاک کے اس ارشاد گرامی کو امام، حافظ، علامہ، عارف شیخ نورالدین شطنوفی نے "بہجۃ الاسرار" میں اور شیخ، امام فقیہ، محدّث، عارف، جامع شیخ عبداللہ یافعی نے "خلاصۃ المفاخر" میں اور شیخ، امام حافظ علامہ شیخ مجدالدین شیرازی "الروض الناظر" میں اور شیخ، امام مقدام شیخ الاسلام شیخ محمد بن سعید زنجانی، نے "نزہۃ الخواطر" میں اور شیخ امام، حافظ علامہ شیخ شہاب الدین قسطلانی نے "الروض الزاہر" میں اور شیخ امام عارف ربّانی علامہ حقّانی شیخ ابوبکر عبداللہ بن نصر نے "انوار الناظر" میں اور شیخ عارف بحر معارف سید عبدالقادر عیدروس نے "الدر الفاخر" میں اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ اور علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

حاصلِ کلام!

یہ دوگانہ نماز اور عراق کی سمت گیارہ قدم چلنا دنیا جہاں کے علماء اور مشائخ کا مشہور عمل ہے اور آج تک اس مبارک عمل پر کسی نے بھی حرف گیری اور نکتہ چینی نہیں کی۔ ان دنوں ایک مجہول الحال جاہل شخص کی طرف سے خلل و فساد سے بھرپور مراسلہ حاصل ہوا جس کی عبارت انتہائی رکیک و ابتر اور اس کا معنی بہت ہی بے ہودہ اور بے مغز بلکہ کفر سے قریب تر ہے۔ اسی لیے اس کی تردید ضروری سمجھی گئی تاکہ دوسرے جاہل اشخاص بھی اس قسم کی حرکت نہ کر سکیں۔

اوّلاً تو بندہ اس کی سراسر گمراہ کن عبارت لکھتا ہے، پھر اس کے بعد اس کی تردید کرتا ہے مذکورہ عبارت کا نمونہ یہ ہے:۔

غیر اللہ کی نذر اور عراق کی سمت چلنا کفر کے انواع میں سے ایک ہے۔ (مدارج السالکین) نماز کے بعد عراق کی طرف چلنا کفر ہے۔ اس بات کا قائل اور فاعل ایک عظیم حرمت میں گھرے ہوئے ہیں۔ (شرح المناوی) مشائخ عظام پر منکرات کے افتراء اور تہمت میں سے ایک افتراء نماز کے بعد عراق کی سمت چلنا ہے۔ یہ عمل کفر ہے۔ اور قرآن کی آیات سے مستنبط ہے۔ (مدارج السالکین) جو شخص بھی نماز کے بعد اس اعتقاد کے ساتھ چلے کہ یہ شیخ جیلانی کی زیارت ہے پس

سلام پھیرنے کے بعد درود شریف پڑھے اور بغداد کی سمت گیارہ قدم چلے اور میرے نام کا وسیلہ لیتے ہوئے بارگاہِ ایزدی میں اپنی ضرورت وحاجت بیان کرے تو بفضلہ تعالیٰ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی۔

حضرت غوث پاک کے اس ارشاد گرامی کو امام حافظ، علامہ، عارف شیخ نورالدین شطنوفی نے "بہجۃ الاسرار" میں اور شیخ امام فقیہ محدث، عارف جامع شیخ عبداللہ یافعی نے "خلاصۃ المفاخر" میں اور شیخ، امام حافظ علامہ شیخ مجدالدین شیرازی "الروض الناظر" میں اور شیخ، امام مقدام شیخ الاسلام شیخ محمد بن سعید زنجانی، نے "نزھۃ الخواطر" میں اور شیخ امام، حافظ علامہ شیخ شہاب الدین قسطلانی نے "الروض الزاھر" میں اور شیخ امام عارف ربّانی علامہ حقّانی شیخ ابوبکر عبداللہ بن نصر نے "انوار الناظر" میں اور شیخ عارف بحر معارف سید عبدالقادر عیدروس نے "الدر الفاخر" میں اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ اور علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

حاصلِ کلام!

یہ دوگانہ نماز اور عراق کی سمت گیارہ قدم چلنا دنیا جہاں کے علماء اور مشائخ کا مشہور عمل ہے اور آج تک اس مبارک عمل پر کسی نے بھی حرف گیری اور نکتہ چینی نہیں کی۔ ان دنوں ایک مجہول الحال جاہل شخص کی طرف سے خلل وفساد سے بھرپور مراسلہ حاصل ہوا جس کی عبارت انتہائی رکیک واپتر اور اس کا معنی بہت ہی بے ہودہ اور بے مغز بلکہ کفر سے قریب تر ہے۔ اسی لیے اس کی تردید ضروری سمجھی گئی تاکہ دوسرے جاہل اشخاص بھی اس قسم کی حرکت نہ کر سکیں۔

اوّلاً تو بندہ اس کی سراسر گمراہ کن عبارت لکھتا ہے، پھر اس کے بعد اس کی تردید کرتا ہے مذکورہ عبارت کا نمونہ یہ ہے:-

غیر اللہ کی نذر اور عراق کی سمت چلنا کفر کے انواع میں سے ایک ہے۔ (مدارج السالکین) نماز کے بعد عراق کی طرف چلنا کفر ہے۔ اس بات کا قائل اور فاعل ایک عظیم حرمت میں گھرے ہوئے ہیں۔ (شرحِ المناوی) مشائخ عظام پر منکرات کے افتراء اور تہمت میں سے ایک افتراء نماز کے بعد عراق کی سمت چلنا ہے۔ یہ عمل کفر ہے۔ اور قرآن کی آیات سے مستنبط ہے۔ (مدارج السالکین) جو شخص بھی نماز کے بعد اس اعتقاد کے ساتھ چلے کہ یہ شیخ جیلانی کی زیارت ہے پس

وہ کافر ہے اور اس کے کفر پہ فتویٰ ہے۔ (شرح المشارق) جو بھی شخص نماز کے بعد شیخ جیلانی کے لیے عراق کی جانب چلنے کو حلال سمجھے گا پس وہ کافر ہے۔ (شرح مشیدی)

اس کی روایات ختم ہوئیں جو لغویات اور حشویات ہیں۔ اس عبارت کے اندر جو خطاء رکاکت اور کند ذہنی و کم فہمی موجود ہے وہ اس درجے کی ہے کہ جو شخص بھی تھوڑی بہت طالب علمی سے متصف ہوگا وہ اس پہ ہنس پڑے گا۔ اور اس کے معنی میں اس کا بے ڈھنگا پن اور خطا کاری اس سے بھی زیادہ ہے۔

النذر بغیر اللہ اس کا یہ قول بے مغز اور خطا پہ مبنی ہے اور درست عبارت لغیر اللہ ہونا چاہیے۔ اور یہ عبارت اس مقام پہ واقع ہونے کی وجہ سے اس کا معنیٰ بہت ہی مہمل اور بے ہودہ ہوگیا۔ کیوں کہ اس دوگانہ میں شیخ جیلانیؒ سے توسل ہے اور غیر خدا کے واسطے ہرگز نذر نہیں ہے۔ پس اس جگہ میں یہ مضمون لے آنا محض بیکار اور باطل ہے۔ اور اس کا یہ قول بھی کہ عراق کی سمت چند قدم چلنا انواعِ کفر میں سے ہے! انتہائی باطل ہے۔

مخفی نہ رہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل اور آپؐ کے اصحابؓ اور آپؐ کے کامل تابعینؒ حضرات کا وسیلہ اختیار کرنا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پہ تمام علماء اور مشائخ متفق ہیں اور یہ قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل اور شواہد سے ثابت ہے۔

عراق کی سمت چند قدم چلنا شیخ الکل سے نزدیکی اور قرب اور ان سے توسل کی علامت ہے اور آں جنابِ بے نظیر کی جانب توجہ کی نشانی ہے۔ اس عمل کی حقیقت محض تحصیل سعادت اور اکتسابِ قربت ہے۔ ایسے فعل کو جو ترکِ اولیٰ میں بھی داخل نہیں ہے کفر کہنا، کفر کی جانب سرعت کے ساتھ دوڑنا ہے۔ کیوں کہ علمائے کرام کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ جو چیزیں ضروریاتِ دین میں سے ہوں تو ان کا انکار کفر ہے یا ایسی معصیت جس کا گناہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہو تو اس کو حلال قرار دینا کفر ہے۔ ہاں! بعض غیر محقق فقہاء نے بہت سے کبائر کو کفر کہا ہے لیکن مذاہب اربعہ کے محقق فقہائے کرام نے ان اقوال کی تردید کر دی ہے اور ہم جس مسئلہ کو موضوع بحث بنائے ہوئے ہیں وہ وہ ترکِ اولیٰ میں بھی داخل نہیں ہے تو پھر اس کے گناہِ کبیرہ یا صغیرہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس ایسی کتابیں جن میں اس قسم کی روایات درج ہوں وہ ضلالت کا سبب ہیں اور ایک عالم کو گمراہی میں جھونک دینے کا باعث ہیں۔ اور اس کتاب کا نام "مدارج السالکین" کے بجائے "مدارج الھالکین" زیادہ لائق اور مناسب ہے۔

ہزل و حشو سے لبریز ان کتابوں کے مؤلفین اور اس سراپا ضعیف عبارت کا لکھنے والا کیا صحیحین کی مشہور اور صحیح حدیث کو بھی نہیں جانتا؟ کیا اس کو کسی عالم سے بھی نہیں سنا ہے کہ ایک گناہ گار شخص ایک بزرگ عالم کی ملاقات کے عزم سے اس کے قریہ کی جانب چل پڑا اور اثناء راہ میں اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے نزدیک رحمت اور عذاب کے فرشتے آپہنچے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کو حکم ملا کہ اس گناہ گار کے گھر سے اس کی موت کی جگہ تک پیمائش کی جائے اور اس جگہ سے اس عالم کے قریہ تک پیمائش کی جائے اگر وہ اپنے گھر سے قریب ہو تو عذاب کے فرشتے اٹھالے جائیں اور اگر وہ عالم کے قریہ سے قریب ہو تو رحمت کے فرشتے اٹھالے جائیں۔ چناں چہ جب فرشتوں نے ناپا تو عالم کے قریہ سے ایک بالشت نزدیک تھا اس لیے رحمت کے فرشتے اس کو اٹھالے گئے۔

اگر کوئی شخص مذکورہ نماز کا انکار کرے تو وہ اس آیت کی رو سے ابوجہل کا ساتھی متصور ہوگا۔ کیوں کہ وہ بھی نماز کا مانع تھا۔ ارءیت الذی ینھیٰ عبدًا اذا صلّٰی؛ بھلا اس شخص کا حال تو بتلا جو ہمارے ایک خاص بندے کو منع کرتا ہے جب وہ بندہ نماز پڑھتا ہے۔

متعدد روایات کے ذریعہ نمازِ حاجت کا ثبوت ہے اور حدیث، فقہ اور تصوّف کی مستند اور معتبر کتابوں میں مرقوم ہے جن کی تعداد بڑی طویل ہے اسمیں شک نہیں ہے کہ مذکورہ دوگانہ نمازِ حاجت ہی ہے اور اسمیں نمازِ حاجت کی نیت کی جاتی ہے۔ اس کے قطع نظر نفل نمازوں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور یہ دوسری بات ہے کہ نفل کو کسی مقررہ وقت کے ساتھ قید کرنا بدعت ہے۔ لیکن اس جہت سے بھی دوگانۂ قادریہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب شمار ہوگی۔ احادیث میں وارد ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی کوئی کام مغموم اور محزون کر دیتا تو آپؐ جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاتے۔ چناں چہ بعض محدثینِ کرام نے نوافل کو شمار کرتے ہوئے اس نماز کو صلوٰۃ الھم (نمازِ حزن) کہا ہے۔

اس غبی کا یہ قول کہ مشائخ عظام پر منکرات کے افتراء پر جو جرأت کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ نماز کے بعد عراق کی سمت چلنا، اس فعل کا مرتکب کافر ہے اور نصوصِ قرآنیہ سے مستنبط ہے۔ (مدارج السالکین)

اس عبارت میں لفظ ما اجراھم بھی غلط ہے ما اجتراھم ہونا چاہیے اور لفظ مشائخ میں الف لام ہونا چاہیے۔ اور کلمۂ صلوٰۃ میں الف غلط ہے۔ اور الاستنباط من نصوص القرآن کا جملہ مہمل ہے اور بہ مشہور حدیث خود اس کی تکفیر کا سبب بنتی ہے۔ من فسر القرآن برائیہ فقد کفر جس نے اپنی رائے اور عقل سے قرآن کی تفسیر کی تو اس نے کفر کیا۔

حاصلِ کلام!

ان روایات کی لغویات اور حشویات کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس قسم کے جہلا کو یہ حق کہاں سے ملا ہے کہ گمراہی سے بھرپور یہ اقوال کے اظہار سے عوام کو گمراہی میں ڈال دیں۔ ؎

خیالاتِ نادان خلوت نشین بہم برکند عاقبت کفر و دین

خلوت نشین نادان کے خیالات آخرکار دین اور کفر کو گڈمڈ کر دیں گے۔

ان کو چاہیے کہ اس قسم کے فاسد خیال سے باز آجائیں اور خود کو دنیا والوں کے سامنے مضحکہ خیز نہ ٹھہرائیں

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وصلی اللہ علیٰ سید الوریٰ وآلہ وصحبہ اھل المجد والعلیٰ۔ انتھی

★ محمد علی فاتح
اسلام پیٹ۔ وساکھاپٹنم (اے پی)

حضرتِ مکان سے خطاب

حضرت مکان حسین ہے حسنِ چمن ہے تو
قربیؔ^1 کی نیک ذات سے ایک انجمن ہے تو — ^1 حضرت ابوالحسن قربیؔ

ہر سمت دھوم ہے تیرے حسن و بہار کی
گلزارِ علمِ دین کا سرو چمن ہے تو

قربیؔ کے عزم نے کیا روشن ترا جمال
تو بے مثالِ دہر ہے دشتِ ختن ہے تو

بخشی ہے ایک خاص خدا نے لچک تجھے
نظروں میں خاص و عام کے نوری کرن ہے تو

سایہ میں تیرے پلتا ہے شجرِ لطیفیہ
دل کش، گل شگفتہ، شبابِ چمن ہے تو

جوہر شناس کرتے ہیں کس درجہ تیری قدر
انمول بے مثال ہے، لعلِ یمن ہے تو

جھونکے شمیم کے جو چلے عطر بار تھے
دکن بیکار اٹھا ضیائے چمن ہے تو

باقر^1، فصیح^2، ہلال^3 و بشیر^4 اور ابو بکر^5
دینِ مبیں کا مرکز صد علم و فن ہے تو

تیرے ضیاء کے دم سے ہے پُر لطف پُر بہار
روشن ہے جس سے گوشۂ دیں وہ گگن ہے تو

"سایہ میں جس کے دینِ مبارک ہے فیضیاب" — مصرعِ علیم صبا نویدی
گویا جہاں میں ساکنِ خلدِ عدن ہے تو

باقر کے ہاتھ تیرے ہیں تیوار اے مکاں
دل کش ہے رنگ جس کا وہ رنگیں سخن ہے تو

پالار کا کنارہ ہے ویلور کی زمیں! — دریائے پالار
گلہائے ہفت رنگ کا رنگیں چمن ہے تو

حضرت مکاں کو دیکھ کے فاتح نے یوں کہا
ویلور کا اک معرفتِ علم و فن ہے تو!

---

۱ اعلیٰ حضرت، ۲ ناظم صاحب۔ ۳ نائب ناظم صاحب۔ ۴ بشیر الحق صاحب
۵ مولوی ابو بکر صاحب۔ ؛ ؛

حاصلِ کلام!

ان روایات کی لغویات اور حشویات کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس قسم کے جہلا کو یہ حق کہاں سے ملا ہے کہ گمراہی سے بھرپور یہ اقوال کے اظہار سے عوام کو گمراہی میں ڈال دیں۔ ؎

خیالاتِ ناداں خلوت نشین   بہم برکند عاقبت کفر و دین

خلوت نشین نادان کے خیالات آخر کار دین اور کفر کو گڈمڈ کر دیں گے۔

ان کو چاہیے کہ اس قسم کے فاسد خیال سے باز آجائیں اور خود کو دنیا والوں کے سامنے مضحکہ خیز نہ ٹھہرائیں

والسلام علی من اتبع الهدیٰ وصلی اللہ علی سید الوریٰ وآلہ وصحبہ اهل المجد والعلیٰ۔ انتہی

★ **محمد علی فاتحؔ**
اسلام پیٹ۔ وساکھاپٹنم (اے پی)

حضرتِ مکان سے خطاب

حضرت مکان حسین ہے حسنِ چمن ہے تو
قربیؔ[۱] کی نیک ذات سے ایک انجمن ہے تو

۱ حضرت ابوالحسن قربیؔ

ہر سمت دھوم ہے تیرے حسن و بہار کی
گلزارِ علمِ دین کا سرو چمن ہے تو
قربیؔ کے عزم نے کیا روشن ترا جمال
تو بے مثالِ دہر ہے دشتِ ختن ہے تو
بخشی ہے ایک خاص خدا نے لچک تجھے
نظروں میں خاص و عام کے نوری کرن ہے تو
سایہ میں تیرے پلتا ہے شجرِ لطیفیہ
دل کش، گل شگفتہ، شبابِ چمن ہے تو
جوہر شناس کرتے ہیں کس درجہ تیری قدر
انمول بے مثال ہے، لعلِ یمن ہے تو
جھونکے شمیم کے جو چلے عطر بار تھے
دکن پکار اٹھا ضیائے چمن ہے تو
باقرؔ[۱]، فصیحؔ[۲]، ہلالؔ[۳] و بشیرؔ[۴] اور ابو بکرؔ[۵]
دینِ مُبیں کا مرکزِ صد علم و فن ہے تو
تیرے ضیاء کے دم سے ہے پُر لطف پُر بہار
روشن ہے جس سے گوشۂ دیں وہ گگن ہے تو
"سایہ میں جس کے دینِ مبارک ہے فیضیاب"
گویا جہاں میں ساکنِ خلدِ عدن ہے تو

مصرعِ علیم صبا نویدیؔ

باقرؔ کے ہاتھ تیرے ہیں پتوار اے مکاں
دل کش ہے رنگ جس کا وہ رنگیں سخن ہے تو
پالارؔ کا کنارہ ہے ویلور کی زمیں!
گلہائے ہفت رنگ کا رنگیں چمن ہے تو

دریائے پالار

حضرتِ مکاں کو دیکھ کے فاتحؔ نے یوں کہا
ویلور کا اک معرفتِ علم و فن ہے تو!

---

[۱] اعلیٰ حضرت، [۲] ناظم صاحب۔ [۳] نائب ناظم صاحب۔ [۴] بشیر الحق صاحب
[۵] مولوی ابو بکر صاحب۔ ؛ ؛

فائدہ ۳۷

نِداء اور دُعا کے درمیان فرق

مولانا سید علوی شافعی تریمی "مصباح الانام" کی تیسری فصل میں تحریر فرماتے ہیں:۔ نجدی وہابی کی خرافات اور بے ہودہ باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس مشہور قصیدہ بردہ کے مصنف شاعر العلماء، عالم الشعراء علامہ امام بوصیری کے فکر و خیال کا انکار کیا ہے جو انھوں نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے: ؎

یا اکرم الخلق مالی الوذ به سواك عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ برگزیدہ و بزرگ! میرے لیے آپؐ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی میں پناہ لوں، بڑے حوادث کے نزول کے وقت۔

بلکہ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ شرکِ اکبر ہے۔ کیوں کہ غیر اللہ سے دُعا ہے۔ اور یہ مغالطہ عوام کے ذہنوں میں بٹھا دیا ہے۔ لیکن اس کا یہ کہنا کہ یہ دُعا ہے۔ یہ قول کذب اور افترا پر مبنی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ دُعا نہیں بلکہ نداء ہے۔ اور نداء دُعا سے علاحدہ ایک دوسری شئی ہے اس لیے کہ جب مخلوق سے کوئی چیز طلب کی جائے تو اُس کو شریعتِ مطہرہ میں اور مسلمانوں کے عرف میں دُعا نہیں کہتے۔ جیسا کہ اس کو محدّث زین العابدین حرانی شافعی اور علّامہ ابن رشید مالکی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری اور دیگر مشہور ائمۂ کرام نے دلیل پیش کی ہے۔

ندا کو دُعا کا روپ دینے سے نجدی کا مقصد اور منشاء بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ عوام میں ندا کو دعا کے نام سے شہرت دی جائے اور اس کے تعلق سے لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات داخل کئے جائیں تاکہ مسلمان نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء و مرسلین کا توسل اختیار نہ کریں۔

اس مقام پر یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ دُعا عبادت کا مغز اور اس کا لب لباب ہے۔ اور دُعا خصوصًا رفیع الدرجات کے حضور میں منت و سماجت اور تضرع کے ساتھ گڑگڑا کر حاجات و ضروریات پوری ہونے کے لیے فریاد کرنا ہے۔ اس قسم کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ذات کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا۔ اور آپ ہرگز ایک مسلمان کو اس جیسے انسان کے سامنے تضرع اور آہ و بکا

کے ساتھ دعا کے لیے اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے نہیں پائیں گے اور نہ آپ کسی ایسے مسلمان کو پائیں گے جو کسی انسان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ اس کی مغفرت کرے گا اور اس پر رحم کرے گا اور اس کی ضروریات و حاجات پوری کرے گا۔

بلکہ یہ تمام چیزیں یعنی دعا، حاجات کی تکمیل، مغفرت اور رحم و کرم اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ایک مسلمان کا مقصد نداء سے صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب اس کے انبیاء اور مرسلین سے ان کے اسماء کے ساتھ توسل اختیار کرے اور نداء دعا سے علاحدہ دوسری شئے ہے اور دعا عبادت ہے۔

اسی لیے اقناع میں مرقوم ہے کہ حنبلی فقہاء نے کہا کہ جو شخص اپنے اور اللہ تعالے کے درمیان وسائط اور وسائل ٹھہرائے اور ان وسائل سے دعا کرے اور ان کے اوپر توکل کرے اور ان سے سوال کرے تو کافر ہو جائے گا۔ اور اس پر سارے علماء کا اجماع ہے۔

حرمین شریفین کے مفتی علامہ عبدالوہاب مصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بیشک یہ آدمی اپنے اور اللہ کے درمیان وسائط اور وسائل ٹھہرا رہا ہے اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ اللہ کے سوا معبود ہیں اور ان کی طرف اپنے امور و معاملات سونپ رہا ہے اور ان پر اعتماد و توکل کر رہا ہے اور اُن سے دعا و فریاد کر رہا ہے اور ان سے مانگ رہا ہے کہ وہ عطا کرنے والے ہیں اور قدرت والے ہیں۔

اور یہ بات معلوم اور مشہور ہے کہ مسلمانوں میں ایک مسلمان بھی خواہ وہ عامی ہو یا عالم ایسا نہیں ہے جو اس قسم کے عقائد و افکار اپنے دل و دماغ میں رکھتا ہو۔

میرا استدلال یہ ہے کہ اسی سبب سے اقناع کے مصنف اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء نے یہ نہیں کہا کہ جو شخص بھی اپنے اور خدا کے درمیان وسائل اور وسائط ٹھہرائے اور بارگاہِ خداوندی میں ان سے نداء کرے اور ان کا توسل اختیار کرے بلکہ انھوں نے یہ کہا ہے کہ جو شخص بھی اپنے اور خدا کے درمیان وسائل اور وسائط ٹھہرائے اور ان سے دعا کرے اور ان پر توکل کرے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ دعا اور توکل یہ دونوں عبادت ہے۔ پس جو شخص بھی عبادت کو معبود (اللہ تعالیٰ) سے پھیر کر غیر کی طرف قائم کر دے تو وہ یقیناً کافر ہے۔ اس لیے کہ اس نے اللہ کے ساتھ ایک دوسرا الٰہ قرار دیا اور اس سے دعا کی اور اس پر توکل و اعتماد کیا۔ ہر ذی عقل اور صاحبِ فہم

کو یہ بات معلوم ہے کہ غیر اللہ کے لیے نداء جائز ہے۔ پس نداء کفر نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ عبادت کے سواء ایک علیحدہ شئے ہے۔ اور اگر نداء عبادت ہو جائے تو ہر شخص کافر ہو جائے گا جو غیر اللہ کو نداء کرے اور یہ بات کوئی نہیں کہے گا۔ بلکہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا شخص کو اچھی طرح وضو کرنے کے بعد یہ مشہور دعا پڑھنے کا حکم دیا جس کے اندر نداء موجود ہے۔ یا محمدؐ انی اتوجہ بك الی ربك فی حاجتی لتقضی یا محمدؐ! بے شک میں اپنی حاجت براری کے لیے آپؐ کے وسیلے سے آپؐ کے رب کی جانب متوجہ ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو جائے۔

پس! آپ ہی غور فرمائیے کہ نداء اگر شرک اکبر ہے تو پھر کیوں کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسم مبارک کے ساتھ نداء کا حکم دیا یا محمدؐ انی اتوجہ بك۔

اور ایک دوسری صحیح حدیث ہے کہ لوگ قیامت کے دن انبیاء و مرسلین سے ہر نبی کے نام کیساتھ نداء کرتے ہوئے ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور ان سے پناہ طلب کریں گے۔

اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کا جانور کسی کی زمین میں قابو سے نکل جائے تو چاہئیے کہ تین مرتبہ یہ نداء دے: یا عباد اللہ احبسواء : اے اللہ کے بندو اس کو پکڑ لو۔ پھر ارشاد فرمایا فان للہ فی الارض حاضرا یحبسھا : بے شک اللہ تعالی کی طرف سے بعض حاضرین بھی ہیں جو اس کو پکڑ لیتے ہیں۔

اور دوسری حدیث میں ہے جب تم مدد کے طالب ہو تو تین مرتبہ کہو: یا عباد اللہ اعینونی : اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو:۔

پس نداء اگر عبادت ہوتی جیسا کہ یہ جاہل مغرور نے زعم کیا ہے تو نابینا شخص کو یا محمدؐ سے نداء کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، جیسا کہ حدیث ابھی گزری ہے۔ اور نہ ہی جانور کے مالک کو حکم دیا جاتا کہ وہ کہے یا عباد اللہ احبسوا اے اللہ کے بندو! اس کو روک لو۔ اور نہ ہی مدد کے متلاشی کو حکم دیا جاتا کہ وہ یہ کہے: یا عباد اللہ اعینونی! اے اللہ کے بندو! میری اعانت کرو۔ اور نہ ہی یہ خبر دی جاتی کہ لوگ قیامت کے دن انبیاء کرام کو ان کے ناموں کے ساتھ نداء دیتے ہوئے ان سے شفاعت کے طلبگار ہوں گے۔

مذکورہ دلائل اور براہین سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بے شک نداء دعا نہیں ہے۔

اور ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب "معرفۃ الاالہ بین المسلمین" کی پہلی فصل کے خاتمہ میں بیان کر دی ہے۔ لہٰذا اس کی جانب رجوع فرمائیے تاکہ آپ غلطی میں مبتلا نہ ہو سکیں۔

اور جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انّ الذین تدعون من دون اللّٰہ عباد امثالکم** : بے شک وہ جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو وہ بھی تمہاری طرح بندے ہیں اور **فلا تدعوا مع اللّٰہ احدا** ۔ پس اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو اور اس جیسی دیگر قرآنی آیات میں کفّار سے خطاب ہے، مسلمانوں سے نہیں۔ کیوں کہ مسلمانوں نے نصِ قرآنی سے پہچان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک وسہیم محال اور ممتنع ہے۔ پھر بھلا وہ کیوں کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو پکاریں گے۔ اور انہوں نے بہ حقیقت حق و درستگی کے ساتھ جان لی ہے کہ معبود ایک ہی ہے اور اس کا ثانی اور اس کا ساجھی محال ہے۔ اور معبودِ باطل کو الٰہ سے موسوم نہیں کرتے ہیں کیوں کہ وہ عبادت کا مستحق ہی نہیں ہوتا۔ پس معبودِ حق ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالےٰ اور کوئی دوسرا معبود نہیں۔ جیساکہ اس کی تفصیل پہلی فصل میں گزر چکی۔ آپ اس کی جانب رجوع کریں تو انشاء اللہ ھدایت پائیں گے۔

نجدی کا یہ کہنا ہے کہ جس کسی نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے علاوہ دیگر انبیاء اور اولیاء اللہ کو نداء دی تو یہ بھی اس شخص کے مانند متشابہ ہو گیا جس نے اصنام کو نداء دی یا اس شخص کے متشابہ ہو گیا جس نے عیسیٰؑ، عزیرؑ اور فرشتوں کو نداء دی۔

اس کے اس قول کا فاسد ہونا مخفی نہیں ہے۔ کیوں کہ اصنام اہلِ شفاعت نہیں ہیں۔ اور عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے بارے میں اللہ نے کفار کے مقولہ کی خبر دی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وقالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ و قالت النصٰرٰی مسیح ابن اللّٰہ ذٰلکؕ قولھم بافواھھم اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ساری باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں۔ (یعنی ان کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہے۔) اور فرشتوں کے بارے میں قبیلہ خزاعہ اور کنانہ اور ان کے علاوہ کفّار مکہ نے کہا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی ذات ان ساری باتوں سے پاک وصاف اور بلند و بالا ہے۔

الحمد للہ! مسلمانوں کا دامن اس قسم کے عقائد سے پاک وصاف ہے۔

پس! اگر کتاب وسنّت میں ایسی بات آئی ہو کہ اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے

اور اس کے انبیاء اور مرسلین اور اُن کی ربّانی تعلیمات کی تصدیق کرے اور وہ نبی یا ولی کو شفاعت کے لیے نداء کرے تو وہ صرف نداء سے کافر ہو جائے گا۔

اس قسم کی بات کہیں ہو تو بیان کرو اگر تم واقعی سچّے ہو۔ اور یقین ہے کہ ہرگز تم اس طرح کی کوئی بات قرآن و حدیث میں نہیں پائیں گے۔ والحمد للّٰہ رب العالمین!

نیز مولانا سید علوی شافعی تہ بہی "مصباح الانام" کی چوتھی فصل میں لکھتے ہیں کہ نجدی کے خرافات: در ہفوات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے توسل، استغاثہ اور بزرگوں کے نام سے نداء اور صلحاء و اخیار حتّٰی کہ نبیٔ کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلم سے بھی تحصیل تبرک کا انکار کیا ہے۔

شیخ محمّد حیات مدنی فرماتے ہیں:-

اعمالِ حسنہ سے توسل اور صلحا و اخیار سے دعا کی درخواست جائز ہے۔ چناں چہ ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب "صراطِ مستقیم" میں اس کے جواز پہ دلیل پیش کی ہے۔ اور اموات سے توسل کے مسئلہ میں ابنِ تیمیہ نے زعم کیا ہے کہ یہ ممنوع ہے۔ لیکن بعض صحابۂ کرامؓ کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عثمان ابنِ عفان رضی اللّٰہ عنہٗ کے زمانۂ خلافت میں بعض محتاجوں کو بعض صحابہؓ نے حکم دیا کہ وہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا وسیلہ لیں۔ پس! حاجت مند شخص نے ذاتِ رسالت مآب صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کی تو اس کی ضرورت پوری ہو گئی۔ جیسا کہ امام طبرانی نے ذکر کیا ہے۔

اور عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جب عمل صالح سے توسل جائز ہے جس سے اللّٰہ تعالیٰ راضی اور خوشنود ہوتا ہے اس عمل کے جاہ و مرتبہ کے باعث جو اس کے نزدیک ہے تو نبوت و رسالت سے بھی توسل جائز ہونا چاہیے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی کرامت و بزرگی تو وہ ہے جس کے لیے اللّٰہ کے نزدیک شرف و عزّت حاصل ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مسلمان جب نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا وسیلہ لیتا ہے تو وہ صرف آپؐ کی ذات سے توسل کا ارادہ نہیں کرتا جس میں نوعِ انسان شریک ہے بلکہ وہ آپؐ کی ذات کے ساتھ ساتھ آپؐ کی نبوّت اور رسالت کا ارادہ کرتا ہے جو نبوت کے سارے کمالات پر فوقیت رکھتی ہے۔

لہٰذا اس بات کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم

کی دُعا یا آپؐ کی نبوت سے توسل اختیار کریں۔ اور علامہ ابنِ تیمیہ نے جو فرق بیان کیا ہے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

اور حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ توسلوا بجاهی فانه عند الله عظیم میری نبوت کے واسطہ سے توسل اختیار کرو۔ بے شک یہ مقام و منصب اللہ کے نزدیک بہت ہی عظیم اور بلند و بالا ہے۔ اور کتاب "نہج السعادہ" میں مرقوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: توسلوا بی وباهل بیتی الی الله لا یرد متوسل بنا بارگاہِ خداوندی میں میرا اور میرے اہلِ بیت کا وسیلہ لو۔ بے شک جو بھی ہمارے وسیلہ لینے والا ہے اس کی دُعا رد نہ ہوگی۔ اور ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ثابت ہے۔ اور ان کی توبہ اسی وقت قبول ہوئی جب کہ انہوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ لیا۔ اس حدیث کو محدث ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ ابن حجر کی کتاب "الجوہر المنظم" کے حوالہ سے شیخ محمد حیات مدنی کا کلام مکمل ہوا۔

نیز مولانا سید علوی شافعی تریمی مذکورہ فصل میں رقمطراز ہیں:

قاضی عیاض شافعی فرماتے ہیں کہ شفاعت کی حدیث تواتر کی حد کو پہنچ چکی ہے۔ عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہٗ کی روایت کردہ حدیث میں ہے: اذا سالتنی بحقه فقد غفرت لك: جب تم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگو تو میں تمہاری مغفرت کر دوں گا۔

اور نماز حاجت میں ہے: اللّٰھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمّد صلی اللہ علیه وسلم نبیُ الرحمة یا محمّد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضی لہ۔

اس حدیث کو امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

اور حدیث الاعمیٰ میں ہے کہ نابینا کو اس دعا کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ فقرہ زائد بھی درج کیا ہے۔ فقام وقد

البصر۔ پس نابینا جب کھڑا ہو گیا تو اس کی آنکھوں میں روشنی آچکی تھی ۔

اور اس حدیث سے یہ ثبوت فراہم ہو رہا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی توسل صحیح ہے ۔ علاوہ ازیں اس دُعا کو حضرات سلف نے اپنی حاجتوں اور ضرورتوں میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد استعمال کیا ہے ۔ اور اس کے راوی حضرت عثمان بن حنیف رضؓ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک آدمی کو یہ دعا سکھلائی ۔ اُس نے اس پر عمل کیا تو اس کی ضرورت پوری ہوئی ۔ اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کی ہے ۔

امام طبرانی نے قوی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دُعا میں فرمایا : **بحق نبیك والانبیاء الذین من قبلی** : اے اللہ تیرے نبی (محمدؐ) کے وسیلہ سے اور ان انبیاء کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں ۔ (نبیك کے لفظ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں توسل کا ثبوت ہے تو **الانبیاء الذین من قبلی** کے جملہ سے آپؐ کے وفات کے بعد توسل کا ثبوت ہے ۔)

علامہ ابن حجر نے "الجوهر المنظم" میں بڑی طویل بحث کی ہے وہ دیکھ لی جائے ۔

مہمات و مسائل اور امور عظیمہ میں انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے نداء کرنے کے مسئلہ میں نجدی کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ نداء دُعا ہے اور دُعا عبادت کا جوہر اور اس کا خلاصہ ہے ۔ یہ طرزِ فکر اس کے علم و معرفت میں قلّت و کمی کے سبب سے ہے ۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری اور علّامہ زین الدین عراقی شافعی اور امام ابنِ رشید مالکی نے اس مسئلہ کی عمدہ وضاحت کر دی ہے ۔ جیسا کہ کتاب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے ۔ تاہم اس کا مختصر خلاصہ چند لفظوں میں ہے کہ :

جب تم کسی زندہ یا مردہ شخص کو آواز دو تو اس کو نداء کہا جائے گا اور جب تم اپنے ربِّ تعالیٰ کو نداء دو تو اس کو دُعا کہا جائے گا ۔ لہٰذا **یا اللہ، یا ولی اللہ**، یا مخلوق میں سے کسی کو یا فُلاں کہہ کر نداء دو تو ان کے درمیان فرق اور امتیاز ہے ۔ اور اس کو حضرات علماء نے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ۔

(بقیہ ص 52 پر ملاحظہ ہو ۔)

مظاہرِ ایثار و ہمدردی

محمد رمضان القادری
استاذ دار العلوم لطیفیہ۔ حضرت مکان ویلور

الحمد للہِ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہِ الذین اصطفیٰ

اس کائناتِ رنگ و بو میں ایثار و ہمدردی کا ہمہ گیر عمل دخل ہے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد دینِ اسلام کی اشاعت اور لوگوں کو کفر و الحاد کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے جو عظیم پروگرام احکامِ الٰہی کے مطابق شروع کیا اس میں ایثار و ہمدردی پر بھی بھرپور توجہ دی۔

اگر کوئی شخص کسی چیز کا خود ضرورت مند ہو لیکن جب کوئی دوسرا حاجت مند اس کے سامنے آجائے تو وہ چیز اس کو دے دے اور خود تکلیف اٹھالے اسی کا نام "ایثار و ہمدردی" ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انسانی اور سماجی طرزِ زندگی میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔ خود حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا یعنی جو بندے اپنی حلال کمائی سے دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے اللہ تعالےٰ اپنے خزانۂ غیب سے ان کو برابر عطا فرماتا رہے گا اور وہ ہمیشہ فقر و فاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا طرزِ عمل بھی عجیب غریب تھا۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔۔۔ ما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیئًا قط فقال لا۔ [رواہ البخاری ومسلم] کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپؐ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو...... آپؐ نے کسی سائل کو نہیں کہہ کر واپس نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپؐ کے پاس نہ ہوا تو قرض منگواکر دیا۔ سچ کہا ہے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے: ـ

واہ کیا جود و کرم ہے شہِؐ بطحا تیرا
نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فرش والے تیری شوکت کا عُلو کیا جانیں
خُسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

جیسا کہ درج ذیل حدیث شاہد ہے:

عن سھل بن سعد قال جاءت امرأۃٌ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببُردَۃٍ فقالت یارسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اکسلوک ھذہ فاخذھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم محتاجًا الیھا فلبسھا فراٰھا علیہ رجلٌ من اصحابہ فقال یارسول اللہ ما اَحْسَنَ ھذہ فاکسنیھا فقال نعم فلما قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامَہٗ اصحابُہٗ قال ما احسنت حین رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا محتاجًا الیھا ثمّ سالتہٗ اِیّاھا وقد عرفت انہٗ لایسأل شیئاً فیمنعہٗ فقال رجوتُ برکتھا حین لبسھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی اُکفنُ فیھا۔ (رواہ البخاری)

(ترجمہ:) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ میں یہ چادر آپؐ کو اُڑھانا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے وہ چادر قبول فرما کر اوڑھ لی، اور آپؐ کی حالت یہ تھی کہ اس وقت آپؐ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپؐ کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے آپؐ کو وہ چادر اوڑھے دیکھا تو عرض کیا: یارسول اللہ! یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ مجھے عنایت فرما دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بہت اچھا (اور وہ چادر اسی وقت اتار کر ان صاحب کو دے دی)۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے اٹھ گئے تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی اور کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا، تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اس کی ضرورت تھی اور آپؐ نے حاجت مندی کی حالت میں یہ چادر اس خاتون سے قبول کی تھی، اس کے باوجود تم نے حضورؐ سے اس کو مانگ لیا۔ حالاں کہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ ہے کہ جو چیز بھی آپؐ سے مانگی جائے آپؐ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ اس صحابی نے عرض کیا: میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا تھا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زیبِ تن فرمایا تھا۔ اب مجھے امید ہے کہ یہی چادر میرا کفن بنے گی۔

اسی طرح سے ایک دوسری حکایت ہے: ایک شخص بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ:

یا رسول اللہ! میں بہت بڑا دکھی ہوں، فقیر ہوں، بھوک بہت ستا رہی ہے ۔ ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ازواجِ مطہرات کے پاس خبر کیا کہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہو تو بھیجو ۔ سب کے پاس سے نفی میں جواب آیا کہ کسی کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی ۔ اتفاقاً اس محفل میں حضرت ابو طلحہؓ بھی تشریف فرما تھے ۔ کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہمان کو میرے حوالے کر دیجیے ۔ چنانچہ اس مہمان کو ان کے حوالے کر دیا گیا ۔ اس کے بعد حضرت ابو طلحہؓ اس مہمان کو لے کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں اور اپنی شریکِ حیات حضرت بی بی ام سلیمؓ سے دریافت فرماتے ہیں گھر میں کچھ کھانے پینے کا سامان موجود ہے؟ پیکرِ اخلاق بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے سرتاج! صرف ایک دو آدمی کی خوراک ہے ۔ آپ نے حکم دیا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سُلا دو اور کھانا مہمان کے سامنے رکھ دو ۔ پھر تم چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے سے اٹھو اور ایک دم چراغ بجھا دو ۔ پھر ہم اور تم دونوں مہمان کے ساتھ اندھیرے میں کھانے کے لیے بیٹھ جائیں گے ۔ اور مہمان کو دکھلانے کے لیے ہم دونوں برتن میں ہاتھ ڈالتے رہیں اور یوں ہی منہ چلاتے رہیں تاکہ مہمان سمجھے کہ ہم دونوں بھی کھانا کھا رہے ہیں ۔ اس طرح مہمان شکم سیر ہو کر کھائے گا اور ہم دونوں بھوکے سو رہیں گے ۔

چناں چہ آپ کی شریکِ حیات نے پہلے تو بچوں کو سُلا دیا ۔ پھر مہمان کے سامنے کھانا لا کر رکھا چراغ کو بجھا دیا ۔ اور میاں بیوی دونوں مہمان کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گئے ۔ مہمان کھاتا رہا اور یہ دونوں میاں بیوی برتن میں ہاتھ ڈالتے رہے اور منہ چلاتے رہے ۔ یہاں تک کہ مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ۔ اور اندھیرے میں اُسے یہ معلوم ہو نہ سکا کہ دونوں میاں بیوی بھوکے رہ گئے ہیں ۔

دیکھا آپ نے کہ جو آغوشِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں ایثار و ہمدردی کا مظاہرہ کتنے حسین انداز میں پیش کیا ۔ پیکرِ ہمدرد شریکِ حیات نے اپنے عزم و صبر سے کام لیا اور اپنے گھر کی عزت کو چار چاند لگا دیا ۔ اور بارگاہِ مصطفےٰؐ کے مہمان پر اپنی غریبی اور مفلسی کا راز ظاہر ہونے نہیں دیا ۔ یہ طرزِ عمل انھیں بزرگوں کا حق تھا ۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ سرزمینِ عرب پر بعثتِ نبویؐ سے پہلے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے ۔ شراب نوشی، جوا، ناحق قتل، خونریزی جنگ و جدال کا معرکہ، عفت و عصمت کوئی چیز نہیں تھی، ایثار و ہمدردی سے کوسوں دُور تھے ۔ لیکن نگاہِ مصطفےٰؐ کی ایک جھلک نے دلوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ۔ صحابی ہونے کا شرف ملا ۔ ایمان کی لازوال

دولت ملی، اخوت ومساوات اور ایثار وہمدردی کے پیکر بن گئے۔ انھیں وجوہات کے مدنظر آج بھی ان کے کارنامے زندہ اور تابندہ ہیں اور ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ جب یہ صبح کو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے تمہارے اس معاملہ کو جو تم نے گزشتہ رات اپنے مہمان کے ساتھ کیا بہت پسند فرمایا ...ان کی توصیف میں یہ آیت نازل ہوئی :۔ ویؤثرون علی انفس...ہم ولو کان بہم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاوٗلئک ہم المفلحون ؕ اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انھیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں: (کنزالایمان)

نسائی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار تھے اور انھوں نے انگور کھانے کی خواہش ظاہر کی۔ اُن کے لیے ایک درہم میں انگور کا ایک خوشہ خرید کر لایا گیا۔ اتفاق سے ایک مسکین آگیا اور سوال کیا۔ آپؓ نے فرمایا یہ خوشہ اس کو دے دو۔ حاضرین میں سے ایک شخص خفیہ طور پر اس کے پیچھے گیا اور خوشہ اس مسکین سے خرید کر پھر ابن عمر کو پیش کر دیا۔ مگر یہ سائل پھر آگیا اور سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہٗ نے پھر اس کو دے دیا۔ پھر کوئی صاحب خفیہ طور پر گئے اور اس مسکین کو ایک درہم دے کر خوشہ خرید لائے اور حضرت ابنِ عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ سائل پھر آنا چاہتا تھا۔ لوگوں نے منع کر دیا۔ اور حضرت ابن عمرؓ کو اگر یہ اطلاع ہوتی کہ یہ وہی خوشہ ہے جو انھوں نے صدقہ میں دے دیا تھا، تو ہرگز نہ کھاتے، مگر ان کو یہ خیال ہوا کہ لانے والا بازار سے لایا ہے، اس لیے استعمال فرمالیا ـــــ

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ چار سو دینار ایک تھیلی میں رکھ کر تھیلی غلام کے سپرد کی کہ تھیلی ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہٗ کے پاس لے جاؤ کہ یہ ہدیہ قبول کر کے اپنی ضرورت میں صرف کریں۔ اور غلام کو ہدایت کی کہ ہدیہ دینے کے بعد کچھ دیر گھر میں ٹھہر جانا اور یہ دیکھنا کہ ابو عبیدہؓ اس رقم کو کیا کرتے ہیں: غلام نے حسب ہدایت یہ تھیلی حضرت ابو عبیدہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور ذرا ٹھہر گیا۔ ابو عبیدہ نے تھیلی لے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کو (حضرت عمر بن خطابؓ) کو اس کا صلہ دے اور ان پر رحمت فرمائے۔ اور اسی وقت اپنی کنیز کو کہا کہ لو یہ سات فلاں شخص کو، پانچ فلاں شخص کو دے آؤ۔ یہاں تک کہ پورے چار سو دینار اسی وقت تقسیم کر دئے غلام نے واپس آکر واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے اسی وقت چار سو دینار کی ایک دوسری

تھیلی تیار رکھی ہوئی غلام کو دے کر کہا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دے آؤ اور وہاں بھی دیکھو وہ کیا کرتے ہیں۔ یہ غلام لے گیا۔ انھوں نے تھیلی لے کر حضرت عمر کے حق میں دعا دی اور یہ بھی تھیلی لے کر بیٹھ گئے تاکہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس رقم کے بہت سے حصّے کر کے مختلف گھروں میں بھیجتے رہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بیوی یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ آخر میں بولیں کہ ہم بھی تو بخدا مسکین ہی ہیں، ہمیں بھی کچھ ملنا چاہیے۔ اس وقت تھیلی میں صرف دو دینار رہ گئے تھے وہ ان کو دے دیئے۔ غلام یہ دیکھنے کے بعد لوٹا اور حضرت عمرؓ سے بیان کیا تو آپؓ نے فرمایا: یہ سب بھائی بھائی ہیں، سب کا مزاج ایک ہی ہے۔ (ماخوذ از معارف القرآن)

جنگِ اُحد کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفّار نے بڑی بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا تھا اور آپؓ کے اعضاء مبارکہ کو بھی تتّر بتّر کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی نعشوں کو اکٹھا کرنے کا حکم فرمایا۔ صحابہؓ نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے شہدائے اُحد کی لاشوں کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرماتے رہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک پر نظر پڑی تو بے حد صدمہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ حضرت حمزہؓ کی حضرت صفیہ تشریف لائیں اپنے بھائی کو دیکھیں۔ حضورؐ نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں اور ایسے درد ناک منظر کے دیکھنے کا تحمل مشکل ہوگا۔ لہٰذا ان کو دیکھنے سے منع فرما دیا۔ لیکن حضرت صفیہ بضد تھیں اور کہتی تھیں کہ اللہ کی راہ میں اگر ناک، کان، کاٹ دیئے گئے تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں۔ اللہ سے ثواب کی امید رکھتی ہوں اور صبر کروں گی۔ ان کے عزم و استقلال کی خبر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپؐ نے دیدار کرنے کی اجازت دے دی۔ آ کر دیکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ان کے لیے دعاءِ استغفار کیا۔ پھر اپنے پاس سے دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے لیے کفن کے لیے لائی تھی کہ میں ان کے انتقال کی خبر سُن چکی تھی۔ ان کپڑوں میں ان کو کفنانا۔ ہم لوگ وہ کپڑے کو لے کر حضرت حمزہ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سہیل رضی اللہ عنہ تھا۔ ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا جیسا کہ حضرت حمزہؓ کا تھا۔ ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہؓ کو دو کپڑوں میں کفنا دیا جائے اور انصاری کو ایک بھی نہ ہو۔ اس لیے ہم نے دونوں کے لیے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا مگر ایک کپڑا اس میں بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا تھا تو ہم لوگوں نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آجائے گا

وہ ان کے کفن میں لگا یا جائے۔ قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیلؓ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا کپڑا حضرت حمزہؓ کے حصّہ میں۔ جو اُن کے قد سے بھی کم تھا۔ کہ اگر سر کو ڈھانکا جائے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کُھل جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانپ دو اور پاؤں پہ پتے وغیرہ ڈال دو۔ یہ دو جہاں کے بادشاہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا کفن ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لیے دو کپڑے دیتی ہے۔ اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے۔ ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے۔

جنگِ یرموک کے موقع پر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کفار کے مقابلے اور اسلام کی نصرت و حمایت میں اپنی ایمانی بہادری کا مظاہرہ فرما رہے تھے۔ دوپہر کا عالم تھا، دھوپ کی شدت تھی۔ صحابہؓ لڑتے لڑتے پیاس کی شدت کو برداشت نہ کر سکے۔ چند صحابہؓ کی حالتیں بہت ہی نازک ہو چکی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہٗ اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش کے لیے نکلے ان کے ساتھ ایک مشکیزہ پانی بھی تھا۔ اتفاقاً ان کے چچا زاد بھائی کی ملاقات ایسی حالت میں ہوئی کہ وہ بالکل پیاس کی شدت سے نڈھال ہو چکے تھے۔ جانکنی شروع تھی۔ حضرت ابو جہم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا زاد بھائی سے پوچھا کہ پانی پلاؤں۔ انھوں نے اشارے سے ہاں کہا۔ اتنے میں ایک دوسری جانب سے اَلعَطَش اَلعَطَش کی آوازیں آنے لگیں۔ میرے چچا زاد بھائی نے وہ آوازیں سن لی۔ اور اشارے سے کہا کہ پہلے انھیں جاکر پانی پلائیں۔ میں ان کے پاس پانی لے گیا۔ وہ ہشام ابنِ ابی العاص تھے۔ ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حالت میں دم توڑ رہے تھے اور العطش العطش پکار رہے تھے۔ ہشام بن ابی العاص نے اشارے سے ان کی جانب پانی کا مشکیزہ لے جانے کے لیے کہا۔ میں ان کے پاس پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ ہشام کے پاس آیا تو وہ بھی جان بحق ہو چکے تھے۔ یہاں سے اپنے چچا زاد بھائی کے پاس لوٹا تو اتنے میں وہ جام شہادت نوش فرما چکے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (داریہ)

کیا انتہا ہے اس ایثار کی کہ اپنا بھائی دم توڑ رہا ہے اور پیاسا ہو ایسی حالت میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو پیاسا چھوڑ کر دوسرے کو پانی پلانے چلا جائے اور ان مرنے والوں کی روحوں کو اللہ جلّ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے نوازیں۔ کہ مرنے کے وقت میں جب ہوش و حواس سب ہی جواب دے دیتے ہیں یہ لوگ ہمدردی میں جان دیبے ہیں: فاعتبروا یا اولی الابصار۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایثار و ہمدردی کی ایک مثال :

امام صاحب علیہ الرحمہ ایک مرتبہ اپنے ایک قریبی ساتھی کے ہمراہ کہیں سفر پہ جا رہے تھے۔ اثنائے راہ ایک شخص امام صاحب کو دیکھ کر چھپنے لگا۔ آپ کی نگاہِ مبارک اس چھپنے والے شخص پہ پڑی۔ اس شخص کو اپنے دوست کے ذریعہ طلب فرما کر اس سے دریافت فرمایا کہ تمہارے چھپنے کی وجہ کیا ہے؟ وہ شخص چوں کہ امام صاحب کا مقروض تھا۔ اس نے عرض کیا: حضور آپ کا دس ہزار درہم مجھ پہ قرض ہے جس کو عرصہ دراز ہوگیا اور میں تنگدست ہوں۔ آپ سے شرماتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! تمہاری یہ حالت ہے۔ میں وہ سب کچھ تمہیں بخش دیا اور میں نے اپنے آپ کو اپنے نفس پہ گواہ کیا۔ تو مت چھپ اور مجھے معاف کر اس خوف سے جو میری جانب سے تیرے دل میں واقع ہو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ کہانی بھی بہت مشہور رہی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے کے استاذ کو (جس وقت سورۂ فاتحہ ختم کی) پانچسو یا ایکہزار درہم عطا فرمائی۔ استاذ نے فرمایا میں نے کیا کیا کہ اتنی کثیر رقم آپ مجھے عنایت فرما رہے ہیں۔ امام صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میں آپ سے معذرت طلب کر رہا ہوں اس کے بعد پھر فرمایا کہ میرے لڑکے کو جو آپ نے سکھایا ہے اس کو حقیر نہ جانئے۔ واللہ اگر میرے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو بوجہِ عظمتِ قرآن شریف کے نذر کرتا۔

یہ چند واقعات ایثار و ہمدردی سے لبریز ہو کر ہمیں دعوتِ عمل دے رہے ہیں۔ جب کہ ہمارے دور میں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جو فقط لینا جانتے ہیں دینا نہیں جانتے۔ چناں چہ ایک شخص جانکنی کے عالم میں تھا۔ غربا اور مساکین اس کے یہاں گئے اور سوال کئے کہ بھائی اب تک تو تم نے اس کی راہ کچھ خرچ نہیں کیا اب آخری وقت ہے کچھ خرچ کر جاؤ۔ وہ بڈھا بولتا ہے کہ جان تو دے ہی رہا ہوں اب کیا دوں؟ گویا مر جانا بہتر ہے راہِ خدا میں غربا و مساکین کی اعانت و امداد سے۔ (العیاذ باللہ)

ایثار و ہمدردی ایک ہی جانب سے قائم رہنا بہت مشکل ہے۔ جب تک کہ جانبین سے اسی طرح کا معاملہ نہ ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دے کر باہمی محبت بڑھائیں۔ اس طرح جن کو ہدیہ دیا گیا ان کو یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ تم بھی ہدیہ دینے والے کے احسان کی مکافات کرو۔ اگر مالی وسعت اللہ تعالیٰ عطا فرمائے تو مال سے ورنہ دعا ہی سے اس کی مکافات کرو۔ بے حسی کے ساتھ کسی کے احسانات کا بار سر پہ لیتے رہنا شرافت اور خُلق کے خلاف ہے۔

ایثار و ہمدردی اختلافات و انتشار کی دنیا میں اتفاق و اتحاد کا علمبردار ہے۔ (بقیہ صـ۱۱۵ پر)

دعا اور مقام دعا

مولوی حافظ عبداللہ خان مجاہد

مدرس دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان - ویلور

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین :

ترجمہ :- تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو اور مانگو میں قبول کروں گا۔ اور تم کو دوں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کریں گے ان کو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا۔

دعا کے لفظی معنی پکارنے کے ہیں۔ اور اکثر استعمال کسی حاجت و ضرورت کے لیے پکارنے میں ہوتا ہے۔ کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی کہا جاتا ہے یہ آیت امتِ محمدیہؐ کا خاص اعزاز ہے۔ کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا، اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا۔ اور جو دعا نہ مانگے اس کے لیے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے "کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ خصوصیت انبیاء کی تھی ان کو حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا۔ امتِ محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ تمام امت کے لیے عام کر دیا گیا۔ (ابنِ کثیر)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : الدعاء ھو العبادۃ یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر آپ ؐ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی :- ان الذین یستکبرون عن عبادۃ الخ

(ابنِ کثیر)

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ جملہ ان الدعاء ھو العبادۃ میں عربی قاعدے کے مطابق (قصر المسند علی المسند الیہ) یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ دعا عبادت ہی کا نام ہے یعنی ہر دعا عبادت ہی ہے (قصر المسند الیہ علی المسند کے طور پر یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہر عبادت ہی دعا ہے یہاں دونوں احتمال ہیں اور مراد یہاں . . . . . .

یہ ہے کہ دُعا اور عبادت اگرچہ لفظی مفہوم کے اعتبار سے دونوں جُدا جُدا ہیں مگر مصداق کے اعتبار سے دونوں متحد ہیں۔ کہ ہر دُعا عبادت ہے اور ہر عبادت دُعا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلانا بڑا ہی تذلل کا کام ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنّت اور دنیا و آخرت کی عافیت مانگنا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص میری حمد و ثناء میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی حاجت کے مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے، میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔" اسی طرح ترمذی اور مسلم کی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: من شغله القرآن عن ذكرى مسئلتى اعطيته افضل ما اعطى السائلين۔ یعنی جو شخص تلاوتِ قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجت مانگنے کی بھی اُسے فرصت نہ ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دُعا کا فائدہ ہے۔

مذکورہ آیت میں عبادت اور ذکر اللہ کو دُعا فرمایا ہے اور اسی آیت میں عبادت بمعنی دعا کے ترک کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورتِ استکبار ہے۔ یعنی جو شخص بطورِ استکبار کے اپنے آپ کو دُعا سے مستغنی سمجھ کر چھوڑ دے تو یہ علامتِ کفر ہے اس لیے تارکِ دُعا جہنم کی وعید کا مستحق ہوا۔ فی نفسہ تمام دعائیں فرض و واجب نہیں ہیں۔ ان کے ترک کرنے سے کوئی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا البتہ باجماع علماء مستحب اور افضل ہے۔

اللہ پاک نے کلام مجید میں ترغیب دعا کے ساتھ مختصراً آدابِ دعا کی بھی وضاحت فرمادی ہے جس کی رعایت سے قبولیتِ دعا کی امید زیادہ ہو جاتی ہے۔

چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ادعو ربكم تضرعا وخفيه انه لا يحب المعتدين

لفظ دُعا عربی میں دو معنوں میں مشتمل ہے۔ ایک کسی حاجت روائی کے لیے پکارنے کے معنی ہیں دوسرا مطلق یاد کرنے کے معنی ہیں اور یہاں اس آیت میں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اپنی حاجت صرف اللہ سے مانگو اور دوسری

صورت میں یہ کہ ذکر وعبادت صرف اسی کی کرو۔ یہ دونوں تفسیریں ائمۂ تفسیر سے بھی منقول ہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا تضرعًا وخفیہ

تضرع کے معنے عجز وانکساری اور اظہارِ تذلل کے ہیں اور خفیہ کے معنی پوشیدہ چھپا ہوا۔ ان دونوں لفظوں میں دعا اور ذکر کے لیے دو اہم آداب کا بیان ہے۔ اول یہ کہ قبولیت دعا کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز وانکساری اور تذلل کا اظہار کرکے دعا کرے۔ اس کے الفاظ بھی عجز وانکساری کے مناسب ہوں، ہیئت اور لب ولہجہ بھی تواضع وانکسار کا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آجکل عوام جس انداز میں دعا مانگتی ہے اس کو دعا مانگنا نہیں بلکہ پڑھنا کہنا چاہیئے۔ کیوں کہ اکثر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہم جو کلمات زبان سے بول رہے ہیں۔ ان کا مطلب کیا ہے۔ صرف عربی زبان کے دعائیہ کلمات ادا کرلنے کو دعا مانگنا نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ یہ طریقہ دعا مانگنے کی حقیقت سے یکسر خالی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل ورحمت سے ان بے جان کلمات ہی کو قبول فرماکر قبولیت دعا کے آثار پیدا فرمادیں۔ مگر اپنی طرف سے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دعا پڑھی نہیں جاتی بلکہ مانگی جاتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مانگنے کے ڈھنگ سے مانگا جائے۔

دوسرے لفظ میں دوسری ھدایت یہ دی گئی کہ دعا کا خفیہ اور آہستہ مانگنا قرین قبول ہے۔ کیوں کہ بآواز بلند دعا مانگنے میں اوّل تواضع وانکسار باقی رہنا مشکل ہے دوم اس میں ریا وشہرت کا خطرہ بھی ہے۔ سوم اس کی صورتِ عمل ایسی ہے کہ گویا یہ شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ سمیع وعلیم ہیں۔ ہمارے ظاہر وباطن کو یکساں جانتے ہیں۔ ہر بات خفیہ ہو یا جہر اس کو سنتے ہیں، اسی لیے غزوۂ خیبر کے موقع پر صحابۂ کرامؓ کی آواز بلند ہوگئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو جو اتنی بلند آواز سے کہتے ہو۔ بلکہ ایک سمیع وقریب تمہارا مخاطب ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ خود اللہ جل شانہٗ نے ایک مرد صالح کی دعا کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیَّۃً : یعنی جب انھوں نے ربّ کو پکارا تو آہستہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو دعا کی یہ کیفیت پسند ہے کہ پست آواز، آہستہ آواز سے دعا مانگی جائے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اعلانیہ اور جہرًا دعا کرنے میں اور آہستہ پست آواز سے

کرنے سے میں ستّر درجہ فضیلت کا فرق ہے۔ سلف صالحین کی عادت یہ تھی کہ ذکر و دعا میں بڑا مجاہدہ کرتے اور اکثر اوقات مشغول رہتے مگر کوئی ان کی آواز نہ سنتا تھا۔ بلکہ ان کی دُعائیں صرف اُن کے اور اُن کے ربّ کے درمیان رہتی تھیں۔ پھر فرماتے ہیں: ہم نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ تمام عبادات جن کو پوشیدہ کرکے ادا کر سکتے تھے کبھی نہیں دیکھا گیا کہ اس کو ظاہر کرکے ادا کرتے ہوں اُن کی آوازیں دُعاؤں میں نہایت پست ہوتی تھیں۔

عبادت کی جو حقیقت ہے یعنی اللہ کے حضور میں خضوع و تذلّل اور اپنی بندگی و محتاجی کا مظاہرہ کرنا بالکل یہی حقیقت دُعا کی بھی ہے۔ چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔ (ترمذی)

جب یہ معلوم ہو چکا کہ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور انسان کی تخلیق کا اصل مقصد عبادت ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہو جاتی ہے کہ انسانوں کے اعمال و احوال میں دُعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے میں سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

چناں چہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اللہ کے یہاں کوئی چیز اور عمل دُعا سے زیادہ عزیز نہیں۔ (ترمذی)

آج بہت سے دعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب دُعا اور اس کی قبولیت برحق ہے اور دُعا کرنے والوں کے لیے اللہ کا وعدہ ہے: ادعونی استجب لکم (تم دُعا کرو میں قبول کروں گا) تو پھر ہماری دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں۔ درجِ ذیل حدیث میں اس کا پورا جواب ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مومن بندوں کو دیا ہے۔ پیغمبروں کے لیے اس کا ارشاد ہے۔ ”اے رسولو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح، میں خوب جانتا ہوں تمہارے اعمال“۔ اور اہلِ ایمان کو مخاطب کرکے اس نے فرمایا ہے کہ: ”اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے

ذکر فرمایا: ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم پہ کپڑوں پہ گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے "اے میرے رب! اے میرے پروردگار!" اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس بھی حرام ہے اور حرام کی غذا سے اس کی نشو و نما ہوی ہے تو اس آدمی کی دُعا کیسے قبول ہوگی۔ (مسلم)

بہت سے لوگ ناواقفیت سے دُعا کا یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے اُسے وہ مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔

بندے کا علم بہت ناقص ہے۔ بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے بہت سے بندے ہیں جن کے لیے حکومت اور اقتدار قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے اور حجاج اور زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لیے حکومتی اقتدار، اعلیٰ عہدے اور مناصب خدا سے دُوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور بہت سے بندے ہیں جن کے لیے دولت مندی ایک نعمت اور بہت سے بندے ہیں جن کے لیے دولت فتنہ ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لیے بہتر ہے۔ اور کیا میرے لیے فتنہ اور زہر ہے۔ بسا اوقات وہ ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لیے بہتر نہیں ہیں یا اس کا عطا کرنا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے، یہ بات اس کے علم و حکمت کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے اس کو ضرور عطا فرما دے۔ دوسری طرف اس کی رحیمی و کریمی کا تقاضہ ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور ہاتھ پھیلائے اور دُعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دُعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا۔ کبھی تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو دُعا میں اُس نے مانگا ہے اور کبھی اس کی دُعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اور اس طرح اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دُعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی تو اللہ تعالےٰ اس دُعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہرحال دُعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دُعا رائیگاں نہیں جاتی۔ اور دُعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالےٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نوازتا ہے۔

(بقیہ صـ 126 پر)

علمائے دین مختلف طبقوں میں

مولوی سید ریاض الدین لالوری، مدرس دار العلوم لطیفیہ، حضرت مکان ویلور

اسلام نے علم پر جس قدر زور دیا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے تمام طبقوں اور حلقوں میں علم ہمیشہ سے پھلتا پھولتا رہا ہے۔ جو قومیں اور نسلیں اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئیں وہ علم کے فیض سے بھی پوری طرح فیض یاب ہوئیں۔

چرواہوں نے چراگاہوں کو حکمت و معرفت کا مدرسہ بنا دیا۔ کاشت کاروں نے زمین پر علم و فضل کی کاشت کاری کا کاروبار جاری کیا۔ کارخانہ داروں اور فیکٹری والوں نے اپنے اور اپنے متعلقین کو علمِ دین کے سانچے میں ڈھال دیا۔ مزدوروں نے محنت مزدوری کے ساتھ ساتھ علم کے بارے میں ہمیشہ مخدومی کا شرف حاصل کیا۔ صناعوں اور کاری گروں نے صنعت و حرفت اور دست کاری و فن کے جھمیلوں کو قال و قال الرسول کے نغموں سے معمور کر دیا۔ تاجروں نے اپنے بازار کی دوکانوں کو علم دین کی نشرگاہ بنا لیا۔

غرض کے مسلمانوں نے کوئی پیشہ کیا، کوئی روزگار کیا، کوئی تجارت کی، کوئی دست کاری کی مگر وہ علم دین سے ایک دن بھی الگ نہ ہوئے۔ اور اپنے کاروبار کے ساتھ ساتھ علمی کاروبار میں برابر مشغول رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی سے ثابت کر دیا کہ ایک مسلمان سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور علم دین اور کاروبار میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور جہاں تک دین کے بنیادی اصولوں اور عبادات و اعمال کا تعلق ہے وہ ہر مسلمان کی زندگی کا جز ہے

ہم اس مضمون میں چند پیشوں کے ان علمائے دین کے نام اور مختصر حالات پیش کرتے ہیں جن کی ذات پر اور جن کے علم پر قیامت تک اسلام اور علوم اسلام کو ناز رہے گا۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اسلام میں رزقِ حلال کے لیے حلال پیشہ کرنا انسانی تفریق کا باعث نہیں ہے۔

اور کسی کا کوئی صنعت و حرفت کرنا اس کے لیے کوئی اصطلاحی قومیت پیدا نہیں کرتا۔ اسلام میں پیشہ کی حقیقت وسیلۂ رزق سے زیادہ نہیں ہے۔ چاہے وہ کسی خاندان میں زمانۂ دراز سے ہو، چاہے چند دنوں سے۔

کسانوں میں علم :

عہدِ رسالت ہی میں کھیتی باڑی اور باغ باغیچے اسلامی مدراس بن گئے تھے اور ان میں کام کرنے والے اور ان کے مالک اپنے ذاتی کام کے ساتھ اپنا علمی کام بھی کیا کرتے تھے۔ گویا انھوں نے اپنی جائداد اور زمین کی وراثت کے ساتھ علم دین کی وراثت و کاشت کا بھی ذمّہ لے لیا تھا۔ مدینہ میں صحابۂ کرامؓ جس شان سے کھیتی باڑی کرتے تھے اسی شان سے تعلیمی کام بھی کیا کرتے تھے۔ اور جن حضرات نے ایسی ترکیب نکالی کہ نہ کھیتی باڑی کے کام میں رکاوٹ ہو اور نہ دینی تعلیم میں حرج ہو۔ انھوں نے اپنے کچھ ایسے آدمی مقرّر کئے جو باری باری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور وہاں سے واپس آکر آپؐ کی حدیثیں بیان کردیتے۔ اس طرح ہر آدمی کو بارگاہِ رسالتؐ میں باری باری سے شرفِ بازیابی کا موقعہ بھی ملتا اور کھیتی باڑی کا کام بھی نہ رُکتا اور پھر مذہبی تعلیم میں بھی کسی قسم کی کوتاہی نہ ہوتی۔ حضرت براءؓ ہی کی روایت ہے کہ

”ہم میں تمام لوگ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث براہِ راست آپؐ سے نہیں سنتے تھے، کیوں کہ ہمارے پاس زمین اور جائداد اور دوسرے کام رہا کرتے تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ اس وقت لوگ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور بارگاہِ رسالتؐ کے حاضر باش غائب کو حدیث پہونچایا کرتے تھے۔“

اس تصریح سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اسلام نے کس سادگی اور کس آسانی سے علمِ دین کو مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا اور وہ اپنے کھیتوں کی طرح اپنے علم کی بھی آبیاری میں رات دن لگے رہتے تھے اور جس طرح ان کے کھیت ہرے بھرے اور سرسبز ہوا کرتے تھے اسی طرح اُن کے علم کی کھیتی ان کے دِلوں میں سدابہار رہا کرتی تھی۔

کارخانہ داروں میں علم

جو مسلمان خاندان بڑی بڑی فیکٹریوں اور کارخانوں کے مالک ہوتے تھے اور جن کے یہاں سالانہ لاکھوں کروڑوں کا وارے نیارے ہوتا تھا صدہا آدمی کاروبار کرتے تھے۔ وہ خاندان جس طرح اپنی صنعت میں نسلاً بعد نسل روایت رکھتے تھے اسی طرح دینی علوم و فنون میں بھی اُن کی شہرت تھی اور دنیا ان کا لوہا مانتی تھی۔ چناں چہ پانچویں صدی ہجری کے لگ بھگ شہر ”مرو“ میں ایک علمی خاندان ”دیوکش“ کے نام سے مشہور

تھا۔ اس خاندان میں ریشم کے کیڑوں کی پرورش کرکے اس سے خام ریشم تیار کیا جاتا تھا۔ اور مرد شہر اور اس کے باہر جاتا تھا۔ یہ خاندان بہت بڑا اور علمی خاندان تھا۔

ان کو دیوکش اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگ ریشم کا کاروبار کرتے ہیں اور ریشم کے کیڑوں کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالتے ہیں۔ عجمی زبان میں "دیو" کیڑوں کو کہتے ہیں۔ اس گھرانے کے مشہور علماء میں ابو محمّد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیوکش ہیں۔ آپ بہت بڑے فقیہہ اور عالم و نیک تھے۔ آپ کے اخلاق بہت عمدہ تھے۔

گوشت کا کاروبار کرنے والوں میں علم

حلال جانوروں کو ذبح کرکے ان کا گوشت فروخت کرنے والے حضرات قصّاب کہے جاتے ہیں۔ ان حضرات میں بھی بے شمار علمائے اسعام پیدا ہوئے۔ اور انھوں نے علم دین کو دنیا میں پہنچایا۔ چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں:۔

حسن بن عبداللہ قصّاب آپ نے حضرت نافع سے روایت کی ہے اور تابعی ہیں۔

ابو عبداللہ حبیب بن ابی عمرۃ قصّاب آپ علمائے کوفہ سے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت کی ہے آپ سے امام سفیان ثوری نے روایت کی ہے۔ آپ نے سنہ ۱۴۲ھ میں وفات پائی۔

ابو رافع ابن قصاب: آپ شیخِ وقت ہیں۔ ہرات کے باہر محلۂ فیروزآباد میں رہتے تھے۔ ابو عبداللہ محمد بن علی سے روایت کی ہے۔

ابو جناب عباد بن ابی عون قصّاب مصری۔ آپ سے قتادہ، زرارہ بن ابی ادنی سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے اہل بصرہ نے روایت کی ہے۔

ان تمام حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اسلامی علوم و فنون کی ترویج و ترقی کی کس قدر کوشش فرمائی ہے۔ اور انھوں نے مسلمان رہنے کے لیے علم دین کو کس قدر ضروری قرار دیا ہے۔

کپڑا سینے والوں میں علم

جو لوگ کپڑے کی سلائی کا کام کرتے ہیں ان کو خیّاط کہا جاتا ہے۔ اسلام میں دوسرے کاروبار کرنے والوں کی طرح درزی حضرات میں بے شمار ارباب علم و فضل، محدّث و فقیہ اور امام گزرے ہیں۔ جنھوں نے جسمِ انسانی کے لیے علم و فضل کی قبائیں سی ہیں اور ظلم و جہالت کی عریانیت کو ختم کرکے انسان کے جسم کو علم و فضل و تقویٰ کی

پوشاک دی ہے۔ درحقیقت لباس تقویٰ کی خیاطی ہیں ان بزرگوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ ان حضرات میں بہت زیادہ علمائے دین پیدا ہوئے ہیں۔ چند نام یہ ہیں:

ابوعبداللہ صالح بن راشد خیاط: آپ اہلِ بصرہ سے ہیں۔ حضرت حسن بصری، حضرت مالک بن دینار وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے ان سے حرمیؔ بن عمارۃ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابوسلمان خیاط حجازی: آپ تابعی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے زید بن عیاض بن جندہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابوغالب نافع خیاط: آپ بھی تابعی ہیں۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث کی روایت کی ہے۔

سالم خیاط: آپ نے زید بن وھب اور ابراھیم نخعی سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے عبداللہ بن عون نے روایت کی ہے۔

ابوالحسن علی بن محمد بن عیسیٰ خیاط: آپ مصر کے رہنے والے ہیں ابن العسریؒ کے لقب سے مشہور ہیں۔

محمد بن میمون خیاط مکی: آپ نے سفیان بن عینیۃ، ابوسعید وغیرہ سے روایت کی ہے آپ سے ابوالحسن ساجی۔ یحییٰ بن صاعد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

علامہ سمعانی نے ان کے علاوہ بھی بیسیوں علمائے دین کا تذکرہ کیا ہے۔ جو خیاطی اور کپڑے کی سلائی کا کام کرتے تھے اور آپ نے لکھا ہے

"اور ہمارے شیوخ اور اساتذہ کی ایک بڑی جماعت سلائی کا کام کرتی ہے"۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ درزی حضرات نے علوم اسلامیہ میں کمال حاصل کیا اور علمائے دین کی صف میں ان کا کیا مقام ہے۔

لوہاروں میں علم

اس طرح لوہاروں نے بھی علم دین کو حاصل کرکے دین زندگی کے سخت مرحلوں میں اپنی فولادی قوتوں کو اور سخت جانیوں سے پتھر کو موم بنایا ہے۔ اور لوہے تپانے والی بھٹی میں کام کرنے والے مسلمانوں نے علم کی محفل میں بیٹھ کر اپنی روح کو اس طرح جِلا بخشی ہے کہ اس نے اخلاق و دیانت اور ایمان و روحانیت کے قالب کو قبول کیا۔ ایسے علمائے دین حدّاد کے لقب سے مشہور ہیں۔

”حدّاد کی نسبت لوہے کی خرید و فروخت اور لوہے کا کام کرنے کی طرف ہے۔ اس نام سے اہلِ علم کی ایک جماعت مشہور رہی ہے۔ کیوں کہ ان علماء کے باپ دادا میں کوئی نہ کوئی لوہے کی چیزوں کا کاروبار کرتا تھا۔“ (کتاب الانساب)

ان میں سے چند مشہور حضرات یہ ہیں :-

ابوبکر محمد بن احمد بن جعفر کتابی حدّاد :- آپ شافعی مذہب کے بہت بڑے امام اور فقیہ تھے۔ مصر کے قاضی تھے۔ فقہ شافعی کے فروعات پر خوب عبور تھا۔ آپ نے ۳۴۴ سنہ ہجری میں انتقال فرمایا۔

حسن بن یعقوب بن صوفی حدّاد :- آپ نیشاپور کے رہنے والے بہت بڑے باخدا بزرگ تھے ”حسن صوفی پرہیزگار بزرگ ہیں۔ اور ان کی خانقاہ اور مکان میں زاہدوں اور صوفیوں کا مجمع لگا رہتا ہے۔“ آپ رجب ۳۳۶ سنہ ہجری میں فوت ہوئے۔ (کتاب الانساب)

ابوحفص حدّاد :- آپ بھی نیشاپور کے صوفیائے کرام میں ہیں۔ آپ کا نام عمرو ہے۔ آپ علم و تقویٰ میں خراسان کے معدودے چند لوگوں میں سے ایک تھے۔ ۲۵۴ سنہ ھ میں نیشاپور میں فوت ہوئے۔

ابوالمقدّم ثابت بن ہرمن حدّاد :- آپ نے حضرت سعید بن مسیب رض، حضرت زید بن وہب اور حضرت سعید بن جبیر سے حدیث حاصل کی۔ آپ سے آپ کے لڑکے عمرو بن ثابت اور حضرت امام ثوری اور حکم نے روایت کی۔

احمد بن سندی ابن حسن حدّاد :- آپ ہمارے ہندوستان کے رہنے والے لوہار تھے سندھ آبائی وطن تھا۔ بغداد میں رہتے تھے۔ آپ بہت بڑے باخدا بزرگ اور محدّث تھے۔ آپ نے فریابی، اور محمد بن غباس مؤدب وغیرہ سے علم حاصل کیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے علمائ فقہاء محدثین سے اور دوسرے علوم اسلامیہ کے ماہر بھی حدّاد گزرے ہیں۔

تیل کا کاروبار کرنے والوں میں علم

جو حضرات تیل اور روغن بیچتے تھے اُن کو دھقان کہا جاتا ہے۔ اس طبقہ میں بے شمار علماء و فضلاء اور کبار ائمّت گزرے ہیں۔ چند مشہور حضرات کے نام ذیل میں درج ہیں :-

ابوالازہر صالح بن درہم دہّان : آپ علمائے بصرہ سے ہیں۔ آپ نے علمائے عراق سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اور آپ سے شعبہ بن حجاج نے روایت کی ہے۔

ابوعلی محمد بن حمزہ بن احمد بن جعفر بن حرب دہّان : آپ علمائے بغداد سے ہیں۔ ابوبکر علی کوفی وغیرہ سے روایت کی ہے۔ اور آپ سے ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی نے روایت کی ہے۔ اور تاریخ بغداد میں آپ کا حال لکھا ہے۔ سنہ ۳۳۳ھ میں فوت ہوئے۔

ابواحمد بن محمد بن عبداللہ بن احمد بن قاسم بن جامع دہّان :- آپ اہلِ بغداد سے ہیں۔ آپ نہایت بزرگ، صالح، ثقہ تھے۔ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب میں بہت حریص تھے۔

آپ نے ابورجا، محمد بن حمدویہ سخی، احمد بن علی بن جو علا جوزجانی، قاضی ابوعبداللہ حسین بن اسماعیل محاملی، محمد بن مخلد عطار اور حسین بن یحییٰ بن عیّاش قطّان وغیرہ سے روایت کی ہے اور آپ سے ابوبکر برقانی، ابوالقاسم ازہری، ابوالفضل بن داؤد ہاشمی، حسن بن محمد بن عمر نوسی، ابوالحسین محمد علی بن علی بن مہندی باللہ ہاشمی نے روایت کی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے علمائے دین ایسے گزرے ہیں جو روغن فروشی کرتے تھے اور ان کے تیل کے بڑے بڑے کارخانے چلتے تھے۔ بڑی بڑی دکانیں تھیں اور ساتھ ہی علم و فضل کی ہماہمی بھی ان کے یہاں رہا کرتی تھی۔

اسلام کا یہ علمی معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مختلف شہروں میں روغن فروشی کر کے اپنی روزی تلاش کرنے والے بھی جب اسلامی علوم وفنون کی مسند پر جلوہ گر ہوئے تو امامت و سیادت کے مرتبے کو پہنچ گئے اور قرآن و حدیث کی امانت کے محافظ و ضامن بنے

آج کی حکومتیں دیہاتوں میں معمولی تعلیم پھیلانے کے لیے کوشش کرتی ہیں۔ اور ناکام ہوتی ہیں۔ مگر اسلام نے دیہاتوں اور کھیتوں سے گزر کر صحراؤں اور جنگلوں میں علم کی بساط بچھائی اور ان کو دارالعلوم بنایا۔

یہ چند مثالیں ہیں جو اس بارے میں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ مسلمانوں کے یہاں علمِ دین کا کیا اہتمام تھا اور وہ اپنی زندگی کے لیے اسے کتنا ضروری سمجھتے تھے اور علم کو زندگی کا جزو لاینفک گردانتے تھے۔ ••

معجزاتِ قرآنِ حکیم

حضرت مولانا مولوی
ابوالحسن صدرالدین
سید شاہ محمدؐ طاہر قادری
علیہ الرحمہ
سابق ناظم دارالعلوم
لطیفیہ۔ ویلور۔

ذیل کا یہ مضمون حضرت مولانا صدرالدین سید شاہ محمدؐ طاہر قادری علیہ الرحمہ سابق ناظم دارالعلوم لطیفیہ کی نوکِ قلم سے نکلا تھا جو پچیس ۲۵ سال پہلے "اللطیف" سنہ 1967ء میں شائع ہوا۔ یہ دُرِّ نایاب قارئین کرام کی نذر ہے۔

ادارہ

نقوشِ طاہر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے بے شمار ولاتعداد کرشموں میں سے قرآنِ حکیم ایک زندہ معجزہ ہے۔ اس کی خوشبو ساری دنیا کو معطر کر چکی ہے۔ جو بھی اس آبِ حیات سے سیراب ہوا، مست وسرشار رہا۔ اس کی شیریں کلامی اور مؤثر کلمات نے ایک عالم کو محوِ عالم بنا دیا اور اپنے دامنِ پناہ میں لیا اور بندہ کو حق سے ہم کلامی کا شرف بخشا۔

اسی شیریں کلامی کا ہی اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھٹ کھٹایا اور مشرف باسلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ابتدا میں اسلام لانے سے پہلے آپ راصل دشمنِ اسلام تھے۔ ایک روز ننگی تلوار لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام (نعوذ باللہ من ذالک) تمام کرنے کے ناپاک ارادوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ سے معلوم ہوا کہ خود اُن کی بہن اور بہنوائی اسلام لا چکے ہیں۔ تو سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، جب آپکی آمد کی خبر ہوئی تو

تو قرآن کا پڑھنا بند کر دیا۔ آپ گھر میں داخل ہو کر بہن اور بہنوائی کو خوب مارا اور جب انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں اب تمہاری کوئی سختی ہمیں اس راہ سے ہٹا نہیں سکتی تو اُن کے اس مصمم ارادے کو دیکھ کر آپ متاثر ہوئے اور قرآن مجید سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ جب قرآن کے اجزا آپ کے سامنے رکھے گئے تو پڑھ کر اثر ہوا کہ خود پکار اٹھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور سیدھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ اور وہاں پہنچ کر درواز کھٹ کھٹایا۔ جب اندر آنے کی اجازت ملی تو اسلام سے مشرف ہونے کا معروضہ پیش کیا جو شرف قبولیت سے نوازا گیا۔

قرآن حکیم کا ہی معجزہ تھا کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹا ہوا جُڑ گیا۔ اس زمانہ میں عرب کا یہ دستور تھا کہ جو شخص چوری کرتا اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ چوری ہی کے جرم میں ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اور وہ چور اسی پر درد سے بے تاب و بے قرار تھا۔ اتفاقاً حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا گذر اُدھر سے ہوا۔ اور آپ اس کا حال دریافت فرمایا اور اس کی معذرت پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا آپ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ یہ آسان نسخہ حاصل ہوا ہے سمجھ کر پھر چوری نہ کرنا۔ مگر وہ شخص دوبارہ چوری کیا اور ہاتھ کاٹ دیا گیا کسی ایک مرتبہ خود سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا مگر ہاتھ نہ جڑا۔ وہ اثر اور تاثیر کہاں آ سکتی تھی۔ ایک اور مرتبہ آپ کی خدمت میں بہت ہی ندامت و شرمندگی سے حاضر ہوا اور بعدِ معذرت اور صدقِ دلی سے تائب ہو کر وعدہ کرنے پر پھر آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کے ہاتھ پر دم کیا اور ہاتھ جُڑ گیا۔

صاحبِ "تذکرۃ الاولیاء" ایک بزرگ کے حالات میں رقم طراز ہیں کہ ایک روز اتفاقاً اُن بزرگ کے ہاتھ سے قرآنِ مجید چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد جب کہ ایک روز آپ کسی ضرورت کے تحت بازار سے گزر رہے تھے، تو پولیس جو کسی چور کی تلاش میں اُدھر سے آ رہی تھی آپ کو گرفتار کر لی اور آپ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ آپ نے اس سزا کی پاداش پر جائزہ لیا تو آپ کو دفعتاً خیال آیا کہ فلاں روز آپ کے ہاتھ سے قرآن مجید چھوٹ کر گر گیا تھا جس کی بے ادبی کی جرم میں یہ سزا بجا طور پر ملی تھی۔

قرأت کے پڑھنے کے کئی اقسام ہیں لیکن سات قسم کی قرأت نہایت ہی مشہور ہے۔ جب کوئی خوش الحان قاری لحنِ داؤدی سے قرأت پڑھتا ہے تو سننے والے مسلمان ہوں یا غیر مسلم سب کے سب مست ہو کر جھومنے لگ جاتے ہیں۔ اور کلام اللہ کا ایک ایک لفظ دل پر اثر کر جاتا ہے۔

اسی طرح ایک آیت کے کئی معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت سرکارِ غوثِ پاک رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ آپ ایک آیت کے چھ سے لے کر ساٹھ معنی بیان فرمائے ہیں۔ یہ صرف اہل اللہ بزرگوں

کا کام ہے ورنہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ راز اور پوشیدہ باتیں کتابوں اور صحیفوں سے نہیں بلکہ اللہ والوں کے منہ سے حاصل کریں۔

"انوار الاذکیار" کے دیباچہ میں تحریر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کے منہ سے لے کر سینے تک کوئی بیماری نہیں آتی۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے اور قرآنِ حکیم کا زندہ معجزہ ہے۔ کہ اس میں ہر مرض کی شفاء ہے۔ آیاتِ شفا جب مختلف امراض پر پڑھ کر دَم کئے جاتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالےٰ ان کی برکت سے شفاء عطا فرماتا ہے اور لاعلاجوں کو بھی صحّت حاصل ہوتی ہے۔ نظرِ بد، جادو، سحر، سانپ اور بچھّو کے کاٹے کے لیے بھی اکسیرِ اعظم ہیں۔ اہلِ بصیرت کے لیے ہر مرض کا علاج اس میں موجود ہے۔

قرآن مجید کا ایک اور زندہ معجزہ ملاحظہ فرمائیے۔ ولوانشا میں ایک چھوٹی سی آیت ہے جو تلوار پر پڑھ کر دم کرنے سے تلوار کند ہو جاتی ہے۔ ضلع ورنگل ریاست حیدرآباد میں موضع عُرس مشہور ہے۔ آیت مذکور کے ذریعہ وہاں تاب تلّی کا علاج بآسانی ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی صبح طلوعِ آفتاب کے وقت مریض کو لِٹا دیا جاتا ہے۔ اس آیتِ خاص کو پڑھ کر تلوار پر دم کرنے سے تلوار کند ہو جاتی ہے بعد ازاں اس ننگی تلوار کو اس کے پیٹ پر مارتے ہوئے مخصوص آیت تین منٹ پڑھ کر دم کی جاتی ہے۔ یہ پورا علاج جملہ نو منٹ کا تین جمعہ تک ہوتا ہے۔ اختتام پر بفضلہ تعالےٰ مریض کو مکمل صحت حاصل ہوتی ہے اور بالکلیہ مرض دفع ہوتا ہے۔ جناب سیّد شاہ قادر محی الدین صاحب قادری جانشین حضرت مولوی ابو صالح سیّد شاہ احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیردار عُرس، ورنگل اور جناب ڈاکٹر سید حسن محی الدین صاحب قادری اپنے آبائی فیض کو جاری رکھے ہوئے خدمتِ خلق انجام دے رہے ہیں۔ اطراف و اکناف دور اور نزدیک سے اس علاقہ کے اکثر لوگ اپنی حاجت روائی کے لیے ان کی حضرات کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنی مُراد حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ فیضِ عام و خاص خالصتاً لوجہ اللہ ہوتا ہے۔ یہ مظاہرہ قابلِ دید مشاہدہ ہے۔

قرآنِ حکیم کا ہی یہ معجزہ ہے کہ دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں انسان، مرد، عورت، بچے اور بڈھے تمام برابر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر حصہ میں روزانہ اس کی تلاوت ہوتی ہے۔ لیکن روزِ جمعہ تو اور زیادہ ہوتی ہے۔ خاص کر ماہ رمضان المبارک میں تو کثرت سے لوگ اس کو پڑھتے ہیں۔ تراویح کی نماز کے لیے دنیا کے مختلف ممالک کی مساجد میں جہاں حفّاظ کا انتظام ہوتا ہے تو اس ایک ماہ میں وہاں لاکھوں

قرآن ختم کیئے جاتے ہیں۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بھی اس کے زیر یا زبر میں کوئی فرق نہیں آیا اور لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے سینوں میں یہ کلام اللہ محفوظ چلا آرہا ہے۔ یہ خود ایک معجزہ اور زندہ جاوید کارنامہ ہے کہ اتنی بڑی اور ضخیم کتاب ہونے کے باوجود آسانی سے حفظ کی جاتی ہے اور سنائی جاتی ہے۔ حافظ قرآن کا خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور اس کی کئی پشتوں کی بخشائش ہوتی ہے۔

دنیا کی کوئی کتاب شاید اس طرح سینوں میں محفوظ نہ ہو، اور نہ ہی پڑھی جاتی ہو۔ یہ تمام خوبیاں اور خصوصیتیں صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہیں۔ دنیا کی مختلف اور بے شمار زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور اس پہ کثیر تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ اکثر مشہور و معروف تفاسیر دنیا کے ہر چھوٹے اور بڑے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کلام میں تمام مسائل سیاسی، مذہبی، معاشی اور وراثتی صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ یہ زرین اصول ہر مقام اور ہر زمان کے لیے صادق آتے ہیں۔ اللہ کے اس کلام پاک کو پڑھ کر اکثر غیر مسلم اس تاثیر اور اثر سے مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے یہ ایک معجزہ ہے اور جس میں ہر عقل اور سمجھ رکھنے والے انسان کی رہنمائی ہوتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے بھی معجزے عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہی ہے اور قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو دائمی ہے۔ دوسرے معجزات وقتی تھے اور وہ ختم ہو گئے لیکن یہ معجزہ قیامت تک رہے گا اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالےٰ کو خواب میں ہزار مرتبہ دیکھا اور ہر بار یہی دریافت فرمایا کہ اے اللہ تیرا قرب کس چیز سے حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے جو میرا کلام ہے۔ پھر آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ قرآن مجید کی تلاوت دیکھ کر ہو یا بے سمجھے۔ باری تعالےٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا چاہے قرآن کی تلاوت سمجھ کر ہو یا بے سمجھے دونوں طرح کی تلاوت قرب الٰہی کا سبب ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جن کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ بہ سلسلہ تلاوت قرآن مجید کی اجازت حاصل ہوئی ہو۔ اس اجازت نامہ کا اثر اور تاثیر ہی کچھ اور ہوتی ہے انوار الٰہی ظاہر ہونے لگتے ہیں اور تلاوت میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔

پیغمبر آخر الزماں کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے دنیا میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی آسمانی

کتاب ہے جو تحریف سے محفوظ ہے۔ جس میں آج تک ایک نقطے اور شوشے کا بھی فرق نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے۔ قرآن مجید کی صحّت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سینکڑوں ممالک میں جن کی مادری زبانیں مختلف ہیں پڑھا جاتا ہے۔ اور کسی جگہ بھی قرآن مجید کی اصل عبارت میں ذرّہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔ یہ خصوصیت صرف دنیا میں قرآنِ مجید ہی کو حاصل ہے۔ جس کی مثال آفرینش عالم سے لے کر آج تک مفقود ہے اور اگر اسے قرآن مجید کا زندہ اور ناقابلِ تردید معجزہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

اللہ جلّ شانہٗ اپنے کلام پاک اور معجزاتِ قرآنِ حکیم کی برکت سے اُس کے تمام پڑھنے والوں کو آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے۔ اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت پر اپنے انوارِ رحمت کی بارش برسائے اور اُن کے تمام مقاصدِ دینی و دنیوی میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بقیہ مضمون "جادۂ اعتدال" ص 209 سے آگے:

ہٹا دیں، تب بھی گمرہی یا قرآن و حدیث کے ظواہر پہ عمل کرتے ہوئے اولیاء اللہ کی توہین کریں تب بھی گمرہی لازم۔ اب رہ گئی ایک "جادۂ اعتدال" جو ہم کو منزل مقصود پہنچا سکتی ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ طریق حق کمی زیادتی کرنے کو نصیب نہیں ہوتا۔ اعتدال پسند کو ہوتا ہے۔

خدا ہم سب کو جادۂ اعتدال پہ چلنے کی توفیق دے ۔ آمین ثم آمین۔

وما علینا الا البلاغ ••

بقیہ حصۂ مضمون "ایثار و ہمدردی" ص ۱۰۳ سے آگے:

اخوت و مساوات کا سبب ہے۔ اللہ تک پہنچنے کے لیے بہترین یار و مددگار ہے۔ اللہ ہمیں اور سارے جہاں کے مسلمانوں کو یہ سعادت نصیب فرمائے آمین !! سہ

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیان ہوا آغازِ باب ہے۔

وما علینا الا البلاغ

فتویٰ

مجددِ جنوب حضرت قطبِ ویلور رح

ذیل کا فتویٰ مجددِ جنوب حضرت قطبِ ویلور رح قدس سرہٗ نے سلطان حسین صاحب خلف اکرام الدولہ بہادر کے استفسار پر تحریر فرمایا تھا جس میں مفتیٔ موصوف قدس سرہٗ نے علمی وعرفانی انداز میں اس حقیقت کی تشریح فرمائی ہے کہ دنیا جہاں کی ساری نعمتیں اور برکتیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہیں۔ فارسی متن کے ساتھ ھدیۂ ناظرین ھے

مترجم ابو النعمان قادری غفرلہٗ

مسئلہ تقسیمِ رزق بواسطۂ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

بعد الحمد والصلوۃ وتبلیغ السلام و الدعواۃ ظاہر خاطر شریف آں کہ از مسئلہ تقسیم رزق بواسطۂ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم استفسار رفتہ بود،؟

سعادت آثار!

ذکرِ تقسیم رزق چیست بلکہ افاضۂ جمیع حوائج عالم بواسطۂ سرور عالمؐ است پس حکم مورث چہ خواہد بود ؏

قیاس کن زِ گلستان من بہار مرا

قیصری قدس سرّہ، در فصلِ تاسع مقدمہ مقدمہ شرحِ فصوص می فرماید ولایتصور ہذہ الربوبیۃ مطلقۃ الّا باعطاء کل ذی حقٍ حقہ وافاضۃ جمیع مایحتاج الیہ العالم و ہذا المعنی لایمکن اِلا بالقدرۃ التامۃِ والصفات الالٰہیۃ جمیعہا فلہ کل الاسماء یتصرف بہا فی العالم حسب استعداداتہم ولما کانت ہذہ الحقیقۃ ای الحقیقۃ

حمد وصلوۃ اور سلام ودعا کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ آپ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ اور وسیلہ سے رزق کی تقسیم کا مسئلہ دریافت کیا تھا۔

سعادت آثار!

صرف رزق کی تقسیم اور توزیع کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ عالم کی ساری ضروریات اور حوائج کی تکمیل اور افاضۂ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہے بلکہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین کے واسطہ سے ہے اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وراثتِ نبویؐ کے حاملین کا مقام کیا ہوگا؟

"میرے گلستاں سے میری بہار کا اندازہ کیجیے"

علامہ قیصری قدس سرہٗ "مقدمۂ شرح فصوص" کی نویں فصل میں فرماتے ہیں:

اور اس ربوبیت مطلقہ کا تصور ہر صاحبِ حق کو اس کا حق پہنچانے اور ان تمام چیزوں کا افاضہ کرنے کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ جس کی طرف سارا عالم محتاج ہوتا ہے اور یہ بات مکمل قدرت اور جمیع صفاتِ الٰہیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی واسطے

الانسان مشتملۃ علی الجہتین الالٰہیہ والعبودیۃ لاتصح لہا ذالک اصالۃً بل تبعیۃ وہی الخلافۃ فلہا الاحیاء والاماتۃ واللطف والقہر والرضا والسخط وجمیع الصفات لتتصرف فی العالم وفی نفسہا وبشریتہا ۔ ایضاً : لانہا منہ وبکاہ علیہ السلام وضجرہ وضیق صدرہ لاینا فی ما ذکر فانہ لبعض مقتضیات ذاتہ ولا یعزب عن علم مثقال ذرۃٍ فی الارض ولا فی السمآء من حیث مرتبتہ وان کان یقول انتم اعلم باموردنیاکم من حیث بشریتہ ۔ انتہی

صاحبِ نفحات می گوید

چوں حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ یکے از دوستانِ خود را مظہر قدرت کاملۂ خود گرداند، در ہیولائے

ان کو تمام اسماء پر حکومت حاصل ہے جس کے ذریعہ وہ عالم کے اندر لوگوں کی استعداد کے مطابق تصرف کرتا ہے ۔ اور جب یہ حقیقتِ انسانیہ دو جہت (الٰہیت اور عبودیت) پر مشتمل ہے تو اسی لیے حقیقتِ انسانیہ کو تصرف بالاصالت صحیح نہیں ہے بلکہ بالتبع صحیح ہے ۔ اور اسی تبعیت کا نام خلافت ہے ۔ پس اس صورت میں حقیقتِ محمدیہؐ کو بھی زندہ کرنا، مارنا، لطف، قہر، رضا، سخط اور جمیع صفات حاصل ہیں تاکہ وہ عالم میں تصرف کر سکے اور خود اپنی ذات اور بشریت بھی عالم ہی کا ایک حصہ ہے ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آہ و بکا کرنا، تنگ دل ہونا اور سینۂ مبارک میں تنگی محسوس کرنا یہ تمام باتیں مذکورہ حقیقت کے منافی اور خلاف نہیں ہیں ۔ اس لیے کہ یہ ساری چیزیں آپؐ کی ذات اور صفات کے بعض مقتضیات میں سے ہیں ۔ اور آپؐ کے مقام و مرتبہ کی حیثیت سے آسمان اور زمین کا کوئی ذرّہ بھی آپؐ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا ۔ اگرچہ کہ آپؐ یہ کہیں انتم اعلم باموردنیاکم : یعنی تم اپنی دنیا کے معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو ۔ یہ ارشاد آپؐ کی بشریت کی حیثیت اور اس کے اعتبار سے ہے ۔ انتہی

"نفحات" کے مصنف فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالےٰ اپنے محبوب بندوں میں سے کسی بندے کو اپنی قدرت کاملہ کا مظہر بنا دیتا ہے تو یہ بندہ

عالم ہر نوع تصرفی کہ خواہد تواند کرد و بالحقیقت آں تاثیر و تصرف حق است سبحانہٗ و تعالیٰ کہ در وی ظاہر می شود و وی درمیان نی۔ بالجملہ ہمہ تصرف مرتب بر فنا و بقا است۔ مثنوی ؎

مثنوی : ؎

نان چو در سفرہ است باشد آن جماد
در تن مردم شود آن روح شاد
در دل سفرہ نگردد مستحیل
مستحیلش جان کند از سلسبیل
قوت جان است این ای راست خوان
تا چہ باشد قوت آن جان جان
گوشت پارہ آدمی از زور جان
می شگافد کوہ را با بحر و کان
زور جانِ کوہکن شق الحجر
زور جان جاں در شق القمر

درایں مقدمہ شواھد و دلایل بسیار اند. وقت مساعدت نمی کند مع ہذا فقیر در سن شصت و شش بود مہلت و قوت تحریر اسناد نمی باید

قال اللہ تعالیٰ

انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ وجاء فی الاخبار والاثار

عالم کے ہیولیٰ اور مادہ میں جس نوع کا تصرف چاہتا ہے کرتا ہے اور فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی تاثیر اور تصرف ہے جو اس بندہ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور درمیان میں نہیں یعنی اس بندہ کا کوئی فعل اور تصرف ذاتی نہیں ہوتا۔ حاصلِ کلام! کسی بندۂ مقرب الی اللہ سے ان تمام تصرفات کا ظاہر ہونا اس کے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہونے پر منحصر ہے۔

مثنوی

روٹی جب تک دسترخوان میں ہے وہ بے روح ہے
انسان کے جسم میں پہنچکر وہ بشاش روح بن جاتی ہے
دسترخوان میں وہ متغیر نہیں ہوتی ہے
روح اس کو سلسبیل کے ذریعہ متغیر کرتی ہے
اے سچی بات پڑھنے والے! یہ روح کی طاقت ہے
تو روح کی روح کی کیا طاقت ہوگی
آدمی جو گوشت کا ٹکڑا ہے جان کے زور سے
پہاڑ کو مع سمندر اور کان کے پھاڑ دیتا ہے
کوہکن کی جان کے زور نے پتھر پھاڑا
جان کی جان کا زور انشق القمر میں پایا ہے۔

اس موضوع پر اور بھی بہت سے دلائل اور شواہد موجود ہیں جن کو نقل کرنے کے لیے وقت ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ اور فقیر ۷۶ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے اور اپنے اندر اسناد اور مزید حوالوں کو تحریر کرنے کی قوت نہیں پا رہا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔ "میں ضرور زمین میں

ان اللہ خلق ادم علی صورتہ وایضاً جاء فی السفر الاول من التوریت الخبر المذکور وایضاً در اخبار و در صحف انبیاء گزشتہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ آمدہ والضاً

بندہ من بمن تقرب کند تا اورا دوست گیرم چون اورا دوست گرفتم سمع وی باشم و بصروی باشم و زبان وی باشم درو یافتہ وایضاً

در انجیل ہم آمدہ است

مرضت فلم تعدنی یعنی بیمار شدم و بعیادت من نیامدی فلان بندۂ من بیمار بود اگر اورا عیادت کردی مرا عیادت کردہ بودی و امثال این ہا وارد گشتہ است ۔

حل مسئلہ

مسئولہ موقوف بر کشفِ معانی مقدمات مذکورہ است بیشتر زیرکانِ تاب و طاقت سماعت آن ندارند و در فہم معنی خلافت قاصر مانند در معنی صورت تشبیہ افتادہ پنداشتہ اند کہ صورت جز صورت ظاہر نباشد بعضی بحلول و اتحاد افتادہ اند پس حال غیر بزرگان در فہم آں چہ باشد ۔

اپنا ایک نائب بناؤں گا ۔ اخبار اور آثار میں وارد ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ۔ نیز خبر مذکور توراۃ کے سفر اول میں بھی وارد ہے ۔ گذشتہ انبیاء کرام کے صحیفوں اور اخبار میں آیا ہوا ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا ۔ نیز یہ حدیث شریف ہے میرا بندہ مجھ سے تقرب حاصل کر لیتا ہے تو میں اس کو اپنا دوست اور محبوب بنا لیتا ہوں ۔ جب اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور اس کی زبان بن جاتا ہوں ۔

نیز انجیل میں بھی آیا ہوا ہے : اللہ تعالیٰ بندہ سے فرماتا ہے کہ میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کرتا تو میری عیادت کیا ہوتا ۔

اس قسم کی بہت سی مثالیں آئی ہوئی ہیں ۔ آپ کے دریافت کردہ مسئلہ کا حل مذکورہ مقدمات کی معانی کی وضاحت پر موقوف ہے بہت سے ذی عقل اشخاص ان کی تشریحات کے سننے کی تاب و طاقت نہیں رکھتے ۔ اور خلافت کے معنی سمجھنے سے قاصر ہیں ۔ اور صورت کے معنی سے تشبیہ میں گھرے ہوئے ہیں کہ صورت ظاہرِ صورت کے سوا نہ ہو گی ۔

اور بعض افراد حلول و اتحاد میں پھنسے ہوئے ہیں۔ زیرک افراد کی جب یہ حالت ہے تو ان حقائق کو سمجھنے میں غیر زیرک اشخاص کی حالت کیا ہوگی۔

حدیث شریف

کلموا الناس علی قدر عقولهم ودعو مما ینکرون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ : از اعلان آن مانع می آید وشریعت باظہار آن رخصت نمی دہد وکشف آں موقوف بر سلوک صحیح وجذبۂ الٰہی بود کذا فی کیمیائے السعادت وقال جدّی وشیخی سید عبد القادر الجیلی رضی اللہ عنہ یا غلام یوخذ العلم من افواہ رجال اللہ لا من الصحائف والدفاتر

پس از محررات ومقالات بگذرند واز افواہ الرجال بجویند۔

صاحب ایقاظ الغافلین از شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نقل می فرماید :

نحن رجال یحرم النظر فی کتبنا ما آن مردانیم کہ نظر کردن در کتب ما حرام است

لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات چیت کرو انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کر دیں۔

یہ حدیثیں ان حقائق کے بیان کرنے میں مانع ہیں اور شریعت مطہرہ ان کے اظہار اور اعلان کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

ان حقائق اور دقائق کی گرہ کشائی سلوک صحیح اور جذبۂ الٰہی پر موقوف ہوتی ہے۔ جیسا کہ کیمیائے سعادت میں مرقوم ہے۔

میرے جد امجد و شیخ محترم سید عبد القادر جیلی فرماتے ہیں :

اے عزیز! علم اللہ والوں کی زبانوں سے حاصل کیا جاتا ہے، کتابوں سے نہیں۔

لہٰذا محررات و مقالات اور مکتوبات و مرقومات کو چھوڑ دیجیے اور اہل دل حضرات کی صحبتوں اور ان کی زبانوں سے علم حاصل کیجیے

ایقاظ الغافلین کے مصنف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

ہم وہ اہلِ قلم اشخاص ہیں کہ ہماری کتابیں پڑھنا عوام کے لیے منع ہے۔

مثنوی

بعد ازیں حرفی است پیچاپیچ و دور
با سلیمان باش و دیوان را شور
تا نگوئی سر سلطان را بکس
تا نریزی قند را پیشِ مگس
گوش آں کس نوشد اسرار جلال
کو چو سوسن صد زبان افتاد لال

بقیہ "دعاء اور مقامِ دعاء" ص 108 سے آگے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا فرما دیا جاتا ہے۔ یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا: جب یہ بات ہے تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہِ احمد)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا ہے اور غیر فانی ہے۔ اگر سارے بندے ہر وقت مانگیں اور وہ ہر ایک کے لیے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو بھی اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

مستدرک حاکم میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی، ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا: يَا لَيْتَهُ لَمْ يُعَجَّلْ لَهُ شَيْءٌ مِنْ دُعَائِهِ : اے کاش میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوتی اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔ ••

مکتوباتِ

حضرت قطبِ ویلور قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص

● مولوی حافظ ابوالنعمان محمد بشیر الحق قریشی قادری استاذِ دارالعلوم لطیفیہ ویلور

مجددِ جنوب، سلطان المرشدین
حضرت مولانا مولوی الحاج شاہ محمد الامین
سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطبِ ویلور قدس سرہٗ
نے اپنے تلامذہ و خلفاء، مریدین و معتقدین اور متعلقین و متوسلین کے نام فارسی میں خطوط تحریر فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند مکتوبات کا ترجمہ حاضر ہے ۔۔

مکتوب بنام مولانا عبدالرحیم قادری ضیاؔ حیدرآبادی

خلیفۂ حضرتِ قطبِ ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغِ سلام وتحیات کے بعد واضح ہو کہ ۲۴ رشعبان سنہ ۱۳۸۷ ہجری کا تحریر کردہ مکتوب اور آپ کی تصنیف "مقاماتِ دستگیری" کے ساتھ دستیاب ہوا۔

آپ نے توبہ وانابت اور دعا کے بارے میں دریافت کیا تھا، جس سے قلب کو خوشی ومسرّت حاصل ہوئی۔ الحمدللہ علی ذلك۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتا ہے: یا داؤدؑ! کن خادما لطالبی: اے داؤدؑ! دِ صالح کے خدمت گزار بن جاؤ۔ اس سے بڑی دولت اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے پیغمبر کسی مردِ منیب کے خدمت گزار تھے۔ ایں کار دولت است اکنون تاکرا رسد۔

آن عزیز جان!

اس فقیر کے ساتھ جو حسنِ ظن اور حسنِ عقیدت رکھتے ہیں اس مناسبت سے اور دعا کی درخواست اور مشائخ طریقت کا شجرہ طلب کرنے کے باعث فقیر نے بھی قبول کیا اور شجرہ ارسال کیا۔

چاہیے کہ جب مریدانِ صادق عزم اور حوصلہ کے ساتھ سامنے آئیں اور کسی مردِ صالح کے سامنے خالص اور سچی توبہ کریں اور عہد کریں کہ معصیت کا خیال سر سے نکال رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع ہوں اور دنیا کو پس پشت ڈال دیا ہوں اور آخرت کی جانب مائل ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرائیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہماری اور سارے مسلمانوں کی توبہ اور دُعا کو قبول فرمائے گا اور دنیا ومافیہا سے فریب نہ دے گا جو کہ زوال پذیر ہے اور خدا کی ملعون ہے۔

"مقاماتِ دستگیری" کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کی سعادت مندانہ شخصیت دعوت وطریقت کی اجازت کی استعداد وقابلیت رکھتی ہے اور آپ کی صلاحیت واستعداد سے بہت سے مستفیض حضرات کے لیے قابلِ رشک ہے اور آپ کے جوہر شریف کی نفاست وخوبی بہت سے جوہردان

افراد کے لیے غبطہ ہے۔

دعوت و تبلیغ کی اجازت وصول الی اللہ اور مقام فنا و بقا کے فائز ہونے پر موقوف ہے۔ وصول الی اللہ کے راستے چار ہیں۔ ذکر، فکر یعنی مراقبہ، تلاوتِ قرآن کریم اور کامل و مکمل مرشد کی صحبت ان چار طریقوں میں سب سے افضل طریقہ مرشد کی صحبت ہے اور یہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ صحبت اور ہم نشینی کی یہی وہ اثر آفرینی تھی کہ خیر التابعین حضرت اویس قرنیؒ کا کوہِ احد کی مقدار میں سونے کا صدقہ ایک ادنیٰ صحابیٔ رسول ﷺ کے مٹھی بھر گیہوں کے صدقہ کے اجر و ثواب سے برابری اور ہمسری نہ کر سکا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب کبھی حس کے تابع ہوتا ہے۔ لامحالہ جو حس سے دور ہے قلب سے بھی دور ہے۔ من لم یملک عینه فلیس القلب عنده (جو شخص اپنی آنکھ کا مالک نہیں اس کے نزدیک قلب بھی نہیں ہے۔) کی حدیث اسی مقام و مرتبہ کی جانب اشارہ کر رہی ہے۔ اور کام کی انتہا میں جب قلب کو حس کی تبعیت نہیں ہوتی ہے تو حس سے دوری قربِ قلبی میں تاثیر نہیں کرتی اسی لیے مشائخ کرام نے مبتدی اور متوسط حضرات کو شیخِ کامل کی صحبت سے دوری اور علاحدگی کو پسند نہیں فرمایا۔ جب ایسے شیخ کی صحبت میسر نہ آئے تو تلاوتِ قرآن معانی و مطالب کی فہم اور غور و فکر کے ساتھ بہترین عبادت ہے۔ رزقنا الله وایاکم بحرمة سید المرسلین صلی الله علیه وعلیهم وعلی آله واصحابه اجمعین۔

آپ کے حسب ایما بزرگانِ کرام کے سلسلہ کا شجرہ ارسال کیا ہوں۔ نیز حسب ایما کتاب "مقاماتِ دستگیری" واپس ہے۔ آپ نے ناسازیٔ مزاج کا ذکر کیا تھا۔ شافیٔ مطلق اپنے حبیب ﷺ اور آپ کی آل امجاد کے صدقے سے آپ کو شفا عطا فرمائے اور آپ کی حفاظت فرمائے۔ فقیر کو بھی دعائے خیر سے فارغ نہ خیال کریں اور آپ کی ملاقات کا مشتاق خیال کریں۔ دل میں بہت ساری باتیں ہیں جن کی ترجمانی سے قلم قاصر ہے۔ ؎

عمر بگذشت حدیث درد من آخر نہ شد
شب بآخر شد اکنوں کوتہ کنم افسانہ را

عمر گزر گئی۔ میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی۔ رات ختم ہو رہی ہے۔ لہٰذا اپنا افسانہ ختم کئے دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت تمہارے ساتھ رہے تم جہاں کہیں رہو۔

شجرہ مقدسہ

بروحِ مصطفےؐ آن شاہِ عالم　　بروحِ حیدرؓ کرار اکرم
بروحِ شاہ تخت دانش وداد　　حسینؑ ابن علیؓ و زینِ عبّاد
بروحِ باقر آن کانِ مکارم　　بروحِ جعفرؒ و موسیٰ کاظمؒ
بروحِ گوہرِ بحرِ مفاخر　　علی موسیٰ رضا سلطانِ فاخر
بروحِ شیخ دین معروف کرخی　　کرمی بخشد آمان زآفاتِ چرخی
بروحِ سری دچون گل عزیزست　　جنید و شبلی و عبد العزیزست
بروحِ عبدِ واحد بو الفرح نیز　　علی و بو سعید آن گنج تمیز
بروحِ عبد قادر شاہِ والا　　کہ قادر بود بر احیاءِ موتیٰ
ندا کردہ ز روحِ لایزالی　　وشاؤس السعادۃ قد بدالی
بطوفانِ بلا جودی و جوشش　　مریدی لاتخف فرمان جودش
بگفتا فارغ از تقیید رسمی　　انا الجیلی محی الدین اسمی
بروح عبد رزاق آن شہِ دین　　در بحرِ کمال و بحرِ تمکین
بروحِ آن کہ افضل دست بی حصر　　امام صالحان بوصالح نصر
بروح آنکہ گیتی شد غلامش　　ابو نصر محی الدین نامش
بروح سید احمد شیخ آفاق　　بروح پرفتوح حاجی اسحاق
بروحِ آن کہ افلاک است خاکش　　بود راجی محمدؐ نام پاکش
بروحِ ماہی دریائے سرمد　　کہ نام او بود دریا محمدؐ
بروحِ آفتابِ مطلع سِر　　نصیر دین و دنیا شیخ ناصر
بروحِ عبدِ حق مخدوم والا　　کہ از وی کارِ عرفا گشت بالا
بروحِ فخر دین آن کانِ تمکین　　کہ ذاتش بود فخر دنیا و دین
بروحِ بو الحسن شیخ زمانہ　　کہ ہم چو بو الحسن باشد یگانہ

علی مرتضیٰ اراہست یمین او   حسن او بوالحسن او ہم حسین او
بروحِ سیّد اہلِ ہدایت   در یکتائے دریائے ولایت
بنامِ مرتضیٰ گردیدہ نامی   چو نام خویشتن گشتہ گرامی
بروحِ پاک آن قطب معلّیٰ   باسم بوالحسن ثانی مسمّیٰ
کجا مانند او بر عرصۂ خاک   بلا شک وارث سلطان لولاک
بخلوت گاہِ وحدت بود راہش   الوہیت ہمیشہ سیر گاہش
شریعت استقامت یافت ازوی   طریقت زیب و زینت یافت ازوی
چو بود او آیۂ رحمت بدنیا   علیہ رحمۃ اللہ تعالےٰ
محی الدین عطا پروردای شان   مکحل کردہ چشم از گردِ ای شان
خداوندا بحقِ ایں بزرگاں   بجاہ و عزّت این اہل عرفاں
ز درگاہِ تو دارد ایں گنہ گار   امیدِ مغفرت اے ربِّ غفّار

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری ملاقات کا وقت آنے تک "جواہر السلوک"، "عوارف المعارف" و "فصوص الحکم" کی عربی اور فارسی شروحات اور بالخصوص 'فص آدمیہ'، 'فصِ ابراہیمیہ' اور 'فص محمدیہ' آپ کے مطالعہ میں رہیں۔ اور قربِ نوافل اور قربِ فرائض کو جہاں تک ہو سکے نگاہ میں رکھیں۔ انہ قریب مجیب وعلی کل شیئ قدیر۔

ہم فقراء کا پیشہ ہی لوگوں کو دین کی طرف بلانا ہے۔ دعوتِ الی اللہ خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی ہو۔ دعوت ظاہری کے تحت دو دعوت نامے روانہ کیا ہوں۔ ایک عربی میں ہے دوسرا اردو میں ہے۔ کمالِ نرمی اور دل داری کے ساتھ دعوت و تبلیغ کے کام میں مشغول رہیں۔ اور جہاں تک ہو سکے انسانوں کی اصلاح سے قاصر نہ رہیں اور تبلیغ کا کام پورے خلوص اور کامل اخلاص کے ساتھ انجام دیتے رہیں۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون (یونس: ۸۴) تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے حکم پر چلنا چاہیے یا اس کے حکم پر جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک کہ اس کو راہ نہ دکھائی جائے۔ تمہیں کیا ہوا کیسا حکم کرتے ہو۔

مکتوب بنام مکرمی سعید بخت صاحب ساکنِ کلکتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ مدراس اور کلکتہ کے مکررہ خطوط جو کمالِ التفاف اور اخلاص کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں دستیاب ہوئے اور ان خطوط سے قلب کو خوشی و مسرت حاصل ہوئی۔ کیوں کہ یہ درویشوں اور فقیروں کے ساتھ محبت و الفت اور ان سے ربط و تعلق اور ان کے ارشادات سُننے کی خواہش و تڑپ اور ان کے طریقوں سے اُنس و رغبت کے جذبات و احساسات کی خبر دے رہے تھے۔ جو کہ اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے۔ نیز حاجی دستگیر صاحب کی زبانی بھی آپ کے احوال و کوائف سے آگاہی ہوئی جو ۲۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ کو فقیر کے مکان حاضر ہوئے تھے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

سرورِ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے المرء مع من احبہ آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت و الفت ہوگی۔ لہٰذا اللہ والوں کے ساتھ محبت و الفت رکھنے والا بھی ان ہی بزرگوں کے ساتھ ہوگا اور حریمِ قرب میں اُن کا ہم نشین اور مصاحب ہوگا۔

آپ نے توبہ و انابت اور دعا کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ جس سے قلب کو سرور و انبساط حاصل ہوا۔ بارك الله فيكم وفى كل شانكم اللہ تعالےٰ آپ اور آپ کے ہر کام میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرماتا ہے: یاداؤد کن خادماً لطالبی: اے داؤد! کسی مردِ صالح کے خدمت گزار بن جاؤ۔ اس سے بڑی دولت اور نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت داؤدؑ جیسے پیغمبر کسی مردِ منیب کے خدمت گزار تھے۔ ایں کار دولت است؛ کنون تا کرا رسد۔

آں مخدوم! اس فقیر کے ساتھ جو حسنِ عقیدت رکھتے ہیں۔ اس مناسبت سے اور دعا کی درخواست اور مشائخ طریقت کا شجرہ طلب کرنے کے باعث فقیر نے بھی قبول کیا اور شجرہ ارسال کیا۔

چاہئے کہ جب مریدانِ صادق عزم و حوصلہ کے ساتھ سامنے آئیں اور کسی مردِ صالح کے سامنے خالص اور سچی توبہ کریں اور عہد کریں کہ معصیت کا خیال سر سے نکال دیا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی جانب

رجوع ہوں، اور دنیا کو پس پشت ڈال دیا ہوں اور آخرت کی جانب مائل ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرائیں۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری اور سارے مسلمانوں کی توبہ اور دعا کو قبول کرے گا اور دنیا و مافیہا سے فریب نہ دے گا۔ جو کہ زوال پذیر اور خدا کی ملعون ہے۔

اسی بنا پر کتاب "جواہر الحقائق" کی ترسیل کی جانب اشارہ کیا گیا۔ نیز حمید بخت صاحب کی خواہش بھی حاجی دستگیر صاحب کی زبانی "معجزۂ مصطفےٰ" کے تعلق سے معلوم ہوئی۔ لہذا یہ دونوں کتابیں عبدالرحمان کائل میٹن عرف صاحبو کی معرفت روانہ کردی گئی ہیں۔ ھدیہ قبول کرنا سنّت ہے۔ لہذا آپ قبول فرما کر ممنون کیجیے۔

"معجزۂ مصطفےٰ" کے اشعار سات ہزار دو سو ہیں۔ جن کو میرے جدّ امجد شیخ ماجد سید شاہ عبداللطیف ذوقیؔ ویلوری نے تیس سال کی عمر میں سنہ ۱۱۸۰ ہجری میں صرف ڈیڑھ ماہ کی مدّت میں مولوی باقر آگاہ مدراسی کے واسطے تحریر کیا تھا۔

کتاب "جواہر الحقائق" علم حقائق سے متعلق ہے۔ علم سلوک میں فقیر کی تالیف "جواہر السلوک" ہے۔ جو "جواہر الحقائق" سے بھی ضخیم ہے۔ اس کی طباعت کا ارادہ ایک تاجر نے کیا ہے۔ اگر چار ماہ کے اندر اندر طبع ہوگئی تو بعید نہیں کہ یہ کتاب بھی آپ کے مطالعہ سے گزر سکے۔ واللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

فقیر بھی آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے لیکن وہ اس وقت اپنی عمر کے ۷۶ ویں بہار دیکھ رہا ہے۔ اور لب گور بیٹھا ہوا ہے۔ یفعل اللہ ما یشآء و یحکم ما یرید۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے حکم فرماتا ہے۔

دل میں بہت سی باتیں ہیں لیکن ان کے اظہار میں قلتِ اوقات اور کثرتِ اشغال مانع ہے ؎

عمر بگذشت حدیثِ درد من آخر نشد
شب بآخر شد اکنوں کوتہ کنم افسانہ را

زندگی گزر چکی لیکن میری درد بھری داستان ختم نہ ہوی۔ رات ختم ہوگئی میں اپنا افسانہ مختصر کیے دیتا ہوں۔

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ افضل الذکر لا الٰہ اِلا اللہ

جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ افضل ذکر لا الٰہ اِلا اللہ ہے۔

ذکرِ نفی و اثبات جہر

یہ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کے طریقے پر قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں اور آنکھیں بند کر کے لا کہیں۔ گویا آواز ناف سے نکال رہے ہیں۔ یہاں تک کہ سیدھے بازو تک پہنچا دیں۔ پھر الٰہ کہیں گویا سر سے آواز نکال رہے ہیں پھر الا اللّٰہ کو دل پر شدّت اور قوت کے ساتھ ضرب کریں اور دل میں اللّٰہ کے سوا ہر شئے کو اپنا مقصود اور محبوب ہونے کی نفی کریں جیسا کہ سابق میں شرعًا معبودیت کی نفی کرتے ہیں۔ اور اللّٰہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدّس کو اپنا محبوب اور مقصود خیال کریں۔ اور اسی کا اثبات کریں اس ذکر کو ہر روز وقت مقررہ پر حضورِ قلب کے ساتھ جگہ، جسم اور لباس کی پاکیزگی و طہارت کے ساتھ ایک سو ایک مرتبہ کرتے رہیں۔ اور اس تعداد میں جس قدر چاہیں اضافہ کریں خواہ یہ گنتی ہزار تک بھی پہنچ جائے۔

مکتوب بنام عبد المجید صاحب المعروف بہ حافظ میاں صاحب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

سلام مسنون کے بعد خاطر شریف پر واضح ہو کہ ۲۵ رشوال سنہ ١٢٦٨ ہجری کا تحریر کردہ التفات نامہ جو انتہائی لطف و کرم کے ساتھ فقیر کے نام ارسال کیا گیا ہے دستیاب ہوا اور گزری ہوئی صحبتوں اور ہمارے والد ماجد اور شیخ مکرم قدس سرّہ کے زمانے کی محبت و دوستی کی یاد تازہ کر دیا۔

فقیر آں مکرم کو بقیۃ السلف خیال کرتا ہے اور آپ کی ذات کو اس علاقہ میں دعوت و تبلیغ کے لیے غنیمت سمجھتا ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ آپ کو باقی رکھے اور آپ میں اور آپ کے ہر عمل میں خیر و برکت عطا فرمائے۔

آپ نے خان صاحب[1] مغفور کے قلم سے نکلی ہوئی تحریروں کی خواہش کی جانب ارشاد فرمایا مکرم من! اس علاقہ میں خان صاحب کی تحریریں کاغذِ زر کا مرتبہ رکھتی ہیں۔ بڑی جستجو کے باوجود بھی دستیاب نہ ہو سکیں

---

[1] غالبًا خانصاحب سے مراد حضرت قطبؔ ویلور کے استاد افضل العلماء ارتضا علی خاں ہوں گے۔ (مترجم)

تاہم فقیر ان کی تلاش وجستجو سے فارغ وغافل نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ فقیر آپ کے حسبِ ایما سوالات کے کاغذ کو صندوق میں موجود پایا۔ حدیثِ شریف میں ہے اعمار امتی بین ستین و سبعین میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستّر کے درمیان ہوں گی۔

امامِ غزالی علیہ الرحمۃ "کیمیائے سعادت" میں سالک کا فقہاء کے اختلاف کی طرف توجہ دینے کو راہِ سلوک کے موانع میں سے ایک مانع شمار کرتے ہیں۔ یہ مسکین جو اپنی عمر کے ساٹھ سال کی سرحدیں قدم رکھ چکا ہے اس کے لیے غیر مقصود امور اور اشغال کی طرف توجہ دینا گراں دکھائی دیتا ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں: ؎

دمِ آخر کسے کز اہلِ جہاں　　داد بر ہیبت مشاہدہ جان
چوں برآرد سر از نشیمنِ خاک　　چشم جانش بود بحضرتِ پاک

دنیا کو آخرت کی کھیتی بتایا گیا ہے تاکہ بیج استعداد والی زمین میں بو سکیں اور ایک دانہ سے سات سو دانے بنا سکیں۔ اور جو لمحہ کہ گزر رہا ہے وہ عمر کو کم کر رہا ہے۔ اور وقت مقررہ یعنی موت کو قریب لا رہا ہے۔ ہوشیاری اور آگاہی کا وقت تو یہی ہے۔ آج کے روز اگر آگاہ اور ہوشیار نہ ہو سکیں تو کل کے روز نقد وقت حسرت و ندامت کے سوا کچھ نہ رہے گا۔ سلوک کا اہتمام کیجیے اور اس کے لیے رکاوٹ بننے والی چیز سے اجتناب کیجیے۔ سلوک کا زمانہ تو یہی ہے اور اس سلوک کا ثمرہ بھی سامنے ہی ہے۔ لہٰذا سلوک کے وقت میں اس کی راہ کے موانع میں مبتلا ہو جانا گویا اپنی زراعت سے سبزہ کھانے اور ثمر کھانے سے باز رہنا ہے۔

اس کے علاوہ فقیر قلیل الفرصت ہے۔ ایک انار اور سو بیمار اور ایک سر ہزار سودا کا حکم رکھتا ہے۔ مسائل کی تلاش اور تفحص اور ان کے انتخاب کی مہلت اور فرصت نہیں پا رہا ہے۔ بہرحال آپ کے سوالوں کے جواب ایک علاحدہ کاغذ پر عجلت میں تحریر کرتے ہوئے روانہ کیا ہوں۔ قلب میں تو بہت سی باتیں ہیں لیکن قلم ان کی ترجمانی سے قاصر ہے۔ ؎

عمر بگذشت در دمن آخر نشد　　شب بآخر شد اکنوں کوتہ کنم افسانہ را

اللہ تعالیٰ جو دارین کا مالک اور خالق ہے اس کی رحمت کے طالب اور امیدوار رہیں اور دنیا و ما فیہا سے فریب نہ کھائیں جو کہ خدا کی ملعون ہے۔

فقیر کو اپنے سے فراموش خیال نہ کریں: المرء مع من احبہ (آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس

(بقیہ در 147 پر)

انشائے عقائد ذوقی

مصنف

قدوۃ السالکین حضرت مولانا مولوی

غلام محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری ذوقی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

مولانا مولوی

سید حمید اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی، سابق استاذ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان
ویلور

رقعہ رابع والعشرون

دربیان آیات کہ درشانِ اہلِ بیت نزول یافتہ۔

موردِ لطف اللہ سید لطف اللہ پیوستہ بالطافِ الٰہی مقرون باشد بعد ابلاغ بہبود دارین مرفوع میگرداند کہ آل یا آل روحی اند فقط مثل صحابہ و اولیائے امت کہ غیر سادات اند آل جسم فقط مثل ساداتی کہ حسب ایشان درست نبود یا روحی یا جسمی معًا مثل علی و حسنین وغیرہم کہ ہم باعتبار روح داخل نسب اند وہم باعتبار جسم اما دخول نسب باعتبار روح عبارتست از متخلق بودن باخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم والیشاں بر دو قسم اند۔ قسم اول آں کہ ہم ایشان را آل میتوان گفت وہم اصحاب مثلِ علی و حسنین وغیرہم۔ قسم دوم آں کہ ایشاں را اصحاب نمی توان گفت مثل ائمہ وساداتی کہ صحبتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم را در نیافتہ بحسب ظاہر بخلافِ وجہ باطن کہ ایشان را در ہر آنی حاصل است و آیاتی کہ در شانِ اہلِ بیت آن حضرت نزول یافتہ بسیار است بعض از آن ہا بیان کردہ می شود - آیت اولیٰ قال اللہ تعالیٰ۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا ۔

چوبیسواں مکتوب

اُن آیات کے بیان میں کہ جو اہلِ بیت کی شان میں نازل ہوئیں۔

سید لطف اللہ صاحب (اللہ کا لطف و کرم آپ کے شاملِ حال ہے) بعد دعائے سعادتِ دارین واضح ہو کہ آل یا صرف روحانی ہیں جیساکہ وہ صحابہ اور اولیاء کرام جو سادات نہیں ہیں۔ یا آل صرف جسمانی ہیں جیسا کہ وہ سادات کہ جن کے اخلاق و اعمال درست نہیں ہیں یا آل روحانی اور جسمانی دونوں ہیں جیسے علی اور حسنین وغیرہم۔ روحانی اعتبار سے آل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متصف ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جن کو آل و اصحاب دونوں کہہ سکتے ہیں۔ جیسے علی و حسنین وغیرہم دوسری قسم وہ ہے۔ جن کو اصحاب نہیں کہہ سکتے جیسے ائمہ اور سادات جنھوں نے ظاہری اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل نہ کیا لیکن باطنی اعتبار سے ان کو ہر لمحہ حضور علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ جو آیت کریمہ حضور علیہ السلام کے اہلِ بیت کی شان میں نازل ہوئی ہیں وہ بہت ہیں۔ بعض ان میں سے تحریر کی جاتی ہیں۔ پہلی آیت ہے: انما یرید اللہ

اکثر مفسرین برسنند که این آیت نازل بدرشانِ علی و وفاطمہ وحسن وحسین و روایت کرده، احمد از ابی سعید بدرستیکہ این آیت نازل درشان پنج کس است نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی وفاطمہ وحسن وحسین رضؓ وروایت کرده است جریر مرفوعا بلفظِ نازل شد این آیت در پنج کس من وعلی وحسن وحسین وفاطمہ وروایت کرد این حدیث را طبرانی نیز ومروی است از مسلم بدرستیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل کرد ای شان را در کسائی کہ برو بود این آیت بخواند۔

آیتِ ثانیہ قول تعالیٰ

سلام علیٰ آل یٰسین نقل کرده اند جماعتی از مفسرین از ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بدرستیکہ مراد ازین سلام است بر آلِ محمدؐ۔

آیت ثالثہ قولہ تعالےٰ

وقفهم انهم مسئولون روایت کرده دیلمی از ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود وقفهم انهم مسئولون عن ولایت علی

آیت رابعہ قولہ تعالی

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا روایت ۴ کرده ثعلبی در تفسیر او از امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بدرستیکہ مائیم حبل اللہ کہ گفت اللہ تعالےٰ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا

لیذهب منکم الرجس اهل بیت ویطهرکم تطهیرا۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین کی شان میں نازل ہوئی ہے احمد نے ابو سعید سے روایت کیا کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم علی، فاطمہ، حسن حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح حضرت جریر سے یہ روایت مرفوعا مروی ہے۔ طبرانی کی روایت بھی اسی طرح ہے مسلم سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمبل جو آپؐ کے جسمِ اطہر پر تھا ان حضرات کو داخل کر کے آیتِ مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا قول ہے

سلام علیٰ آلِ یاسین۔ مفسرین کی ایک جماعت نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اس سے مراد آل محمدؐ پر سلام ہے۔

تیسری آیت اللہ تعالیٰ کا قول ہے

دیلمی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت میں حضرت علی کی ولایت کے متعلق استفسار مراد ہے۔

چوتھی آیت واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ہے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ہم ہی حبل اللہ ہیں جس کا ذکر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا میں ہے۔

بیت خامسہ قولہ تعالیٰ

ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ روایت کردہ ابوالحسن عازلی از امام محمد باقر رضی اللہ عنہٗ کہ گفت درایں آیت ما ناس ہستیم واللہ اعلم

آیت سادسہ قولہ تعالیٰ

وما کان اللہ لیعذھم وانت فیھم اشارت کرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجود ایں معنی در اہلِ بیت خود بدرستیکہ ای شان امان اہلِ زمین اند چنان کہ بود آن حضرت امان مرایشان را۔

آیتِ سابعہ قولہ تعالیٰ

وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحًا ثم اھتدی ثابت نبانی گفت است اھتدی اشارت است الی ولایت اہلِ بیت صلی اللہ علیہ وسلم وہم چنین امدست از ابوجعفر وباقر مرفوعا۔

آیتِ ثامنہ قولہ تعالیٰ

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین درکشان گفتہ است کہ دلیل نیست قوی ازیں بر فضل اصحاب کسائی وای شان علی وفاطمہ وحسنین رض

پانچویں آیت

ام یحسدون الناس علی ما آتاہم اللہ من فضلہٗ ابوالحسن عازلی نے امام محمد باقر رضی اللہ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں ناس سے مراد ہم ہی لوگ ہیں ۔ واللہ اعلم

چھٹی آیت

وما کان اللہ لیعذھم وانت فیھم ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ یہ آیت آپؐ کے اہلِ بیت کو بھی شامل ہے ۔ آپؐ کے اہلِ بیت، اہلِ زمین کے لیے اسی طرح باعث امن وامان ہیں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے ۔

ساتویں آیت

وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحًا ثم اھتدیٰ ثابت نبانی نے کہا ہے کہ اھتدیٰ کا لفظ آپؐ کے اہلِ بیت کی ولایت کی طرف اشارہ ہے

آٹھویں آیت

فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین کشاف میں کہا ہے کہ اصحابِ گلیم کی فضیلت پر اس سے زیادہ قوی دلیل دوسری نہیں ہے ۔ اور حضرات علیؑ، فاطمہ اور حسنین علیہم السلام ہیں ۔

آیتِ تاسعہ قولہ تعالیٰ

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ

نقل کردہ است قرطبی از ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ گفت راضی کردہ شدہ است محمد صلی اللہ علیہ وسلم باین کہ داخل نشود ہیچ یکی از اہلِ بیت او دوزخ را ۔

آیت عاشرہ قولہ تعالےٰ

وانہ لعلم الساعۃ مقاتل ابنِ سلیمان ومن اتبعہ من المفسرین گفتہ کہ این آیت نازل شد در شان مہدی است ۔

آیتِ حادی عشر قولہ تعالیٰ

وعلی الاعراف رجال یعرفون کلا بسیماھم روایت کردہ ثعلبی در تفسیر این آیت از ابنِ عباس رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ او گفت اعراف موضعی است بلند از صراط برو عباس وحمزہ وعلی وجعفر باشند بشناسند محبان خود را بہ بیاض وجوہ ودشمنان خود را بسواد وجوہ ۔

آیت ثانی عشر قولہ تعالیٰ

قل لا اسألکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ومن یقترف حسنۃ نزدلہ فیھا حسنا الیٰ قولہ تعالیٰ وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیأت روایت کردہ احمد وطبرانی وابن ابی حاتم وحاکم از ابن عباس رضی اللہ عنہما بدرستیکہ این آیت ہرگاہ کہ نازل شد گفتند یا رسول اللہ

نویں آیت

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ قرطبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کیا گیا ہے کہ آپؐ کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں داخل نہ ہوگا ۔

دسویں آیت وانہ لعلم الساعۃ ہے

مقاتل ابن سلیمان اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت مہدی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔

گیارہویں آیت وعلی الاعراف رجال

یعرفون کلا بسیماھم ثعلبی نے اس آیت کی تفسیر میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا کہ اعراف ایک مقام ہے جو پُل صراط سے بلند ہے اس پر عباس حمزہ، علی اور جعفر ہوں گے جو اپنے دوستوں کو چمکتے ہوئے چہروں سے اور اپنے دشمنوں کو سیاہ چہروں سے پہچانیں گے ۔

بارہویں آیت

قل لا اسألکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ومن یقترف حسنۃ نزدلہ فیھا حسنا الیٰ قولہ تعالیٰ وھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیأت احمد وطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ

کیستند خویشاں تو کہ واجب شد بر ما دوستی ای شان ۔ فرمود علی و فاطمہ و فرزندانِ ای شان سعادت مندا این ہمہ روایات با د با بد داشت کہ نجاتِ اخروی متعلق بد انست ۔ والسلام

رقعۂ خامس والعشرون در بیانِ احادیثی کہ در شانِ اہلبیت ورود یافتہ ۔

محبِ درویشانِ مقبول زمرۂ صفاکیشاں محی الدین شریف سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ بعد تبلیغ سلام مسنون الاسلام مشہود می گرداند کہ روایت کردہ دیلمی از ابی سعید رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود سخت غضب اللہ تعالیٰ بر شخصے کہ ایذا داد مرا در عترت من

در روایت کرد حاکم از ابی ذر رضی اللہ عنہ بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود بدرستیکہ مثل اہل بیت من در شما مثل کشتی نوح است ہر کہ سوار شد آں را نجات یافت و ہر کہ تخلف کرد ازاں ہلاک شد ۔

روایت کرد طبرانی از ابن عمر رضی اللہ عنہ از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمود اول کسے کہ شفاعت کردہ می شود برائے او روز قیامت از امت

آپ کے اقارب کون ہیں کہ جن کی محبت ہم پر واجب ہے ۔ فرمایا علی فاطمہ اور ان کے فرزند ہیں ۔ سعادت مند! ان تمام روایات کو یاد رکھنا چاہیے کہ نجاتِ اخروی کا اس سے تعلق ہے ۔ والسلام

پچیسواں مکتوب اُن احادیث کے بیان میں جو اہلبیت کی شان میں وارد ہوئیں ۔

محبِ صادق محی الدین شریف سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون واضح ہو کہ حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کا سخت غضب ہے جس نے میری اولاد کے بارے میں مجھے ایذا پہنچایا ۔

حاکم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہلِ بیت کی مثال کشتیٔ نوح کی ہے جو شخص اس میں سوار ہوا نجات پا گیا ۔ اور جو پیچھے رہا ہلاک ہوا ۔

طبرانی نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سب سے پہلا شخص جس کے لیے قیامت

من اہلِ بیت من اند پس تر اقرب از قریش پس تر انصار پس تر ہر کہ ایمان آورد بمن و متابعت کرد مرا از اہلِ یمن پس تر سائر عرب پس تر اہلِ عجم و شخصے کہ شفاعت کنم اول اورا افضل است۔

روایت کردہ ابو القاسم ابنِ شیران از عمران بن حصین رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود سوال کردم از پروردگار خود این کہ داخل نکند ہیچ یکی را از اہلِ بیت من در دوزخ پس عطا کرد مرا۔

روایت کرد ترمذی و حاکم از ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود دوست دارید خدا را برائے چیزے کہ غذا میدہد شما را ازاں از نعمت و دوست دارید مرا بدوستی خدا و دوست دارید اہلِ بیت مرا بدوستی من۔

روایت کرد ابو یعلی از سلمہ بن الاکوع بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ستارگان امان اہلِ اسما نند و اہلِ بیت من امان امت من اند۔

و روایت کرد حاکم از انس رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود وعدہ کرد مرا

کے دن شفاعت کی جائے گی وہ میرے اہلِ بیت ہیں اس کے بعد قریش ہیں جو سب سے قریب تر ہیں اس کے بعد انصار ہیں اس کے بعد اہلِ یمن میں سے جو لوگ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی۔ اس کے بعد بقیہ اہلِ عرب ہیں۔ اس کے بعد اہلِ عجم ہیں اور جس شخص کی میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہے۔

ابو القاسم ابنِ شیران نے عمران ابن حصین رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کا سوال کیا کہ وہ میرے اہلِ بیت میں سے کسی کو دوزخ میں نہ داخل کرے۔ پس اس نے میری درخواست منظور فرمایا۔

ترمذی اور حاکم نے حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کو دوست رکھو کیونکہ وہ تم کو ہر قسم کی نعمتوں سے روزی دیتا ہے اور اس کی دوستی کے ساتھ مجھے بھی دوست رکھو اور میری دوستی کی وجہ سے میرے اہلِ بیت کو بھی دوست رکھو۔

ابو یعلی نے سلمہ ابن الاکوع سے روایت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستارے اہلِ آسمان کے لیے باعث امان ہیں اور میرے اہلِ بیت میری امت کے لیے باعثِ امن و امان ہیں۔

حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے

پروردگار من در اہلِ بیت من کہ ہر کہ اقرار کند از ای شان بتوحید و مرا ببلاغ این کہ عذاب نکنند ای شان را ۔

روایت کرد ابن عدی و دیلمی از علی کرم اللہ وجہہ بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ثابت ترین شما بر صراط سخت ترین شما است از روئے حب اہلِ بیت مرا و اصحاب مرا۔

روایت کرد ترمذی از حذیفہ رضی اللہ عنہ بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود بدرستیکہ این ملکی است کہ نازل نشد بر زمین ہرگز پیش ازین شب، اذن گرفت از پروردگار خود باین کہ سلام کند بر من و بشارت دہد مرا بدرستیکہ فاطمہ سیدہ نساء اہل جنت است و بدرستیکہ حسن و حسین سید جوانان اہل جنت اند ۔

روایت کرد احمد و ترمذی از علی کرم اللہ وجہہ بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر کہ دوست داشت مرا و دوست داشت این ہر دو را پدر ای شان و مادر ای شان را باشد ہمراہ من در درجہ من روز قیامت و درجہ مقامی است۔ کہ او سبحانہ روز قیامت بآن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرامت خواہد کرد۔

پروردگار نے میرے اہل بیت کے بارے میں مجھ سے وعدہ فرمایا کہ جو بھی اہلِ بیت میں سے خدا کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب نہیں دے گا۔

ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پل صراط پر تم سب سے زیادہ ثابت قدم وہ شخص ہوگا جس کو میرے اہلِ بیت اور صحابہؓ سے زیادہ محبت ہوگی۔

ترمذی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی سطحِ زمین پر نازل نہیں ہوا وہ فرشتہ اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت لے کر آیا ہے کہ مجھے سلام کرے گا اور بشارت دے گا کہ فاطمہؓ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

احمد و ترمذی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے دوست رکھا اور حسن و حسینؓ اور ان کے والدین کو دوست رکھا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔ اور درجہ ایک مقام ہے جو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائے گا۔

روایت کردہ ابن ماجہ و حاکم از انس رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ما اولاد عبد المطلبیم سادات اہل جنت من حمزہ و علی و جعفر و حسن و حسین و مہدی

روایت کرد ابن عرفہ عبیدی بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود دوست دارید قریش را پس بدرستیکہ ہر کہ دوست داشت ای شان را دوست دارد اورا خدائے تعالیٰ

روایت کرد مسلم و ترمذی از واثلہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود بدرستیکہ اللہ تعالیٰ برگزید کنانہ را از اولاد اسماعیل و برگزید از اولاد کنانہ قریش را و برگزید از اولادِ قریش اولاد ہاشم را و برگزید مرا از اولاد ہاشم۔

روایت کرد احمد و ترمذی بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر کہ ارادہ کند خواری قریش را خوار کند اورا اللہ تعالیٰ۔

روایت کرد احمد و مسلم از جابر رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود مردم ہمہ تبع قریش اند در خیر و شر۔

روایت کرد طبرانی از جابر بن سمرہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود باشند بعد من دوازدہ امیر ہمہ ای شاں از قریش۔

روایت کرد احمد و غیر او بدرستیکہ نبی صلی

ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ عبد المطلب کی اولاد ہیں، ہیں یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حمزہؓ، علی، جعفر، حسن و حسین اور مہدی سب جنتی لوگوں کے سردار ہیں۔

ابن عرفہ عبیدی سے روایت ہے کہ نبی صلی نے فرمایا قریش کو دوست رکھو۔ جو شخص قریش کو دوست رکھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھے گا۔

مسلم و ترمذی نے واثلہ سے روایت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا کنانہ کو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے اور کنانہ کی اولاد سے قریش کو منتخب کیا اور قریش کی اولاد سے ہاشم کو منتخب کیا اولادِ ہاشم سے اس نے مجھ کو منتخب فرمایا۔

احمد و ترمذی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قریش کی خواری کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار کرے گا۔

احمد و مسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ خیر و شر میں قریش کے تابع ہیں۔

طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بارہ ۱۲ امیر ہوں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

اور دیگر محدثین راوی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ علیہ وسلم فرمود نظر کنید بجانبِ قریش پس بگیرید از قول ای شان و ترک کنید فعل ای شان ۔

روایت کرد شیخان بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود یا فاطمہ آیا راضی نیستی بایں کہ باشی سیدہ نساء مومنین ۔

روایت کرد ترمذی و حاکم از اسامہ ابنِ زید رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود احب اہل من نزد من فاطمہ است ۔

روایت کرد حاکم از ابی سعید رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود فاطمہ سیدہ نساء اہل جنّت است مگر مریم بنتِ عمران ۔

روایت کرد ابن عساکر از علی و حاکم از ابنِ مسعود بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود فرزندانِ من حسن و حسین سید شباب اہل جنّت اند و پدرِ ای شان بہتر است از ای شان ۔

روایت کرد طبرانی از فاطمہ رضی اللہ عنہا بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود امامِ حسن پس او را ہیبت من و سرداری من است و امامِ حسین پس او را جرأت من و جود من است ۔

روایت کرد ترمذی از ابنِ عمر بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود بدرستیکہ حسنؑ و حسینؑ ہر دو ریحانہ من اند در دنیا ۔

روایت کرد ترمذی از انس رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود احب اہل من

نے فرمایا قریش کی طرف دیکھو پس ان کے قول کو اختیار کرو اور اُن کے فعل کو ترک کرو ۔

بخاری و مسلم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تمام مومنین کی عورتوں کی سردار ہو ۔

ترمذی و حاکم اُسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اہل میں سب سے زیادہ محبوب میرے نزدیک فاطمہ ہیں ۔

حاکم نے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ، سوائے مریم بنتِ عمران کے تمام جنّتی عورتوں کی سردار ہیں ۔

ابن عساکر اور حاکم حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے فرزند حسنؑ و حسینؑ جنّتی جوانوں کے سردار ہیں اور اُن کے والد اُن سے بھی افضل ہیں ۔

طبرانی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام حسنؓ کے لیے میری ہیبت اور میری سرداری ہے اور امام حسینؓ کے لیے میری جرأت اور میری سخاوت ہے ۔

ترمذی حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ دونوں میری دنیا کے دو پھول ہیں ۔

ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اہلِ بیت میں

نزد من حسن وحسین اند

روایت کردہ احمد وابنِ ماجہ از ابی ہریرہ رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر کہ دوست دارد حسن وحسین را پس تحقیق دوست داشت مرا وہر کہ دشمن داشت ایشان را پس تحقیق دشمن داست مرا۔

روایت کرد ابو یعلی از جابر رضی اللہ عنہٗ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر کہ مسرور کند او را این کہ نظر کند اورا این کہ نظر کند بجانب سید شباب اہلِ بہشت پس باید کہ بیند بجانب حسنینؓ۔

روایت کرد بغوی وعبد الغنی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود نام داشت ہارون فرزندان خود را شبرؑ وشبیرؑ وبدرستیکہ من نام داشتم فرزندانِ مرا حسنؑ و حسینؑ چناں کہ نام داشت بدو ہارون فرزندان خود را

روایت کرد ابنِ سعد از عمران ابنِ سلیمان کہ گفت حسن وحسین دو اسم اند از اسماد جنّت ونام نداشتہ شدند اہلِ عرب بآں ہا در جاہلیت

روایت کرد ابن سعد وطبرانی از عائشہ رضی اللہ عنہا بدرستیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود خبر داد مرا جبرئیل بدرستیکہ فرزندِ من حسین مقتول شود بعد من در زمین طف وآمد من بدان

ہیں سب سے محبوب میرے نزدیک حسنؑ وحسینؑ ہیں۔

احمد وابن ماجہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے راوی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حسنؓ اور حسینؓ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔

ابو یعلی حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو خوش معلوم ہو کہ وہ جنّتی جوانوں کے سردار کی طرف دیکھے اُسے چاہئیے کہ وہ حسنین کی طرف دیکھے

بغوی اور عبد الغنی حضرت سلمان رضی اللہ عنہٗ سے راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ہارونؑ نے اپنے صاحب زادوں کا نام شبرؑ وشبیرؑ رکھا اور میں نے اپنے فرزندوں کا نام حسنؑ وحسینؑ رکھا جیسا کہ یہی نام ہارونؑ نے اپنے فرزندوں کا رکھا۔

ابن سعد عمران ابن سلیمان سے راوی فرمایا حسن اور حسین جنّت کے ناموں میں سے دو نام ہیں زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کا یہ نام نہیں رکھا گیا۔

ابنِ سعد وطبرانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو جبرئیل نے خبر دیا کہ میرا فرزند حسینؓ میرے بعد سرزمین طف میں شہید ہوگا وہاں کی خاک بھی

حضرت مولانا عبدالحی احقر بنگلوری
خلیفہ حضرت قطب ویلور رح

علیم صبا نویدی بی، اے،

دکن اور اردو کا رشتہ اس قدر قدیم اور مسلّم ہے کہ اس کے ثبوت کے لیے تاریخی حوالہ جات کی آج ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے۔ اس پر تاریخ ادب اردو کا ہر محقق اپنی پوری ذہنی توانائی اور روشنائی خشک کر چکا ہے تاہم قندِ مکرّر کے طور پر کچھ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا۔

سلطان علاءُ الدین خلجی (1296ء تا 1316ء) کے مشہور سپہ سالار ملک کافور نے 1309ء میں سب سے پہلے کرناٹک فتح کیا اور علاءُ الدین کی وفات 1317ء کے بعد دوبارہ محمد بن تغلق نے 1361ء میں کرناٹک پر فتح و کامرانی حاصل کی تو اس کے فوجیوں کے ہمراہ مختلف زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان بھی سیاسی، تجارتی اور لشکری مقاصد کے تحت شمالی ہند سے کرناٹک میں داخل ہوی۔ اس دَور میں شمال اور کرناٹک کے تعلقات میں بہت وسعت اور کشادگی پیدا ہوتی گئی۔ (بالخصوص 1400ء میں جب کہ سلطان فیروز شاہ بہمنی نے وجیا نگر کی شہزادی سے بیاہ رچا کر دو سلطنتوں کے درمیان تعلقات استوار ہی نہیں کئے بلکہ وجیا نگر کے قلمرو نے مسلمانوں کو ملازمتیں بھی دیں) جس کی وجہ سے اردو زبان کے بولنے والے کرناٹک کے مختلف مقامات پر پھیلتے چلے گئے۔

1490ء اور 1686ء کے دوران بیجاپور میں عادل شاہی اور 1508ء تا 1687ء کے دوران گولکنڈہ میں قطب شاہی حکومتیں قائم رہیں۔ 1565ء میں تالیکوٹ کی جنگ کے بعد علاقۂ کرناٹک میں مسلمان حکومتیں پہلے کی بہ نسبت اپنا اثر و نفوذ اور زیادہ مستحکم کرنے لگیں۔ مسلمانوں کے مذہب، تہذیب اور تمدن کے ساتھ ساتھ اردو زبان کرناٹک کے دور دراز علاقوں میں پھلنے پھولنے لگی۔ اس عام رجحان اور ان عمومی اثرات سے میسور کا علاقہ مستثنیٰ نہیں تھا۔ چنانچہ 1761ء میں سلطنتِ خداداد کے قیام سے پہلے کرناٹک کے شعراء، ادباء اور علماء نے اردو زبان کی ترقی اور نشو و نما میں بڑی خاص توجہ دی۔ جن میں شمالی ہند، ترکستان، ایران اور عرب کے اہلِ علم و کمال کے علاوہ خود کرناٹک میں

عبدالمومن مومن[1] (عادل شاہی دور کا آخری شاعر) اور شاہ محمد صدرالدین[2] فرزند میراں شاہ ولی اللہ المتوفی 1146ء مدفون آدم پہاڑی۔ شمالی آرکاٹ قابل ذکر ہیں۔

قیام سلطنت خداداد کے بعد عہد حیدری 1761ء تا 1782ء میں محمد سعید عاصی المتوفی 1753ء سید محمد شاہ تیر، خیر اللہ شاہ قادری خادم، فضل اللہ فقیر[3]۔ سید حسین علی شہباز[4]، احمد خان شیرانی، لالہ مہتاب رائے سبقت[5] اور محمد مخدوم شاکر وغیرہم نے اردو کے شعری سرمایہ میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اردو زبان وادب کی بے لوث خدمت بھی کی۔ ان شعراء میں چند ایک میدان طریقت کے بھی شہ سوار تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شمالی ہند میں آبرو (المتوفی 1733ء)، فائز دہلوی، المتوفی 1738ء اور خان آرزو 1756ء کا دور ختم ہو چکا تھا اور حاتم 1783ء، میر درد المتوفی 1784ء، مرزا رفیع سودا المتوفی 1781ء، میر حسن المتوفی نہیں معلوم سنہ ھ، میر تقی میر المتوفی 1810ء، میر سوز المتوفی 1798ء اور قلندر بخش جرأت المتوفی 1809ء کا اردو شعر وادب میں بہت شہرہ تھا۔ اس کی شہادتیں ہمیں اس دور کے لکھے ہوئے تذکروں میں ملتی ہیں۔

دور ٹیپو سلطان (1782ء تا 1799ء) میں زین العابدین[6] (میر منشی ٹیپو سلطان)، حسن علی عزت[7]، سید عارف شاہ قادری[8]، میر حسن علی کرمانی[9] حاکم، شاہ کمال الدین کمال[10]، محمد علی مہکری[11] خانہ زاد، محمد اسحاق[12] اور عبدالحق[13] جیسے شعراء ادباء اہل علم اور اہل فضل نے اپنی تصنیفات اور تالیف کے ذریعہ اردو شعر وادب کے ایک چھوٹے علاقے کی حدود اربعہ کو خاطر خواہ وسعت بخشی۔

حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا زمانہ بہت مختصر سہی پھر بھی اس عہد میں اردو زبان کے شعر وادب اور علم وفن کی سرپرستی اور قدردانی بہت زیادہ ہوئی۔ حالاں کہ اس عہد کی دفتری زبان فارسی تھی۔ لیکن ٹیپو سلطان کی جامع الصفات اور علم دوست شخصیت کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ موصوف نے

٭ المتوفی 1186ھ۔ مصنف "انتباہ الطالبین"

[1] مصنف مثنوی "اسرار عشق" (1682ء م 1093ھ) مختصر تاریخ ادب اردو۔

[2] مصنف "مصباح الانوار" نظم "شرح مصباح النور"۔ [3] مصنف "چہار کرسی طریقت"

[4] مصنف "بڑی چہار کرسی" [5] مصنف "مہتاب سخن" (فارسی) "شمع مجلس" (اردو)

[6] مصنف "المجاہدین" 1781ء [7] مؤلف "مفرح القلوب" جس میں موسیقی کے قواعد دکھائے گئے ہیں۔

[8] مصنف "حقوق المسلمین" 1224ھ اور مثنوی "مطلوب المریدین" 1230ھ ٹیپو سلطان کے حکم پر رسالہ احکام النکاح بھی ترتیب دی گئی۔

[9] مصنف "نشان حیدری"۔ [10] "مخزن العرفان" 1913ء۔ [11] مصنف "گنج شائگان" 1806ء

[12] مصنف "ریاض العارفین" ۱۲۷۶ھ [13] مصنف "چھوٹی چار کرسی" جو آج بھی اکثر گھروں میں ہر جمعرات عورتیں پڑھتی ہیں۔

نے اپنے دور میں مذہبی تعلیم کے علاوہ دوسرے بہت سارے علوم وفنون مثلاً فلسفہ، ریاضی، نجوم، طب کی تعلیم وتدریس کے لیے سری رنگ پٹن میں "جمیع الامور" نامی درس گاہ قائم کی۔ سلطان کو چوں کہ مختلف علوم پر کافی دست گاہ حاصل تھی اور تصنیف وتالیف سے بہت گہرا لگاؤ تھا لہٰذا موصوف نے شعر وشاعری کے علاوہ نثری تصانیفات اور تالیفات پر خاص توجّہ دی۔

کرناٹک کے مسلم حکم رانوں کی طرح راجگانِ میسور نے بھی اردو زبان کی بھرپور سرپرستی کی۔ چنانچہ ٹیپو سلطان کی شہادت 1799ء کے بعد مہاراجہ کرشنا راج اوڈیار اور اس کے متبنیٰ چامراج اوڈیار (تخت نشینی 1868ء میں) کے عہد میں بھی اردو کی ہر دل عزیزی اوج پر تھی۔ اس دور کے معروف ادبا وشعرا میں میر حیات[1] میسور المتوفی 1864ء، سید عبد اللطیف[2] لطیف آرکاٹی المتوفی سنہ 1876ء، محمد قاسم[3] غم المتوفی 1861ء، محمد حسین[4] نسیم میسوری المتوفی 1888ء، محمد عبد الرحمٰن[5] دل المتوفی 1899ء، عبد الحق[6] تحقیق المتوفی 1900ء، عبد الحفیظ[7] آرام المتوفی سنہ، سید[8] شہاب الدین شہاب المتوفی سنہ 1905ء، محمد غوث[9] جادو المتوفی سنہ 1907ء، بڈھن[10] شریف آثم المتوفی 1918ء، منشی قلندر حسین[11] اطہر، مولانا عبد القادر[12] علی صوفی 1896ء (فرزند مولانا عبد الحی احقر بنگلوری)، عبد اللہ[13] مستان المتوفی 1913ء اور مولانا شاہ عبد الحی احقر بنگلوری المتوفی 1882 قابلِ ذکر ہیں۔ ...... مگر ان سب میں علم وفضل اور شرف وکمال کے اعتبار سے جو مقام ومنزلت حضرت مولانا عبد الحی احقر بنگلوری کو حاصل ہے وہ کسی اور کے مقدّر

---

[1] مصنف "مصباح الحیات" 1870ء، "خمسۂ حیات" 1861ء، "شمع محفل"، "تعلیم نسواں" [2] دیوانِ لطیف

[3] مصنف "مثنویٔ غم" مطبوعہ 1853ء، مدیر "قاسم الاخبار" 1861ء یہ میسور کا پہلا اردو اخبار تھا جس کے تیئس سے زیادہ شمارے منظرِ عام پر آئے۔ [4] "دیوانِ نسیم" غزلوں کا مجموعہ ہے لیکن مثنوی اور نثری تحریریں جس سے نسیم کی شخصیت اور فن کے نمایاں خد وخال اُجاگر ہوتے ہیں۔ آج تک کتابی صورت نہ دیکھ سکے۔ اگر نسیم کی معرکۃ الآرا تخلیقات منظرِ عام پر آجائیں تو نسیم کے مقام کے تعین میں بہت آسانی ہوگی۔ [5] مصنفِ "خطباتِ اسلام" [6] مدیر "شمع سخن" 1884ء، [7] مدیر "ترغیب" 1889ء، "رسالۂ نسواں"، [8] مولانا شہاب ویلور میں پیدا ہوئے۔ مولوی غلام قادر مدراسی کی خانقاہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، حضرت قطبِ ویلور سے بیعت وخلافت کی منور منزلیں طے کیں۔ قطبِ ویلور کی مشہور کتاب "جواہر الحقائق" پر آپ نے مقدمہ لکھا۔ آپ کے مریدین کی خاصی تعداد جنوبی ہند میں پھیلی ہوئی ہے۔ [9] مصنف "کلام جادو" 1335ھ، [10] مصنف "قواعد الاسلام"، "شہادت نامہ"، "رسولِ مقبولؐ" اور "میزانِ منطق"۔

(بقیہ حاشیہ ص151 پر)

ہیں نہیں۔ درحقیقت حضرت احقرؔ نے علم و ادب کی بالخصوص اردو زبان و ادب کی اشاعت و ابلاغ میں اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ صرف کر دیا۔ آپ ہی کی واحد ذات تھی جس کی بدولت اسلامیات کا بہت زیادہ ذخیرہ اردو نظم و نثر میں منتقل ہوا۔ یہ تاریخ کی ایک ستم ظریفی ہے کہ بعض اوقات مصنف کی اپنی تصانیف اس قدر مشہور ہو جاتی ہیں کہ اُن کی منوّر روشنی میں قاری کو صاحبِ تصنیف کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ کچھ ایسا ہی معاملہ مولانا عبدالحئی احقرؔ بنگلوری کے ساتھ بھی پیش آیا۔ آپ کثیر التصانیف شاعر و ادیب ہونے کے باوجود آپ کی زندگی کے مفصل حالات اور فن و شخصیت کے بسیط نورانی خد و خال آہستہ آہستہ نظروں سے اوجھل ہوتے جا رہے ہیں۔ حالاں کہ آپ اپنے دَور کے شعلہ بیان مقرّر، معتبر مفسّر، مستند محدّث، قابلِ فخر مورّخ، صاحبِ طرز سوانح نگار اور مقبول ترین انشاء پرداز بھی تھے۔ ۔۔۔۔ اس بیش بہا خزانے کا پتہ لگانے کا شرف میسور کے ممتاز و منفرد محقق مولانا مولوی ڈاکٹر سید قدرت اللہ صاحب باقوی کو حاصل ہے۔ آپ نے حضرت شاہ عبدالحئی الحسینی لکھنوی المتوفی سنہ ء مصنفِ "نزہۃ الخواطر" (سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ والدِ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی) پر جس طرح قابلِ قدر اور معلوماتی و تحقیقاتی روشنی ڈالتے ہوئے بعض اہم نکات پیش کئے ہیں اُسی طرح شاہ عبدالحئی احقرؔ بنگلوری پر بھی بڑی عرق ریزی، جانفشانی اور ژرف نگاہی کا بیّن ثبوت فراہم کرتے ہوئے تحقیق اور تالیف کا بھرپور حق ادا کیا ہے۔ تاہم کوئی بھی تحقیق حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ اس میں بہت سے اضافوں اور گنجائشوں کو نئی راہیں ملتی رہتی ہیں۔ اس لیے راقم الحروف نے بھی مولانا عبدالحئی احقرؔ واعظ بنگلوری پر ایک تحقیقی نظر ڈالنے کی جسارت کی ہے۔

سلطنتِ خداداد کی تباہی کے بعد انگریزوں کا ظلم و ستم عروج پر پہنچا تو کئی معزز مسلم خاندان اس کی زد میں آئے۔ حضرت مولانا احقرؔ بنگلوری کے آبا و اجداد مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے دور سے سلطنتِ خداداد تک بہت اہم اور اعلیٰ منصبوں پہ فائز تھے۔ آپ کے والد ابراھیم بیگ تریکیرا (Terikira)

---

۱۱ [بقیہ حاشیہ صفحہ 150 سے آگے] ۱۱ "جنان السبّر" پر موصوف کا مقدمہ موجود ہے جس سے اطہرؔ کی بہترین نثری صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۲ حسّانؔ قطبؒ ویلور کے غائبانہ مرید تھے اور اپنی تالیف "گلشنِ رحمانی" میں موصوف نے اپنے پیر و مرشد سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطبؒ ویلور کا ذکر نہایت احترام و خلوص کے ساتھ کیا ہے۔

کے عمل دار تھے، دادا گلان زرگ کے آصف، پردادا قادر علی بیگ اعظم پور کے عمل دار تھے حضرت احقرؔ کے والدہ کا سلسلۂ نسب سات گڈھ بمقام پیاری بیگم پیٹ (اب یہ نام بٹ کے نام سے منسوب ہے) شمالی آرکاٹ کے مشہور صوفی بزرگ شاہ آدمؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد زوالِ سلطنتِ خداداد کے بعد اپنے فوجی منصب سے معزول ہوکر اپنی سسرال بنگلور آئے جہاں حضرت احقرؔ کی ولادت سنہ ۱۲۳۴ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کا ماحول دینی اور علمی تھا۔ آپ نے اپنے والدین سے جہاں ددھیال کی بہادری، شجاعت اور جوانمردی کے سنہرے واقعات سُنے وہاں ننیہال کے صوفیانہ رنگ ڈھنگ، تقویٰ پرہیزگاری سے آگاہی حاصل کی اس لیے عہدِ طفلی ہی سے آپ میں ہمّت اور دلیری کے ساتھ علم وعرفان زہد وتقویٰ، جذبۂ دین داری اور حمیّتِ اسلامی رچی بسی ہوئی تھی۔ چناں چہ آپ کی تمام تر تخلیقات میں اس کی نمایاں جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہی ہوئی۔ بعد میں آپ بنگلور کے ایک مشہور عالمِ باعمل حضرت سیّد شاہ سجّاد شطّاری سے وابستہ ہوئے۔ موصوف کے دامانِ تربیت میں آپ کی شخصیت کے نقوش خوب سے خوب تر نکھرے اور یہیں سے آپ کو علوم وفنون کا ذوقِ سلیم عطا ہوا۔ جب آپ نے بنگلور میں رہ کر علومِ ظاہری سے فراغت حاصل کرلی تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ویلور (شمالی آرکاٹ) کا رُخ کیا۔ اس دَور میں ویلور میں حضرت سیّد شاہ محی الدین عبداللطیف قادری (المتوفی سنہ ۱۲۸۹ھ) کی ذاتِ اقدس علم وعرفان کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ تشنگانِ علوم وفنون کے لیے آپ کی خانقاہ چشمۂ نورانی کی حیثیت رکھتی تھی۔ حضرت عبدالحئ[1] احقرؔ بنگلوری جب حضرت قطبؒ ویلور سے وابستہ ہوگئے تو شیخ کامل قطبؒ ویلور کی نگاہِ دوربین نے اس نوجوان ہونہار اور قابل طالبِ علم کے باطن میں پوشیدہ جوہرِ نایاب کا سراغ لگایا اور احقرؔ بنگلوری کا ذوقِ معرفت اور اشتیاق وطلبِ راہِ حقیقت آہستہ آہستہ رنگ لائی، جس کا اظہار بڑی والہانہ عقیدت کے ساتھ یوں کیا ہے: ؎

خصوصاً شیخ میرا قطب اشہر   یقیں اس عصر کا ہے شیخ اکبر
یقیں ایسے ہیں اخلاقِ جمیلہ   ہیں بے حد اس کے اوصافِ جمیلہ
سمجھ عبداللطیف اب اس کا ہے نام   لقب ہے محیّ الدّین[2] نیک انجام

---

[1] حضرت عبدالحئ کا نام والدین نے "بڈھن بیگ" رکھا تھا مگر قطبؒ ویلور نے آپ کا نام عبدالحئ تجویز کیا۔

ہے وہ فرزند سیّد ابوالحسن کا ہے پوتا محی الدین قطبِ زمن کا

(سر الشہادتین: مطبوعہ سنہ ۱۳۰۲ھ)

مولانا احقرؔ بنگلوری بہ فیض حضرت قطبِ ویلور نہ صرف اپنے دور کے عالمِ باعمل، صوفیٔ باصفا بنے، بلکہ دل گداز شاعر اور اصلاح پسند ادیب کی حیثیت سے آفاق گیر شہرتوں اور نیک نامی سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم سیرت "جنان السیَر" (جو دس باب میں منقسم ہے، تحریر فرمائی جو ڈیڑھ سو سال سے آج تک جنوبی ہند بالخصوص کرناٹک اور مدراس کے اکثر گھروں میں اور مجلسوں میں عورتیں ہر جمعرات بعد نماز مغرب پڑھتی ہیں اور یہ طویل بے نظیر مثنوی (جو اردو زبان میں ادب میں مثنوی مولانا روم کا نعم البدل ہے۔) بائیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ نے صحیح بخاری شریف کی شرح "فیض الباری" (سنہ ۱۲۹۲ھ) کے نام سے لکھی جو دس جلدوں پر محیط ہے۔ یہ کتاب بخاری شریف کی سب سے پہلی اردو شرح ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ مولانا احقرؔ کی جو کتابیں عالمِ شہود میں آئیں، ان میں بعض کے نام اور تعارف حسبِ ذیل ہے:

۱۔ خطباتِ[1] حرمین	جمعہ کے خطبات کا پہلا مجموعہ جو اردو میں شائع ہوا۔
۲۔ تفسیر الجواہر	مولانا کی منظوم تفسیر ہے۔
۳۔ حدیقۃ الاحباب	خلفائے راشدین کے حالات پر ایک ضخیم اور مبسوط نثری کتاب ہے
۴۔ شرحِ سر الشہادتین	حضرت امام حسینؓ کی سیرت پر ایک طویل نظم ہے۔ مطبوعہ سنہ ۱۳۰۲ھ
۵۔ خلاصۃ السیر	اسلامی تاریخ کا خلاصہ۔
۶۔ روضۃ الابرار	اہلِ بیت کی شجرہ و تاریخ پر مشتمل ہے۔
۷۔ تحفۂ مرغوب	حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحؒ کے تعلق سے بڑی معلومات افزا کتاب۔
۸۔ تذکرۃ المجتہدین	ائمۂ فقہ کے حالات پر مبنی کتاب ہے۔

---

[1] مولانا احقرؔ بنگلوری اپنے خطبات کی مقبولیت کی بدولت حضرت واعظ بنگلوری کے نام سے بھی بڑی آفاقی شہرتوں کے مالک تھے۔ مطبوعہ خطبات کی اوّلیت کا سہرا بھی موصوف کے سر ہے۔

۹۔ ریاض الازہر	سیرتِ طیبہ پر یہ دوسرا ضخیم مجموعہ ہے جس میں سات ہزار سے زیادہ ابیات موجود ہیں۔
۱۰۔ حقوق الزوجین	معاشرے کے حالات پر ایک وقیع اور جاندار نثری کتاب ہے۔
۱۱۔ نصرۃ التوحد	وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود پر تفصیلی بحث اس کتاب میں شامل ہے۔ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۵ھ
۱۲۔ منہج النبوت	اہمیتِ نبوت اور اسرارِ نبوت پر اس کتاب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔
۱۳۔ فوائد قدسیہ	یہ کتاب سید الاولیاء کی منقبت اور سوانح پر مشتمل ہے۔
۱۴۔ مطلع الانوار	مطبوعہ سنہ ۱۲۹۰ھ اور کلیدِ معرفت مطبوعہ سنہ ۱۳۰۰ھ

مندرجۂ بالا کتابوں کے علاوہ حضرت احقر بنگلوری نے اپنے دور کے رجحان بدعت اور خرافات کی رد میں اور بھی بہت ساری معرکۃ آلارا کتابیں تصنیف کیں جن سے ایک طرف اردو زبان وادب کا بھلا ہوا تو دوسری طرف مسلم قوم وملت کی خاطر خواہ اصلاح بھی ہوی۔ کرناٹک سے ہٹ کر بہت پہلے یہی مبارک کام اپنی شعری تخلیقات کے ذریعہ آندھرا پردیش میں حضرت مولانا سید شاہ رحمت اللہ[1] نائب رسول (مدفون رحمت آباد) اور شہر مدراس میں حضرت مولانا باقر آگاہ[2] ویلوری اور نثر میں قاضی بدر الدولہ[3] نے انجام دیا تھا۔

مولانا مولوی ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقوی صاحب کے قول کے مطابق آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اردو ادب اور اسلامیات کی تاریخ میں آج تک کسی شاعر، ادیب، نقاد، عالم، مفسر کی اتنی کتابیں منظرِ عام پر جلوہ فروز نہیں ہوی ہوں گی، جو معیار کے اعتبار سے بھی اعلیٰ وارفع ہو اور مواد کے اعتبار سے بھی۔ ہر دور کے معاشرے میں

---

[1] موصوف کی مثنوی "تنبیہ النساء" مطبوعہ سنہ

[2] باقر آگاہ کی مثنوی "تحفۃ النساء" سنہ اشاعت

ان تینوں فنکاروں نے اپنی نثری اور شعری تخلیقات کے ذریعہ عورتوں کی ذہنی، علمی، اور دینی تربیت کا کارنامہ مولانا اشرف علی تھانوی سے بہت پہلے انجام دیا تھا

[3] قاضی بدرالدولہ مصنفِ "ریاضِ النسواں"، "فوائد بدریہ" سنہ ۱۳۵۰ھ

سانس لینے والے انسان کے لیے سودمند ثابت ہوی ہوں۔ سرزمین کرناٹک کی یہ خوش بختی ہے کہ حضرت مولانا عبدالحی احقرؔ بنگلوری کو اُس نے جنم دے کر اپنی مانگ میں نورانی اور ان مٹ سیندور بھر لیا ہے۔ جس کو وقت کی آندھیاں تو کیا کسی متعصب نقاد کی سازشیں بھی مٹا نہیں سکتیں۔

حضرت مولانا احقرؔ بنگلوری بنیادی طور پر ایک اسلامی شاعر تھے علامہ اقبالؔ کی طرح آپ کی شاعری اصلاحی اور نیک مقصدیت سے مملو تھی۔ اردو نثر سے زیادہ اقبالؔ ہی کی طرح آپ کا بھی طبعی میلان نظم کی طرف تھا۔ اقبالؔ کی نظموں کی طرح مولانا احقرؔ کی نظموں میں بھی سلاست، روانی اور اسرار و رموز کی وہ تمام تر جلوہ سامانیاں موجود ہیں۔ جو اقبالؔ کی شاعری کا نکتۂ عروج سمجھی جاتی ہیں۔ اردو ادب میں مولانائے موصوف کی بلند خیالی، احساس و جذبہ کی آئینہ گری، فکر و فن کی آفاقیت ایک اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

من حیث المجموع مولانا احقرؔ کی ذاتِ گرامی کی بدولت جہاں دینی اور اسلامی تحریروں کی کرنوں سے آسمانِ فکر و فن منوّر ہوئے وہاں دکنی اردو زبان و ادب کو بھی خاطر خواہ تقویت اور فروغ نصیب ہوا۔ مولانا کے ان احسن خدمات کو اردو ادب کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

۳ر رجب سنہ ۱۳۰۰ھ کو مولانا کعبۃ اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور موصوف کے حبِّ رسولؐ اور عشقِ نبویؐ کا کیا کہنا کہ وہ کرناٹک دوبارہ نہ واپس آ سکے۔ وہیں مدینۂ منوّرہ میں تدفین عمل میں آئی —— ••

قاضی بدرالدولہ، اردو نثر کے معمارِ اوّل

ڈاکٹر سید سجاد حسین، شعبۂ اردو، عربی و فارسی مدراس یونیورسٹی

مدراس کی سرزمین میں آج سے تقریباً دو سو سال پہلے بھی ایسی قدآور ہستیاں موجود تھیں جن کی کوششوں اور ریاضتوں سے اردو زبان کو مدراس میں پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کا موقع ملا اور یہ کہنا حق بجانب ہے کہ یہی چند ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنی محنتوں اور کاوشوں کو اردو زبان کے مزاج میں شامل کرکے ترقی کے زینے تک پہنچایا۔ اُنہیں قدآور ہستیوں میں قاضی بدرالدولہ بھی ہیں۔ قاضی بدرالدولہ کا شمار اردو نثر کے اولین معماروں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے اردو نثر کو سلیس اور آسان اسلوب سے ہم آہنگ کرکے اُسے فروغ دینے میں خون پسینہ ایک کیا۔ لیکن زمانہ نے جہاں بہت سے اربابِ قلم کو طاقِ نسیاں کے حوالہ کردیا وہاں اب ایک دو صدی کے بعد ان کی شخصیت بھی اوجھل ہوتی جارہی ہے۔

قاضی صاحب کے قابلِ لحاظ اردو کارناموں کے پیشِ نظر راقم السطور نے اس مقالے میں قاضی بدرالدولہ کی تصانیف اور ان کے اسالیب نثر کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

قاضی بدرالدولہ مرحوم ہماری پرانی تعلیم وتہذیب کے اُن نمونوں میں تھے جن کی مثال اب بہت کم ملے گی۔ ان میں علم وعمل، دین وتقویٰ، اخلاق وشرافت اور قدیم تعلیم وتہذیب کی تمام خوبیاں اور وضعداریاں جمع تھیں۔ وہ صاحبِ علم، علم دوست، علمانواز، علم وفن کے بڑے قدردان اور سرپرست تھے۔ ان کی زندگی کا اکثر وبیشتر حصہ تصنیف وتالیف میں گزرا۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی ہی سے مسلمانوں کی تمام مفید علمی، تعلیمی واصلاحی تحریکوں کے حامی اور مددگار رہے۔ کوئی معاشرہ ان کی علمی اور اخلاقی امداد سے محروم نہ تھا۔ اسلامی علوم وفنون اور مسلمانوں کی علمی تاریخ اور قدیم تہذیب سے ان کو عشق تھا اس لیے عربی اور دینی تعلیم کے علاوہ فارسی اور اردو سے بھی انھیں گہری دلچسپی تھی۔ وہ علمی وعملی دونوں حیثیتوں سے زبان کی خدمت کرتے رہے اور خاص طور پر مدراس میں اردو نثر کو رواج دینے میں موصوف کی کارکردگی

اوران کی کاوشوں کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ علمی و عملی ذوق و شوق کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں ان کے کارنامے ادب و مذہب کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ تعلیم اسلام کا چوں کہ اُن پہ گہرا اثر تھا۔ اس لیے ان کی تحریروں میں اولیاء و اصفیاء اور بزرگانِ دین کی وضعداریوں کے علاوہ حدیث، سیرۃ، فقہ، مناسکِ حج اور اخلاق و عادات کے بڑے دل کش مرقع بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے اردو کارناموں کی طویل فہرست حسبِ ذیل تصانیف پر مشتمل ہے۔ جن کو قاضی صاحب نے سہل و سلیس اردو نثر میں عام فہم بنا کر اجتماعی زندگی کا ترجمان اور علمی و مذہبی مطالب کے اظہار کا سہارا بنایا۔

۱۔ ریاض النسوان۔ ۲۔ فوائدِ بدریہ۔ ۳۔ ہشت گلزار۔ ۴۔ نثر الجواہر۔ ۵۔ خزانۂ معدلت
۶۔ رسالہ در احکام عدت۔ ۷۔ توشۂ فلاح۔ ۸۔ قوت الارواح۔ ۹۔ ترجمۂ حصن حصین
۱۰۔ فہرست النجوم۔ ۱۱۔ سیف المسلمین الہدایت الکافرین۔ ۱۲۔ گلزار ہدایت۔
۱۳۔ ہدایت نامہ۔ ۱۴۔ تفسیر فیض الکریم۔

قاضی بدرالدولہ سے پہلے یوں تو اردو نثر میں متعدد علمی و مذہبی کتابیں شمال و جنوب میں لکھی گئیں۔ لیکن ان میں اکثر و بیشتر قدیم طرزِ انشاء اور روایتی اندازِ بیان کی آئینہ دار ہیں۔ اُن میں جدید طرز کے لوازمات اور فکر و فن تلاش کرنا بے سود ہے۔ اس دور کی عام روایت کے مطابق مقفّٰی و مسجّع عبارت آرائی ہی کو اردو نثر کے اسلوب کا معیار سمجھا جاتا رہا۔ چناں چہ اس عہد کی کتابوں اور رسالوں کے مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ نثر میں سادگی، سلاست اور روانی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ دور بنیادی طور پر فارسی سے ترجمے کا دور تھا۔ جب کہ فارسی تصانیف کو اردو کے قالب میں ڈھالا جا رہا تھا۔ خیالی قصّے اور ما فوق الفطرت عناصر ادب میں جگہ پا رہے تھے۔ غرض ادب برائے ادب کا نظریہ عام ہو چکا تھا۔ اس کا مقصد خود ہنسنا اور دوسروں کو ہنسانا تھا۔ بقول مرزا محمد عسکری اُس وقت کے نثر نگاروں نے ظہوری اور بیدل کے طرز انشاء کا تتبع کیا اور اس قسم کی عبارت لکھنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ فارسی کے مروّجہ اقسام نثر یعنی مقفّٰی و مسجّع اور مرجز اردو میں بھی بے تکلف اختیار کی گئی تھیں اور جب کوئی بات نثر میں لکھنا ہوتی تو وہ نہایت رنگین اور پُر تکلف عبارت میں لکھی جاتی تھی یہاں تک کہ خطوط بھی نظم میں لکھے جانے لگے اور نظم کا یہ عام رواج اور مقبولیت، نثر کو بھی نظم نما بنائے ہوئے تھا[1]

---

[1] تاریخ ادب اردو۔ حصہ نثر ص۱۱ : مرزا محمد عسکری

غرض اردو نثر کی ابتدائی کوششوں سے فورٹ ولیم کالج کے ادبی کارناموں کے زمانے تک اردو نثر کا اسلوب تکلّف و تصنّع میں شدّت کے ساتھ ترقی کرتا چلا گیا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ اردو لکھنے والے عام طور پر وہ تھے جو فارسی میں اعلیٰ دستگاہ رکھنے کے علاوہ اس سے ذہنی طور پر قریب تر تھے۔ اس کے دفتری اور مجلسی اسباب بھی تھے۔ اس ضمن میں غلام محی الدین قادری زورؔ پروفیسر آزاد کا قول نقل کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں: "زبان اردو کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ شعراء و ادباء ہند کی کمائی ہے۔ جنھوں نے فارسی کی بدولت اپنی دوکان سجالی ہے[1] اس طرح ایک زمانے تک اردو نثر میں فارسی اثرات غالب رہے۔ اور مقفّٰی و مسجّع طرزِ نگارش ہی کو اردو نثر کا معیار سمجھا گیا۔ قاضی صاحب نے اس فرسودہ اور روایتی انداز نگارش سے روگردانی کی اور اپنا ایک خاص اسلوبِ بیان (جسے آج ہم سادہ اور رواں اردو نثر کہتے ہیں۔) کو رواج دیا۔ خصوصاً انہوں نے مذہبی اور علمی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ ان کی تصانیف و تالیفات ادبی محاسن سے خالی نہیں ہیں۔ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ انھوں نے یہ کام اس وقت انجام دیا جب کہ زبان خود اپنے معیار کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ لوگوں کو اس کا یقین بھی نہیں تھا کہ اردو جیسی کم سن اور تہی مایہ زبان میں دوسری زبانوں کے ترجمے کئے جا سکتے ہیں۔ ایسے وقت میں قاضی بدرالدولہ نے عملاً یہ ثابت کر دکھایا اور متعدد فارسی اور عربی کتابوں کو اردو کے قالب میں ڈھالا۔ الغرض مولانا کے ایک مخصوص اسلوبِ بیان اور طرز انشاء نے سادہ اور سلیس اردو نثر کی داغ بیل ڈالی۔ دوسری طرف قاضی صاحب کی تحریروں میں بعض ایسے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو آج اگرچہ متروک ہیں لیکن اس زمانہ کا اعتبار کرتے ہوئے ان کی اہمیت سکّۂ رائج الوقت کی طرح ہے۔

قاضی صاحب کی تصانیف کے مطالعے سے بخوبی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ضرورتِ زمانہ اور لوگوں کی عام بول چال کے مطابق اپنے ادب کی بنیاد رکھی اس لیے ان کی تخلیقات عام بول چال کی زبان سے قریب ہیں۔ اور ان میں روزمرہ محاورے اور ضرب الامثال کی وجہ سے بیان میں زور پیدا ہو گیا ہے۔ انھوں نے جن محاوروں کا استعمال کیا ہے ان میں اکثر و بیشتر آج بھی رائج ہیں۔ مثلاً: جان مارنا، قلعی کھلنا، حرف رکھنا، دھجیاں اڑانا۔ من مانی کرنا، فراغت پانا، لاف مارنا

---

[1] اردو کے اسالیبِ بیان ص ۱۳ : غلام محی الدین قادری : مکتبۂ ابراہیم سنہ ۱۹۲۷ھ

کوچ کر جانا۔ تہی دست ہونا۔ باز آنا۔ دست بردار ہونا۔

ذیل میں ان محاوروں کے محل استعمال کو واضح کرنے کے لیے قاضی بدرالدولہ کی تصانیف سے ماخوذ چند اقتباسات پیش کئے گئے ہیں:

۱۔ ”کسی خادم دین عیسوی نے بہ سبب عناد و ضلالت کے عام مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے ارادے پہ بڑی جان ماری اور بناوٹ سے ایک بے اصل تمہید ٹھان چند جھوٹی اور کھوٹی باتوں کو عبارت کا ملمع کر ہندوستانی زبان میں ایک رسالہ لکھا تھا پر یہ نہ سمجھا کہ آخر قلعی کھل جائے گی اور مفت میں اپنی بڑی فضیحتی و رسوائی ہوگی۔ اب وہ رسالہ اس بندے کی نظر پڑا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق و اعانت سے بطور اختصار کے سیدھی سیدھی باتوں میں لکھا۔ دیکھئے اس کی کیسی دھجّیاں اڑتی ہیں۔“

۲۔ ”پھر تمہیں برا کیوں لگتا ہے۔ تم لوگ فی الحقیقت مسیحؑ کے دین پہ کہاں ہو۔ جو مسیحی کہلاویں۔ ہاں شیطان و نفس کی پیروی میں پھنس من مانی کیا کرتے اور دل چاہے کہا کرتے ہو۔“

۳۔ ”عیسیٰؑ پر ان کا معجزہ اور ظلم ثابت کیوں نہیں کرتے جو دوسرے پہ لگاتے ہو۔ کیا خوب اپنے آقا کے حال پہ نظر اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پہ مفت حرف رکھنا وہی مثال ہوئے کہ الٹے چور کتوال ڈانٹے۔ غرض تم محمدؐ کا مرتبہ مطلق نہیں جانتے ہو۔“

۴۔ ”میں آج توبہ کرتا ہوں۔ اور اپنے باطل مذہب سے باز آتا ہوں۔ تم گواہ ہو۔ تب اس کو کلمہ محمدؐ کا پڑھایا۔ احکام و ارکانِ مسلمانی سکھلائے اور نام اس کا مرزا ہدایت بیگ رکھا۔“

قاضی صاحب کی تخلیقات میں گہرے فنّی شعور، فکر و فن اور تخلیقی کاوشیں اس قدر جاگزیں ہیں کہ ایک امڈتے ہوئے دریا کا سا احساس ہونے لگتا ہے۔ ان کے اسلوب میں روانی بھی ہے اور تخلیقی اُپج بھی دکھائی دیتی ہے۔ غرض ان کا یہ تفکّر و شعور اور علمی گہرائی اس بات کی مزید گواہی ہے کہ ایک سطحی علم رکھنے والا کوئی انسان تخلیقی مسائل کے بارے میں اس طرح سوچ نہیں سکتا۔ بنیادی طور پر قاضی بدرالدولہ کی تصنیف و تالیف کا مقصد محض تخلیق کرنا نہیں بلکہ شریعت و طریقت، اخلاق و تصوف کے مسائل کو عوام و خواص میں روشناس کرانا تھا۔ اس لیے ان کی

تخلیقات ادبی لحاظ سے کم مایہ معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن علمی و دینی تحریروں کی حیثیت سے ان کا نام تاریخ ادب میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ ان کی تخلیقات قدیم اردو ادب میں گوہرِ شب چراغ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور یہ واقعی ایسی یادگار ہیں جس کے بغیر ادب اپنی قدیم خوبیوں اور پرانی قدروں سے تعلق رکھے بغیر ارتقائی منازل طے نہیں کر سکتا۔

نیز قاضی صاحب کی تصانیف کی حیثیت ایک پُل کی سی ہے، جس پر سے گزر کر نئے اسلوب و طرز نگارش نے اپنی راہ نکالی۔

اردو ادب قاضی صاحب کے اس احسانِ عظیم کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

چناں چہ جمیل جالبی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

”قدیم اردو مصنفین کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے جنھوں نے اپنی صلاحیتوں کو اردو زبان کے مزاج و خون میں شامل کر کے اُسے آگے بڑھایا۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کرتے اور اس زبان کو اپنے اپنے انداز میں اپنی اپنی ضرورت کے مطابق استعمال نہ کرتے تو یہ زبان وقت کی قبر میں کبھی کی دفن ہو چکی ہوتی۔“[لہ]

غرض مذکورہ بالا مباحث کے پیشِ نظر قاضی صاحب کا شمار اگرچہ ابتدائی نثر نگاروں میں ہوتا ہے تاہم ان کی تحریریں سلاست اور روانی کا ایک حسین سنگم ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کی ادبی اہمیت مسلّم ہو گئی ہے۔ اور ان کا نام اردو ادب میں ابتدائی اردو نثر کے معمارِ اول کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ••

بقیہ ”آفتاب دکن“: ص 223 سے آگے:۔

اور دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے بروز پنجشنبہ، یکم جمادی الاول سنہ ۱۳۳۶ھ بعد نماز مغرب دکن کا یہ چمکتا ہوا آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شہر کی معروف مسجد مکہ مسجد میں ہزاروں لوگوں نے بعد نمازِ جمعہ نمازِ جنازہ ادا کی اور بعد نماز مغرب جامعہ نظامیہ کے وسیع میدان میں تدفین عمل میں آئی — ••

[لہ] ماخوذ از ”تاریخ ادب اردو“: ڈاکٹر جمیل جالبی۔

محدّثِ دکن

سیّد عبداللہ شاہؒ کے ملفوظات و مؤلفات پر ایک نظر

ڈاکٹر محمد مصطفےٰ شریف - استاذ شعبۂ عربی، فارسی، اردو - مدراس یونیورسٹی - مدراس

حضرت سیّد عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو عربی، فارسی اور اردو پر یکساں عبور حاصل تھا۔ تفسیر، حدیث اور فقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علم تصوف میں کامل درک تھا۔ ایک طرف اگر آپ کی عارفانہ زندگی ترکِ دنیا کا مفہوم پیش کرتی ہے تو دوسری طرف آپ کا تفقہ فی الدین یہ بتاتا ہے کہ راہِ طریقت کے رہبر علومِ شرعیہ میں کسی سے کم نہیں ہوتے۔ آپ کے ملفوظات، تصانیف و مکتوبات آپ کی علمی قابلیت پر شاہدِ عادل ہیں۔ تفہیم کا طریقہ اور بیان کا سلیقہ جیسا آپ کو ملا ہے، شاید کم ہی کو ملا ہوگا۔ آپ کی تصانیف میں موعظت و تفہیم کا رنگ زیادہ اجاگر ہے۔ زبان میں بڑی روانی اور سلاست ہے۔ طرزِ تحریر نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ اندازِ بیان دل نشین اور تاثر بے مثال ہے۔ شریعت کا مسئلہ ہو کہ طریقت کی بات ہر ایک کو عالمانہ انداز میں بیان فرماتے اور گفتگو کا محور قرآن و حدیث رہتا۔ مزید وضاحت کے لیے بزرگانِ سلف کے اقوال، حکایات اور مثالیں بیان کرتے۔ فارسی ادب سے بھی آپ کو گہری دلچسپی تھی۔ اس کا ثبوت آپ کی تصانیف میں عیاں ہے۔ مواعظِ حسنہ و دیگر کتب میں فارسی شعراء کے کئی اشعار موجود ہیں۔ جن میں قابلِ ذکر فردوسیؔ، رومیؔ، سعدیؔ، حافظؔ ہیں۔

مختلف موضوعات پر آپ نے چھوٹی بڑی پندرہ کتابیں لکھیں اور سبھی کو قبولیتِ عامہ کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی زندگی کی شاہکار تصنیف "زجاجۃ المصابیح" ہے۔ جس کو عالمِ اسلام میں بڑی قدر سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی مؤقر کتاب کی وجہ سے آپ کو "محدّثِ دکن" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کی تصانیف کی فہرست حسبِ ذیل ہے :-

۱۔ زجاجۃ المصابیح (عربی پانچ جلدوں میں) ۲۔ مواعظِ حسنہ (دو جلدوں میں)
۳۔ فضائلِ نماز ۴۔ فضائلِ رمضان ۵۔ میلاد نامہ ۶۔ یوسف نامہ
۷۔ قیامت نامہ ۸۔ معراج نامہ ۹۔ شہادت نامہ ۱۰۔ کتاب المحبّت
۱۱۔ علاج السالکین ۱۲۔ گلزارِ اولیاء ۱۳۔ بہارِ تصوّف ۱۴۔ سلوکِ مجددیہ
۱۵۔ جام۔

چوں کہ "زجاجۃ المصابیح" کا تفصیلی تعارف مقصود ہے۔ اس لیے اس کو آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔ ذیل میں چند اہم تصانیف کا اجمالی تعارف ہدیۂ قارئین ہے :-

۱۔ **مواعظِ حسنہ** : یہ آپ کے ملفوظات ہیں۔ جن کو خلیفۂ مجاز مولانا سید عبدالرؤف مسافر رحمۃ اللہ علیہ نے دو جلدوں میں جمع کیا ہے۔ جلدِ اوّل جو ۳۵۷ صفحات پر مشتمل ہے، کو فاضل مرتب نے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۷۴ ہجری کو مکمل کیا۔ جلدِ دوّم جو ۳۹۱ صفحات پر مشتمل ہے اس کی ترتیب کا کام ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۳ ہجری کو مکمل ہوا۔ مواعظِ حسنہ دراصل "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" کی تفسیر ہے۔ حضرتِ ممدوح کا معمول تھا کہ حاضرینِ مجلس کی استعداد و فہم کے لحاظ سے کسی ایک عنوان کا انتخاب فرما لیتے اور اسی پر گفتگو جاری رہتی تھی۔ اثناءِ گفتگو متعلقہ قرآنی احکایات و احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان فرماتے اور بات کو ذہن نشین کرانے کی غرض سے متعدد حکایات بیان فرماتے۔ مختلف مجالس کے مواعظ و ارشادات کو آپ کے خلیفۂ مجازی نے بلحاظِ حروفِ تہجی ترتیب دیا ہے۔ دونوں جلدوں میں عنوانات "الف" سے شروع ہو کر "ی" پر ختم ہوتے ہیں۔

جلدِ اوّل میں "الف" کے تحت جن عنوانات کو باندھا ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں دی گئی ہے
اتفاق و محبت ، احسان ، احوال و کیفیات ، آخرت ، اخلاص ، ادب ، اسبابِ زندگی ، اسراف ، اطاعت و فرماں برداری۔ اعمال نامہ۔ امامت۔ امانت و خیانت۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ انسان۔ اولیاء اللہ۔ اہل و عیال۔ ایثار۔ ایمان۔ اسی طرح "ب" کے تحت کچھ عنوانات اس طرح ہیں۔ بخل۔ بغض و کینہ۔ بہتان۔ وغیرہ۔

آخر میں حرفِ "ی" کے کچھ عنوانات یوں ہیں :- یتیم۔ یقین۔ یکسوئی وغیرہ۔

جلدِ دوم میں بھی اسی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ لیکن عنوانات بدلے ہوئے ہیں۔ جیسے یہاں "الف" کے تحت عنوانات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اتباعِ سنّت۔ احسان واحوال۔ آخرت۔ اخلاص اخلاق وآداب۔ آدابِ مسجد و اذان۔ ارشادات۔ اسبابِ زندگی۔ استغفار وشرائط واستغفار۔ اسراف وبخل۔ اسلام اسمائے گرامی۔ اصطلاحات تصوّف۔ اطاعت واعتکاف۔ اعتدال۔ آفات ومصائب انقلابِ عالم۔ اللہ تعالیٰ کی مرغوب صفات۔ اوامر ونواہی۔ آم۔ انجام زندگی۔ انسان انصاف۔ اوراد ووظائف۔ اولیاء اللہ۔ ایصالِ ثواب، ایمان۔

اگرچہ بعض عنوانات دونوں جلدوں میں مشترک ہیں۔ لیکن دونوں کی تفصیلات جدا جدا ہیں۔ مثلاً "الف" کے تحت "احسان" دونوں جلدوں میں موجود ہے۔ لیکن دونوں مواعظ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جلد اول کے "احسان" کا بیان حسبِ ذیل ہے۔ فرماتے ہیں:

"بندگانِ خدا کی حاجت روائی اور اُن کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتے رہو جس پر تم احسان کروگے وہ تمہارا دوست بلکہ غلام ہو جائے گا۔ اور احسان ہلاکتوں سے بچاتا ہے۔ شعر ؎

باحسان آسودہ کردن دلے بہ از الف رکعت بہر منزلے

محسن کا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے احسان کو چھپائے رکھے اور محسن الیہ کا ادب یہ ہے کہ وہ احسان کو ظاہر کرے اور ہمیشہ کے لیے ممنونِ احسان رہے۔ ایک مسلمان سب پر احسان کیا کرے۔ یہاں تک کہ اس کے پاس بکری ہو اور اس کے ساتھ صلۂ رحمی نہ کرے تو وہ محسنین میں سے نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت پر اس لیے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلّی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی۔ نہ تو اس کو کھانا کھلایا اور نہ پانی پلایا اور نہ اس کو چھوڑ دیا کہ وہ حشرات الارض کو کھا لیتی۔ بخلاف اس کے ایک بدکار عورت نے جنگل میں ایک کتّے کو دیکھا کہ پیاس سے مر رہا ہے۔ ڈول ورسّی اس کے ساتھ نہ تھے لیکن اس نے اپنے موزے کو ڈول اور اوڑھنی کو رسّی بنا کر کتّے کو پانی پلایا۔ اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالےٰ اس پر رحم فرمایا اور اس کی مغفرت کردی۔ دیکھا آپ نے اللہ تعالےٰ کس طرح احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں۔

(مواعظ حسنہ جلدِ اول۔ ص۳۴ و ص۳۵)

جلدِ دوّم "الف" کے تحت "احسان" میں فرماتے ہیں:

"حضرت محمد جعفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ خدا کو احسان سے خوش کر دینا ہزار رکعت نفل نماز سے بہتر ہے اور فرماتے ہیں کہ نیک آدمی پر احسان کرنے اور اس کو کچھ دینے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور دینے والے کے مال میں برکت ہوتی ہے۔ اور بد آدمی پر احسان کرنے اور اس کو کچھ دینے سے اس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ شعر ؎

بہ ہر نیک و بد بذلے کن کہ سیم و زر — کہ آں کسبِ خیر است و ایں دفعِ شر

(مواعظِ حسنہ جلد دوم: ص ۱۲)

۲ **فضائلِ رمضان**: یہ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی ۱۵۰ صفحات فضائلِ رمضان پر مشتمل ہے اور آخری صفحات میں تین مواعظ ہیں۔ کتاب میں عنوانات کی فہرست موجود نہیں ہے۔ سب سے پہلے: یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ..... الخ پر بحث کی ہے۔ شمسی و قمری نظام کو سمجھاتے ہوئے قمری نظام کی اہمیت و افادیت کو بیان فرمایا ہے۔ و نیز رمضان مبارک کے خصوصی اعمال جیسے تراویح۔ اعتکاف، جمعۃ الوداع۔ شبِ قدر، سحر و افطار پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ روزہ کے دنیوی اور اخروی فوائد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"صاحبو! روزہ میں صرف آخرت ہی کا فائدہ نہیں ہے بلکہ دنیا کا بھی فائدہ ہے۔ بیہقی رح کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بندہ میرے لیے روزہ رکھتا ہے تو میں اس کے جسم کو تندرست رکھتا ہوں۔ (حدیثِ قدسی)

حدیث سننے کے بعد اور کسی کا قول سنانے کی ضرورت نہیں۔ مگر آج کل زمانہ کا رنگ کچھ ایسا بگڑا ہے کہ بغیر یورپ کی تحقیق کے تسکین نہیں ہوتی، وہ بھی سُن لیجیے۔ شکاگو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر مسٹر کارسن نے تین دن تک مسلسل تجربہ کرنے کے بعد ثابت کیا ہے کہ قیامِ شباب اور اعادۂ شباب کے لیے روزہ رکھنے سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ہے۔ پروفیسر مذکور سب سے پہلے پندرہ دن کا مسلسل فاقہ تجویز کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کے بعد جب انسان کھانا شروع کرتا ہے تو معدہ سے زیادہ لعاب پیدا ہوتا ہے اور تمام اعصاب و عضلات زیادہ قوت سے کام کرنے لگتے ہیں۔ انھوں نے خود پر اس کا تجربہ کیا اور متعدد طویل فاقوں کے بعد وہ خود کو بہت زیادہ قوی اور چست و چالاک اور جوانی سے قریب پاتے ہیں۔ گاندھی جی نے کہا: برت (روزہ) سے پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ دماغ اور روح کو تقویت پہنچتی ہے۔ حواس پر انسان قابو حاصل کر لیتا ہے۔ اس بیان پر بڑے بڑے ملحدین کی گردنیں جھک گئیں اور ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ بے شک برت (روزہ) ایک زبردست روحانی حربہ ہے۔"

(جاری)

اسلام، ایمان، احسان

شیخ عبدالرحیم کاشی، قادری ویلوری

دین کے ۳ اجزاء ہیں۔ اسلام[۱] (تسلیم رب ہے۔) ایمان[۲] (تصمیم رب ہے۔) احسان[۳] (تخصیل رب ہے۔) آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک دین ایک ہی رہا۔ انبیاء بدلتے گئے دین نہیں بدلا و ساغر بدلے، مئے نہیں بدلی۔) اولادِ آدم کو آدمیت کا سبق سکھلانے اور شانِ عبدیت سے اسے شناسا کروا کر بندگی کے بلند مرتبے پر اسے فائز کرنے اور برقرار کرنے کے لیے ربّ اعلیٰ نے تربیت کا ذریعہ جو پسند فرمایا وہ تھا پیغمبروں (رسولوں) کا سلسلہ۔ حکمت یہ تھی کہ بندہ تک اس کے خالق کا پیغام متواتر رسولوں کے ذریعہ ارض کے خطّے خطّے پر نازل ہوتا رہا۔ آدمیت کی دماغی سطح اور بصیرت ہموار ہوتی رہی اور اس کی جنسی اصلی شان کی عظمت و بلندی بے نقاب ہو کر بندہ اپنے خالق سے تعلق پکڑنے کا ذریعہ پاتا رہا۔ اس طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغامبر آئے اور فرائضِ رسالت و نبوت انجام دے گئے۔ الگ الگ افسانے بنے، داستانیں بنیں اور قصص تشکیل پاتے رہے۔ قومیں بنتی گئیں، مزاجیں بدلتے رہے۔ مشکلیں اور آزمائشیں گزرتے گئے۔ آخر وہ گھڑی آئی کہ اس پیغام کو مکمل کرنا تھا اور رسولوں کا یہ سلسلہ ختم کرنا تھا تو ایک خاتم کو بھیجا

کر اب عبدیت کو اس کے اصلی کمال تک پہنچنے کی تربیت کر دے۔ اس طرح جب یہ دین "مکمل" کر دیا گیا اور "خاتمؐ" کا سہارا لے کر اپنی منزلِ مقصود پہ پہنچا تو خالق نے اس کا نام "اسلام" پسند فرمایا۔ یہ اس کی "رضا" تھی۔ نہ جانے اس دین کو اس منزل تک پہنچتے پورے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کیسی کیسی آزمائشوں سے گزرنا پڑا! ایک نظر بازگشت ڈالی جائے تو جلیل القدر انبیاء کی مقدس زندگیوں کے افسانوں کا منظر ڈرامائی تیزی سے دماغ کی آنکھوں کے سامنے گزرنے لگتا ہے۔

جب دین کا یہ پیغام آیا تو مخالفین نے طوفان مچا دیا۔ ایک سیلاب ابھرا۔ جس میں مخالفین کا کفر بہہ گیا۔ اور یہ "نوحؑ" کا سفینہ بن کر پار نکل گیا۔ ایک نمرود تھا۔ جس نے چلّا کر کہا "اس کو جلا دو"۔ ایسی دہکتی ہوئی انگاروں والی آگ تیار کروائی گئی جس کے شعلوں کی بلندی اور بھاپ سے فضا اتنی گرم ہو گئی کہ گرد و اکناف میں آسمان تک کوئی پرندہ اِس پار سے اُس پار نہ ہو سکا۔ کفر کی منصوبہ بندی نے ایک انوکھی ترکیب نکالی اور اس کے ذریعہ "اسلام کو آگ میں پھینک دیا گیا۔ لیکن حکمِ الٰہی سے آگ نے "دین" کی برودت قبول کر لی اور آگ کا یہ وسیع اکھاڑہ سر تا پا گلزار بن گیا اور ابراھیم کے ذریعہ اسلام پھلا اور پھولا۔ زمین پر اس کا ایک پائندہ مکان (بیت) بھی تیار کر دیا۔ اس کو ارض کے سارے مسلمانوں کے لیے جائے قرار و امن بنا دیا۔ اپنے اپنے گھروں کے سارے جھگڑے بھول کر سارے مسلمان اپنے تفرقے چھوڑ کر اس "گھر" کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہ دارالامن بن گیا۔ (ایک ترکی مشہور کہاوت ہے۔ رات کو نہر کا پانی گر سو جائے، لیکن دشمن نہیں سوتا۔) کفر خاموش رہنے والا نہ تھا۔ اپنی منصوبہ بندیاں جاری رکھا۔ سوچا اس کو اسیر کر دوں۔ للکارا، اس کو قید میں ڈال دو۔ لیکن یہ تاجِ شاہانہ پہن کر باہر نکلا۔ مصر کا خزانہ اس کے سپرد ہوا یوسفؑ کے ذریعہ اسلام "مالامال" ہوا۔ پھر کفر نے غوغا کیا، شور مچانے لگا، تاکہ اسلام کی آواز کو ڈبو دے۔ قدرت نے لحنِ داؤدی میں نغمہ بھر دیا۔ جب یہ ابھرا تو کفر کا شور خود ڈوبا، غلبہ چپ ہوا اور کفر کا لوہا داؤدؑ کی مٹھی میں گویا موم بن گیا۔ شہرت ہوئی۔ اسلام کا چرچا ہوا۔ تختِ سلیمانیؑ پر سوار اسلام ہواؤں اور فضاؤں میں اپنا اثر پھیلانے لگا۔

ایک فرعون کھڑا ہوا۔ اسلام کو مٹانے سپاہی تیار کیے گئے۔ تلواریں صیقل ہوئیں صف بندیاں ہونے لگیں۔ فرعون نے اعلان کیا۔ "کیسا اسلام؟ میں ربِّ اعلیٰ ہوں"۔ قدرت نے

کہا۔ نہیں۔ دیکھ! یہ ایک نازک اور کم زور شیر خوار کی شکل میں تیری ہی گود میں پالا جائے گا۔ ایک تابوت میں ڈال کر اس کو فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔ پہلے سے ایک مومنہ کو تیار کیا (آسیہؓ) تاکہ یہ کفر کی گود میں نہ پلے۔ تکبّر اور طاقت وری کا مذاق بن گیا۔ (قدرت کی حکمت کے کیا کہنے) جب وقت آیا تو قدرت نے پکارا: "دیکھ لو! اسلام یوں آگے بڑھے گا۔ تیرے ساحروں کی شعبدہ بازیاں ہوں گی اور اسلام کے چمکتے ہوئے ہاتھ (ید بیضا) ایک بے جان لکڑی ہو گی جو آناً فاناً زہریلا حیوان بن گئی اور کفر کے منصوبوں کو نگلنے لگی۔ فرعون نے چلّایا: اس کو فراٹیں مارتے ہوئے دریائے نیل میں ڈبونا چاہا۔ لیکن خود ڈوبا۔ اسلام پار نکلا۔ یکبار پلیٹ کر دیکھا۔ دریا کی سطح پہ فرعون کا لاشہ اُبھر آیا۔ اِدھر فرعون کا لاشہ تھا، اُدھر موسیٰ والوں کے لیے تماشا۔

عیسیٰؑ مبلغ اسلام بن کر آئے۔ بچّہ کی شکل (بن باپ کے) معجزہ نظر آیا۔ عقل والوں نے پتہ پوچھا: ماں نے کہا: اسی سے پوچھ لو: گہوارہ کا بچّہ بھی کہیں بولتا ہے۔؟ ہاں! خوب بولتا ہے اگر سببِ الٰہی شامل ہو۔ کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں۔ لو! آنے والے نے صاف کہا: "میں عبداللہ ہوں۔" سننے والے عقل مندوں نے بیٹا بنا دیا! تنازعے بڑھے۔ کفر نے کہا: اس کو پھانسی دے دو۔" صلیب پہ چڑھا دو۔ قدرت نے کہا: ہماری بھی تدبیر دیکھو: پھانسی پہ جانے کے لیے تمہیں میں سے ایک کو مقرر کر لو۔ اسلام بچ گیا۔ دوسرا صلیب پہ لٹکا۔ کفر نے نوحؑ سے مقابلہ کیا۔ اس پہ پانی نہ پھرا۔ ابراھیمؑ سے مقابلہ ہوا۔ اس کو آنچ نہ لگی بلکہ کرّۂ ارض پہ اپنا مستقل گھر بنا لیا شور وغل مچایا۔ لحنِ داؤدیؑ کے نغمہ نے اُسے چُپ کر دیا۔ اس کی طاقت سے لوہا موم بنا۔ یوسفؑ سے مقابلہ کیا تو مالامال ہوا۔ عیسیٰؑ سے مقابلہ کیا۔ پھانسی پہ نہ جا سکا۔ رسولوں میں عیسیٰؑ کا کوئی گھر نہ تھا۔ عالم کی سیر کی۔ گھوم پھر کر دیکھا اور جہاں سے آئے تھے وہیں واپس گئے۔ ارض پہ نشان باقی نہ رہا۔ ایک اشارہ بھی دے گئے کہ اب ایک خاتمؐ آئے گا اور نام بھی بتا دیا۔

انسانیت کا معیار تیار ہے۔ خاتمؐ کو قبول کرنے کے لیے۔ اس حقیقتِ منتظر کو قبول کرنے کے لیے۔ جس کو صبحِ ازل سے چُھپا چُھپا کر قدرے بہ قدر، جُز بہ جُز ظاہر کر رہا تھا۔

اب اس نورِ مجسم سے قدرت کا خطاب ہوا۔ اب وہ گھڑی آ گئی ہے کہ رسولوں کے اس سلسلہ کو ختم کر دوں اور دین کو کامل کر دوں اور خود ظاہر ہو جاؤں۔ لیکن کیسے؟ میری شکل کہاں؟ میں لامکاں ہوں! میری ذاتِ بسیط میں مادّی ترکیب کہاں؟ کس طرح پہچانا جاؤں گا!

میرا یہی فیصلہ ہے کہ بجائے من (میرے عوض) آپ ہی جائیں اور میرے بندوں سے خطاب فرماویں۔ آپؐ کی شان یہ ہوگی کہ زبان آپؐ کی ہوگی۔ کلام میرا ہوگا۔ ؎

آرے کلامِ حق بزبانِ محمدؐ است (غالب)

آپؐ نہیں کہیں گے جب تک میں نہ کہہ دوں اور نہیں کہیں گے جو میں نے نہ کہا ہو۔ حرکت آپؐ کی ہوگی لیکن ارادہ میرا ہوگا۔ کنکریاں آپؐ کے ہاتھ میں ہونگے لیکن پھینکنے والا میں ہوں گا۔ وعدہ آپؐ کا ہوگا۔ اس کا ذمّہ میرا ہوگا۔ احدیت میں مَیں اوّل، میں آخر، نبوّت میں آپؐ اوّل (حدیث: کُنْتُ نبیًّا واٰدم بین الماء والطین) اور آپؐ ہی آخر (صلّی اللہ علیٰ خاتم النبیین) جب دین کی عظمت اپنی بلندی کی منزل پہ محمدؐ کے سہارے پہنچی تو اس کا نام "اسلام" ہوا۔ یہ قدرت کا بیان ہے۔ قرآن کا کلام ہے۔

اسلام ہمارے پاس یونہی نہیں آگیا۔ آزمائشوں سے گزر کر، مصیبتیں جھیل کر ناقص نہیں کامل بن کر آیا۔ سہارا اس کو محمدؐ کا ملا اور بھروسہ محمدؐ والوں کا، محمدؐ والوں نے اس کو مضبوط پکڑا تو محمدؐ سے وفا کی۔ اور محمدؐ سے وفا کی تو خالق سے وفا کی۔ ؎

کی وفا تو نے محمدؐ سے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

انبیاءؑ اور ان کے معجزات کا سلسلہ جب تکمیل کو پہنچا تو سمٹ کر ایک جگہ قرآن کی شکل میں آگیا۔ "قرآن نہیں ہے مگر روحِ محمدؐی"، "اعجاز کا ورق ہے"۔ "کان خلقہٗ قرآن" ہے معجزہ باتوں باتوں میں ہونے لگا۔ مزاجِ اقدس میں اعجاز، مسکرائے تو اعجاز، حرکت کرے تو اعجاز چُپ رہے تو اعجاز، جنگ کرے وہ بھی اعجاز، صلح کرے وہ بھی اعجاز۔

پڑھانے کے لیے آئے۔ اول کلمہ پڑھا گئے۔ رسول پڑھتے گئے، صحابہ سُنتے رہے۔ ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

رسولؐ نے پردہ کیا تو صحابہؓ پڑھنے لگے، تابعینؒ بننے۔ تابعینؒ نے پردہ کیا تو تبع تابعینؒ بننے لگے تبع تابعینؒ نے پردہ کیا تو زہاد اور عباد بننے لگے، جب انھوں نے پردہ کیا تو ائمہ بنتے گئے ائمہ نے پردہ کیا تو صالحین بنتے گئے، صالحین نے پردہ کیا تو اولیاء بنتے گئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ نبوت کا پہلو ختم ہوچکا ولایت کا پہلو جاری ہے۔ ؎

تیرِ قضا ہر آئینہ در ترکشِ حق است
اما کشاد آں ز کمانِ محمد است

محض پانچ فرائض انجام دینے کا نام اسلام نہیں ہے۔ اسلام کو محض ان پانچ فرائض کا مترادف بنالیا۔ ہر شے کا جوہر ہوتا ہے۔ ہر عمل کی نیت یا غرض ہوتی ہے۔ اس طرح اخلاص عبادت کی روح ہے۔ بغیر اخلاص عمل بے جان ہے۔ نماز ایک ورزش ہو جائے گی۔ اور باقی نمائش ہوگی۔ علم عمل کو آواز دیتا ہے عمل جواب دے تو ٹھہرتا ہے ورنہ چل دیتا ہے۔ عمل کا ذخیرہ جمع کیا، لیکن کچھ کھوج کر دیکھا تو اخلاص ندارد۔ ؎

شیخ آئے ہیں محشر میں تو اعمال نہ دارد
جلس مال کے تاجر تھے وہی مال نہ دارد

امام ربانی مجدد الف ثانی رح شیخ احمد فاروقی سرہندی رح نے اس پر زور دیا ہے کہ اسلام کے ۳ اجزاء ہیں علم، عمل اور اخلاص۔

علم اساتذہ سے ملتا ہے۔ اور عمل بھی، لیکن اخلاص کا تعلق روح سے ہے۔ اس کے لیے جسمانی نہیں روحانی تربیت کی ضرورت ہے یہ علمائے ربانی اور حق پرستوں کا ہی میدان رہا ہے۔ جہاں اور کسی کا گزر نہیں۔ جب اسلام کی روح کم زور ہوتی گئی، اس کے خوب صورت مجسمہ پہ بدعتوں کے داغ پڑنے لگے اور اس مقدس مجسمہ کی ہئیت بگڑتی گئی تو حق پرستوں سے رہا نہ گیا آگے بڑھے، عین اسلام اور اصلِ اسلام کی بنیادی تعلیمات کی روشنی کرنے اور اس کو محفوظ کرنے کی مہم اپنے ذمہ لی یہی لوگ صوفی کہلائے۔ انھیں میں اولیاءاللہ گزرے، انبیاء اگر معصوم ہیں تو اولیاء محفوظ ہیں۔ ان میں کوئی محی الدین کہلائے جس نے دین کو تازہ حیات بخشی کوئی معین الدین کوئی قطب الدین، نظام الدین، شہاب الدین وغیرہم۔ خانقاہیں قائم کی گئیں، درس گاہیں روشن کی گئیں، اور ان کی فضا میں عینِ اسلام محفوظ ہو گیا۔ جہاں کوئی تفرقہ نہ رہا ہر فرد کو یہاں سکون ملنے لگا۔ روحیں پرورش پانے لگیں۔ مردہ روحیں زندہ ہونے لگیں، سیاسی اسلام بازاروں میں گشت کرنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ انسان کی تربیت اور ارتقاء کے لیے جو رحمت بھیجی گئی اس کی حقیقت کو نہ سمجھا (انا ارسلنٰک ....) بھیجے جانے کی دلیل ہے۔ پاس ہونے کی جو پاس نہ ہو وہ کیسے بھیجی جائے گی؟ اور بھیجی جائے وہ اپنی ہی ہو، تب کہیں بھیجی جائے گی۔ اپنی رحمت پاس والی رحمت کو عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا لیکن اس کو سیاسی اغراض کے لیے موضوع بنالیا۔ اس کے نام پر نت نئے جلوس نکالے گئے۔ نعرے لگائے، انجام دیکھ لیا کم ظرفوں نے قدر نہ کی۔ ذلیل و خوار ہوئے۔

(جاری)

جواہر السلوک

حضرت العلام مولانا شاہ سید عبد اللطیف قادری المعروف قطبِ ویلور قدس سرہٗ

اس مضمون میں تصوّف کے بہت نازک مسائل پر بحث کی گئی ہے جس کا تعلق وجود سے ہے اور یہ مسئلہ اہم ترین ہے۔ اس زمانے میں سائنس بھی صوفیا کے اقوال کی تائید کرتی نظر آتی ہے۔ یہ نہایت پیچیدہ مسائل ہیں علمائے ظاہر ان مسائل ہی کی وجہ سے صوفیاء کے منکر ہو گئے۔ اگر ان مسائل کی تشریح و توضیح کی جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے کیونکہ ان سے بہت سے دوسرے مسائل بھی مربوط ہیں۔ حضرت قطبؒ ویلور نے دوسرے صوفیا کے بیانات کا صرف خلاصہ پیش کیا ہے۔ مترجم نے حواشی میں بعض نازک مسائل کی مزید وضاحت نہایت آسان طریقے سے کر دی ہے۔ اس کو غور سے پڑھ کر سمجھ لیا جائے تو اتنا سمجھ لینا بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دے گا۔

ترجمہ و تحشیہ از: ڈاکٹر سیّد وحید اشرف کچھوچھوی، پروفیسر و صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو۔ دانش گاہ مدراس

فائدہ ١٤

انسان دراصل اسم مردمِ چشم است و مشتق است از آنَسْتُ نارًا ای اَبْصَرْتُ و مردمِ چشم را برائے آن انسان گویند کہ دیدنیہا را او می بیند و انسان عالم بجای مردم چشم است و بینائیِ حقیقی در و منحصر است لِنُرِیَہٗ مِنْ آیاتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیعُ البَصِیر۔

شیخ در فصوص میفرماید وہو ای الانسانُ لِلحقِّ بمنزلۃِ انسانِ العین من العین الذی یکونُ بہٖ النَّظرُ وہو المعتبرُ عنہ بالبصرِ فلہذا سُمِّیَ انسانًا فانّہ بہ نظر الحقُّ الی خلقہٖ فرحمہم۔ انتہی

وقیصری در شرح فصوص میگوید کما اَنَّ اِنسانَ العینِ ہوَ المقصودُ الاصلیُّ من العین اذ بہ یکون النظرُ و شاہدۃُ عالم الظاہرِ الذی ہو صورۃُ الحق کذلک الانسان ہو المقصود الاوّلیّ من العالم کلِّہٖ اذ بہ یظہرُ الاسرارُ الالٰہیۃُ والمعارفُ الحقیقۃُ المقصودۃ من الخلقِ وبہٖ یحصل اتصال الاوّل بالآخر وبالمرتبتہ یکمل مراتبُ عالم الباطن و الظاہر وفی قولہ وہو للحق ای الانسانُ

انسان اصل میں آنکھ کی پُتلی کا نام ہے اور یہ آنستُ[1] نارًا سے مشتق ہے۔ یعنی ابصرتُ (میں نے دیکھا) اور آنکھ کی پُتلی کو اس لیے انسان کہتے ہیں کہ دیکھی جانے والی چیزوں کو وہی دیکھتی ہے اور عالم کے لیے انسان آنکھ کی پُتلی ہے اور حقیقی بینائی اسی میں منحصر ہے۔ تاکہ ہم[2] اسے اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سمیع وبصیر ہے۔

شیخ[3] (شیخ محی الدین ابن عربی) "فصوص" (فصوص الحکم) میں لکھتے ہیں: انسان حق کے لیے آنکھ کی پُتلی کی طرح ہے۔ جس سے نظر پیدا ہوتی ہے اور وہ بصر سے عبارت ہے۔ اسی لیے آدمی کو انسان کہتے ہیں کیوں کہ اس سے حق اپنے خلق کی طرف دیکھتا ہے (یعنی انسان بطور آلہ ہے) پس اس پر رحم کیا۔

قیصری "شرح فصوص الحکم" میں کہتے ہیں کہ جس طرح آنکھ کی پُتلی آنکھ مقصود اصل ہے جب کہ اس عالم ظاہر کا مشاہدہ کیا جائے جو کہ حق کی صورت ہے اسی طرح انسان اس عالم کی تخلیق میں مقصود اصلی ہے۔ جب کہ اس کے ذریعہ اسرار الٰہیہ اور معارفِ حقیقیہ کا اظہار کیا جائے جو تخلیق کا اصل مقصد ہے اور اس کے ذریعہ اول کا آخر سے اتصال ہوتا ہے اور اس مرتبہ سے عالم ظاہر و باطن کے مراتب تکمیل پاتے ہیں اور یہ قول کہ وہ حق کے لیے آنکھ کی پُتلی کی

للحق بمنزلۃِ انسان العین اشارۃٌ الی نتیجۃِ قرب الفرایض وھو کونُ العبد سمع الحقِ و بصرہٗ ویدہٗ الحاصلۃِ للانسانِ الکامل عند فناءِ الذاتِ وبقائہما بہ فی مقام الفرقِ بعد الجمع وھذا اعلیٰ رتبۃً من نتیجۃِ قُربِ النوافل وھو کونُ الحق سمع العبد وبصرہٗ لانّہٗ عند فناء الصفات فانّ الانسان الذی للحقِ بمنزلۃِ انسانِ العینِ من العین ھو الانسانُ الکاملُ لاغیرُہٗ انتہی

وحدیث صحیح بخاری:

مایزالُ عبدی یتقرّبُ اِلی بالنوافل حتّٰی احببتہٗ فاذا احببتہٗ کنت سمعہٗ الّذی یسمعُ بہ و بصرہ الذی یبصربہ ویدہ التی یبطش بہا ورجلہ الّتی یمشی بہا مشیرِ قرب نوافل است دریں مرتبہ بندہ غافل است وحق آلہ و آیہٗ مارمیت اِذ رمیت ولکن اللّٰہ رمی مخبر از قرب فرایض دراں مرتبہ حق فاعل است وبندہ آلہ

وظاہر است کہ حق جل مجدہٗ در وقتِ صدور رمی از

طرح ہے اشارہ کرتا ہے قرب فرایض کے نتیجہ کی طرف اور وہ ہے بندہ کا حق کا کان، آنکھ، ہاتھ ہوجانا جو انسانِ کامل کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ فانی فی ذات اور باقی باللّٰہ ہوجاتا ہے مقام فرق میں جمع کے بعد۔

اور یہ قرب نوافل کے نتیجہ سے زیادہ بلند ہے قرب نوافل حق کا بندہ کا کان، آنکھ وغیرہ ہوجاتا ہے فنا صفات کے بعد پس تحقیق کہ وہ انسان جو حق کے لیے آنکھ کی پُتلی کے مانند ہے وہ انسانِ کامل ہے۔ کوئی دوسرا نہیں۔

بخاری کی صحیح حدیث ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعہ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سُنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کرتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اور یہ حدیث نوافل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس مرتبہ میں بندہ غافل ہے اور حق آلہ اور آیت

تم نے شئی پھینکا جب پھینکی بلکہ اللّٰہ نے پھینکا۔ قرب فرائض کی خبر دیتی ہے اس مرتبہ میں حق فاعل ہے اور بندہ آلہ

اور ظاہر ہے کہ حق جل مجدہٗ نے سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نفی رمی نمود یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو رمی نکردی و قتیکہ رمی کرد لیکن حق تعالیٰ رمی کرد چرا کہ تو آلہ بودی و من فاعل بودم و نسبت افعال حقیقتہً بسوی فاعل است و مجازاً بسوی آلہ می شود کذا فی سلوک القادریہ لمولوی رفیع الدین قندھاری صاحبِ گلشنِ راز در قربِ نوافل می فرماید: ؎

عدم در ذات خود چوں بود صافی
ازو ظاہر آمد گنجِ مخفی
حدیثِ کُنتُ کنزًا را فرو خوان
کہ تا پیدا ببینی سرِّ پنہان
عدم آئینہ عالم عکس و انسان
چو چشمِ عکس دروی شخص پنہان
تو چشمِ عکسی و او نور دیدہ
بدیدہ دیدہ را دیدہ دیدہ
جہانِ انسان شد و انسان جہانی
ازیں پاکیزہ تر نبود بیانی

یعنی عدم کہ اعیانِ ثابتہ اند آئینۂ وجود حق است و عالم عکسِ آن وجود کہ بسببِ تقابل در آئینۂ عدم ظاہر گردید و این عکس را ظلّ نیز می خوانند چہ جہاں چہ ظہور و ظلِّ بنور است و قطع نظر از نور عدم ہم جہاں ظہور عالم بنور وجودِ حقیقی است و نظر بذات خود قطع نظر است و نظر بذاتِ خود۔

سے پھینکنے کی نفی کی۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے خاک نہیں پھینکا جب کہ پھینکا بلکہ حق تعالےٰ نے پھینکا کیوں کہ تم اس وقت ایک آلہ کے مانند تھے۔ اور میں فاعل تھا اور فعل کی نسبت حق تعالےٰ فاعل کی طرف ہوتی ہے اور مجازاً آلہ کی طرف ہوتی ہے۔ جیسا کہ سلوک القادریہ مصنفہ مولوی رفیع الدین قندھاری میں ہے: صاحب گلشن راز قربِ نوافل کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ؎

عدم تھا ذات میں اپنی مصفّا
چھپا تھا جو پھر اس سے ظاہر آیا
حدیثِ کُنتُ کنزًا آ پڑھ کے دیکھو
عیاں دیکھو پھر اس رازِ نہاں کو
عدم آئینہ ہے، عکس اس کا امکاں
اور انساں مثل چشم عکس پنہاں
تو چشمِ عکس ہے وہ نور دیدہ
بدیدہ دیدہ را دیدہ دیدہ
جہاں انسان ہے انسانِ جہانی
نہیں پاکیزہ تر اس سے بیانی

یعنی عدم جو کہ اعیان ثابتہ ہیں، وہی وجودِ حق کا آئینہ ہے اور عالم اسی وجود کا عکس ہے جو کہ آئینۂ عدم میں تقابل کے سبب ظاہر ہوا اور نور سے قطع نظر عدم اسی طرح وجود حقیقی کے نور سے عالم ظہور میں ہے اور نظر خود اپنی ہی ذات کی طرف ہے۔

قطع نظر از وجود ظلمت و عدم۔ قال اللہ تعالیٰ اَلَم تَرَ اِلیٰ رَبِّکَ کَیفَ مَدَّ الظِّلَّ یعنی دیدهٔ اعتبار نمی کشائی و نمی بینی که حق چگونه وجودِ اضافی را که ظلّ و پرتوِ نورِ وجودِ حقیقی است ممتد و منبسط بر اعیانِ ممکنات گردانید و انسان ہم چو چشمِ این عکس است۔ یعنی چشمِ این عالم است چه چنان چه چیزها بچشم دیده می شود و ظاہر میگردد ہم چنان اسرارِ الٰہی و معارفِ حقیقی با انسان ظہور می یابد و آن چه مقصودِ ایجادِ عالم است۔ از انسان حاصل می شود و در انسان که چشمِ این عکس است شخص پنہان است یعنی آن شخص که در مقابل آئینه است که حق انسان العین یعنی مردمکِ این چشمِ عکس است که انسان مراد است و از کمالِ لطافت آن شخص درین دیده که انسان است مخفی است و مرئی نمی گردد و بحقیقت در صورتِ انسانی که چشمِ عالم است حق است که مشاہدهٔ جمالِ خود می نماید و انسان چشمِ عالم است که عکسِ وجودِ حق است و حق نورِ این دیده است یعنی انسان العین این دیده است

ظلمت و عدم کے وجود سے قطع نظر۔ قال اللہ تعالیٰ کیا تم نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف، کہ کس طرح سایے کو پھیلایا یعنی کیا تم اعتبار کی آنکھ نہیں کھولتے کہ حق تعالیٰ نے کس طرح وجودِ اضافی کو جو کہ وجود حقیقی کے نور کا ظل و پرتو ہے۔ اعیانِ ممکنات پر پھیلا دیا اور انسان اس عکس کی آنکھ کی مانند ہے۔ یعنی اس عالم کی آنکھ ہے کیوں کہ جس طرح چیزیں آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں اور ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح اسرارِ الٰہی اور معارفِ حقیقی انسان کے ذریعہ ظہور پاتا ہے۔ اور جو کچھ اس عالم کے ایجاد کا مقصود ہے وہ انسان ہی سے حاصل ہوتا ہے اور انسان میں جو کچھ ہے اس عکس کی آنکھ ہے۔ شخص پنہاں ہے یعنی وہ شخص جو کہ آئینہ کے مقابل ہے، یعنی حق تعالیٰ۔ کیوں کہ حق ہی انسان العین یعنی اس عکس کے آنکھ کی پتلی ہے کہ اس سے انسان مراد ہے۔ اور کمال لطافت کی وجہ سے وہ شخص اس آنکھ میں جو کہ پتلی ہے مخفی ہے۔ اور دکھائی نہیں دیتا اور حقیقت میں انسان کی صورت میں جو کہ عالم کی آنکھ ہے حق ہی ہے جو خود اپنے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے اور انسان عالم کی آنکھ ہے جو کہ وجودِ حق کا عکس ہے۔ اور حق اس آنکھ کا نور ہے یعنی اس آنکھ کی پتلی ہے۔

بدان کہ شخص کہ در آئینہ می نماید و آن صورتِ عکس کہ در آئینہ نمودہ شود چون صورتِ آن شخصِ نگرندہ است، باید کہ ہر چہ در صورتِ اصل باشد در صورتِ عکس ہم باشد و صورتِ اصل را چشمی است پس صورتِ عکس را ہم البتہ چشمی خواہد بود۔ چنان چہ در دیدۂ نگرندۂ تمام صورت عکس منطبع است در دیدۂ عکس نیز تمام صورت نگرندہ منطبع خواہد بود فامّا چنان چہ گفتہ شد مرئی نمی نماید و آن صورت منطبعہ در دیدہ عکس کہ انسانُ العینِ چشمِ عکس است و نور دیدہ عبارت از آن است باز دیدہ دارد و آن چنان کہ چشم صورت اہلِ ناظر صورت عکسِ خود است چشمِ عکس بدیدۂ اصل ناظرِ ہمان اصل است۔ پس حاصل معنی مصرع دوم از بیت چہارم چنین باشد کہ بدیدہ یعنی بانسان کہ چشم عکس است دیدۂ را یعنی بانسان کہ العین را کہ حق است و نورِ دیدہ چہ دیدہ با و می بیند دیدہ یعنی دیدۂ انسان کہ در انسان پنہان است دیدہ است یعنی بانسانِ حق را دیدہ و خود بخود نگرندۂ خودی خود است

جان لے کہ وہ شخص جو آئینہ میں نظر آتا ہے اور عکس کی وہ صورت جو آئینہ میں نظر آتی ہے وہ آئینہ میں دیکھنے والے کی صورت کی طرح ہوتی ہے کہ جو کچھ اصل صورت میں ہوگا وہی عکس کی صورت میں بھی ہوگا اور اصل صورت میں آنکھ ہوتی ہے اس لیے عکس کی صورت میں بھی آنکھ ہونا ضروری ہے۔ جس طرح دیکھنے والے کی آنکھ میں پوری عکسی صورت منطبع ہو جاتی ہے اسی طرح عکس کی آنکھ میں بھی دیکھنے والے کی پوری صورت منطبع ہو جائے گی۔ لیکن جیسا کہ کہا گیا وہ نظر نہیں آتی اور وہ منطبعہ صورت عکس کی آنکھ میں جو کہ عکس کی آنکھ کی پُتلی ہے اور اسی سے آنکھ کا نُور عبارت ہے، بھی آنکھ رکھتی ہے۔ اور جس طرح اصل صورت کی آنکھ خود اپنی صورت کے عکس کو دیکھتی ہے اسی طرح عکس کی آنکھ بھی اصل کی آنکھ سے اُسی اصل کو دیکھتی ہے۔ پس بیتِ چہارم کے مصرعہ دوم کا معنی اس طرح ہوگا۔ کہ دیدہ یعنی انسان سے جو کہ عکس کی آنکھ ہے دیدہ کو یعنی پُتلی کو جو کہ حق ہے اور آنکھ کا نُور ہے۔ کیوں کہ آنکھ اسی نُور سے دیکھتی ہے۔ دیکھا یعنی انسان کی آنکھ کو جو انسان میں پنہاں ہے دیکھا ہے۔ یعنی انسان کے اندر حق کو حق کی آنکھ نے دیکھا اور وہ خود بخود خود اپنی ذات کا دیکھنے والا ہے۔

وانسان ماخوذ از انسان العین است ازین جہت کہ یا و می بینند و این نکتۂ عجب است کہ از وجہی حق انسان العین است و از وجہی انسان انسان العین، چون عالم با انسان کہ بجای دیدہ اوست مثل یک شخص است مسمیٰ بانسان کبیر است و انسان از آن جہت کہ خلاصہ و حقیقت و منتخب ہمہ است جہانی است۔ علاحدہ و فی الواقع ہمان نسبت کہ حق را با انسان است انسان را با جہان است یعنی جہان بانسان انسانِ کبیر باشد و انسان کہ خلاصۂ ہمہ است جہانی است علاحدہ و چنان چہ حق در انسان ظاہر گشتہ و دیدۂ وی شدہ و بدیدۂ خود خود را مشاہدہ نمود، انسان در جہان پیدا شدہ و دیدۂ جہان گشتہ و بخود خود را مفصلاً مشاہدہ کرد۔

انسان ماخوذ ہے انسان العین سے کیوں کہ اسی سے دیکھتے ہیں اور یہ نکتہ عجیب ہے کہ ایک سبب سے حق آنکھ کی پُتلی ہے اور ایک دوسرے سبب سے انسان آنکھ کی پُتلی ہے۔ کیوں کہ عالم کے لیے انسان آنکھ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تو گویا عالم ایک شخص ہے۔ (جس کی آنکھ انسان ہے۔) ایسے عالم کو انسانِ کبیر کہتے ہیں۔ اور اس سبب سے کہ انسان پوری کائنات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ وہ خود ایک الگ جہان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور حقیقت میں اللہ تعالےٰ کو جو نسبت انسان سے ہے وہی نسبت انسان کو جہان سے ہے یعنی جہان انسان کی نسبت سے انسانِ کبیر ہے۔ اور انسان جو کہ تمام عالم کا خلاصہ ہے، ایک علاحدہ جہان ہے اور جس طرح حق انسان میں ظاہر ہے اور اس کی آنکھ بن گیا اور خود اپنی آنکھ سے خود کو مشاہدہ کیا، انسان دنیا میں پیدا ہوا اور دنیا کی آنکھ بن گیا اور خود سے خود کو بطور مفصل مشاہدہ کیا۔

خلاصۂ این سخن آں کہ چون انسان مظہرِ اسم اللہ است چنان چہ اللہ من حیث الجامعیت مشتمل بر جمیع اسماء است و در تمام اسماء بحقیقت اوست کہ ظاہر است، حقیقتِ انسان کہ مظہرِ این اسم است البتہ باید کہ شاملِ جمیع مراتب عالم باشد و ہمہ حقائق مظہرِ حقیقتِ انسان باشند

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ چوں کہ انسان اسم اللہ کا مظہر ہے اس لیے جس طرح اسم اللہ جامعیت کے اعتبار سے تمام اسماءِ حسنیٰ پر مشتمل ہے اور تمام اسماء میں حقیقت میں وہی ظاہر ہے اسی طرح انسان کی حقیقت جو کہ اس اسم کا مظہر ہے ضروری ہے کہ وہ عالم کے تمام مراتب

چہ ہر مرتبہ و ہر تعیّنی مظہرِ یکی از اسماء الٰہیہ است و جمیع اسماء در تحتِ اسم اللّٰہ کہ جامعِ جمیع اسماء و صفات است مندرج اند، پس حقائق ہمہ مراتب و تعیّنات در تحت حقیقتِ انسان کہ مظہر آن اسم است۔ مندرج خواہد بود و ازاین جہت مجموعِ عالم مفصل مسمّٰی بانسانِ کبیر است زی راکہ حقیقتِ انسان است کہ بصورت ہمہ عالم ظاہر شد و بسبب این جامعیت مستحق خلافت گشتہ است زی راکہ خلیفہ باید کہ بصورتِ مُستخلف باشد در این است معنی **خَلَقَ اللّٰہُ تعالیٰ آدم عَلٰی صورتہٖ** و بحقیقت آئینہ و مجلائی حق حقیقتِ انسانی است کہ جامع جمیع مراتب جسمانی و روحانی است و عالم با سرہا مرآۃ حقیقت آن کامل است کہ تفصیل آن اجمال است و دریافت حقیقتِ این سخن وقتی مّیسر گردد کہ سالکِ واصل از مرتبۂ **فنا فی اللّٰہ** بمقام **بقا باللّٰہ** رسد و بحق از حق بجانب خلق بسفر ثالث بیاید و آن زمان کہ او نباشد اجمال و تفصیل تمام او باشد کذا فی **مفاتیح الاعجاز** شرحِ گلشنِ راز و قائلی در قرب فرائض میگوید : ـــــ

کو شامل ہوا اور تمام حقایق حقیقت انسان کا مظہر ہوں کیوں کہ ہر مرتبہ اور ہر تعیّن کسی اسم الٰہی کا مظہر ہے۔ اور تمام اسماء تحت اسم اللّٰہ جو کہ جامع جمیع اسماء و صفات ہے مندرج ہیں۔ پس تمام مراتب و تعیّنات کے حقائق و حقیقت انسانی کے تحت جو کہ اسم اللّٰہ کا مظہر ہے مندرج ہوگا۔ اس لیے مجموع عالمِ مفصل مسمّٰی بہ انسانِ کبیر ہے۔ کیوں کہ یہ حقیقت انسان ہے جو کہ تمام عالمِ مفصل مسمّٰی بہ انسانِ کبیر ہے۔ کیوں کہ یہ حقیقت انسان ہے جو کہ تمام عالم کی صورت میں ظاہر ہوی ہے۔ اور اسی جامعیت کے سبب خلافت کی مستحق ہوی ہے۔ اس لیے کہ خلیفہ کو چاہیے کہ وہ مستخلف کی صورت میں ہو اور یہی معنی ہیں اس کے کہ اللّٰہ تعالےٰ نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا کیا اور حقیقت میں حق کا آئینہ حقیقتِ انسانی ہے جو تمام مراتبِ جسمانی و روحانی کا جامع ہے اور عالم اپنے تمام اسرار کے ساتھ انسان کامل کی حقیقت کا آئینہ ہے جو کہ اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

اس بات کی حقیقت کا ادراک اس وقت میسر ہوتا ہے جب کہ سالکِ واصل فنا فی اللّٰہ کے مرتبہ سے بقا باللّٰہ کے مرتبہ تک پہنچتا ہے۔ اور حق میں حق سے خلق کی جانب تیسرے سفر میں آتا ہے۔ اور جب وہ نہیں ہوتا اجمال و تفصیل

وجود آئینہ اسما شخص و جامع
چو چشم شخص و روی عکس لامع
تو چشم شخص و انسان نور دیده
بدیده دیدهٔ را دیده دیده
شد اسماء جامع و جامع شد اسماء
کند حق کشفِ این سِرِّ معمّا

و زبدة العارفین سید شاہ کمال الدین
در این قربِ نوافل و قربِ فرائض می نگارد

؎

شخص دسے عکس میں یعنی جہان بیچ رب
عکس دسے شخص میں رب میں جہان یہ عجب
شخص ہے باطن سو ذات عکس ہے ظاہر صفات
برزخِ جامع مرآت احمدِ والا لقب
نیست میں دستا ہے ہست ہست میں دستا ہے نیست
گر نہیں باور تو دیکھ شکلِ سرا و حطب
صوفیا کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ
خلق نہ ہو جائے حق عبد نہ ہو جائے رب
عطر کو کہنا شراب آب کو کہنا سراب
خوب کو کہنا خراب کذب ہے اے بے ادب
گر تو حقیقی دوئی عالم و حق میں ثبوت
ورنہ حقایق کے بیچ لاف نہ کر موند لب

سب وہی ہوتا ہے جیسا کہ مفاتیح الاعجاز شرح گلشن راز میں ہے۔

اور ایک قائل قربِ فرائض کے متعلق کہتا ہے: ؎

اسماء کے آئینہ کا وجود شخص و اسم جامع ہے
شخص کی آنکھ اور روی عکس روشن ہیں
تو شخص کی آنکھ ہے اور انسان کی آنکھ کا نور ہے
آنکھ میں آنکھ کو آنکھ نے دیکھا
اسماء جامع ہوا
حق خود اس راز کو ظاہر کرتا ہے۔

زبدۃ العارفین سید شاہ کمال الدین

وحدتِ مطلق میں لیک جان سمجھ بوجھ دیک
عالَم واللہ ہے ایک سب سو وہی وہ سو سب
ظاہر و باطن وہی واجب و ممکن وہی
کافر و مومن وہی دیر و حرم روز و شب

صاحب اشعۃ اللمعات شرحِ لمعات

دربیان قربِ فرائض میگوید بحکم فرمودۂ وَاِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ گنجائی آن دارد کہ خود بصورتِ ہمہ گویندگان وہم بصورتِ ہرچہ گویند برآید پس ہرکہ گوید و ہرچہ گوید ہمہ راست باشد۔ اظہارِ چنیں اسرار ہرچند نازکی دارد امّا معذور دارکہ ؎

خودگفت حقیقتِ خود و خود شنید
زان روی کہ خود بنمود خود را خود دید

یعنی ہر سخن کہ گفت و ہر صفت کہ کرد از آن روی یعنی من وجہ الباقی کہ خود بنمود و خود دید آن روی را در مظاہرِ موجودات بحقیقت گویندۂ آن سخن و شنوندۂ آن ہم وی است وبس ہم چناں کہ نمایندۂ آن وی بینندۂ آن وی است وبس۔

جُنید رضی اللہ عنہٗ کہ لسانی است از السنۂ حق سبحانہ وتعالیٰ گفت سی سال است کہ تا با حق سبحانہٗ وتعالیٰ سخن میگویم و خلق پندارند کہ با ای شان میگویم یعنی جُنید رضی

صاحبِ اشعۃ اللمعات شرح اللمعات میں قرب فرائض کے بیان میں لکھتے ہیں کہ اس حکم کے مطابق کہ بے شک اللہ واسع علیم ہے۔ اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ خود تمام قائلوں کی صورت اور ہر قول کی صورت میں ظاہر ہو جائے۔ پس ہر شخص جو کہ کہتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے سب صحیح و درست ہے۔ اس طرح کے راز کا اظہار بہت نازک مقام ہے پھر بھی مجھے معذور سمجھو کہ ؎

اس نے خود ہی اپنی حقیقت بیان کی اور خود ہی سنا
اس لیے کہ اُس نے خود کو ظاہر کیا اور خود کو دیکھا۔

یعنی ہر بات جو کہی اور ہر صفت جو ظاہر کی اسی رو سے یعنی خود کو ظاہر کیا اور خود کو دیکھا موجودات کے مظاہر میں، حقیقت میں بات کہنے والا اور اس کا سُننے والا بھی وہی ہے۔ جس طرح کہ اس کا ظاہر کرنے والا اور اس کا دیکھنے والا وہی ہے۔

جُنید رضی اللہ عنہٗ نے کہ حق تعالیٰ کی زبانوں میں سے ایک زبان ہے کہا کہ تیس سال سے میں حق سے کلام کرتا ہوں اور خلق سمجھتی ہے کہ میں ان کے سے کلام کرتا ہوں

اللہ عنہ در مجالیِ خلق حق را می دید و شنونده وی را می دانست و محجوبان پنداشتند کہ با خلق می گوید و شنونده ای شان اند بلکہ جنید نیز درمیان نبود حق می گفت ۔ و محجوبان می پنداشتند کہ جنید می گوید ۔

بسمع موسیٰ علیہ السلام ہم او می شنید کہ بزبان شجرہ گفت کہ اِنِّی اَنَا اللّٰہُ ربُّ العالمین ٥

خود می گوید راز و خود می شنود
وز ما شما بہانہ برساختہ اند

پس ازاں باید دانست کہ جدّی و شیخی سید عبداللطیف المعروف محی الدین ذوقی در لطائف لطیفی می فرماید ای عزیز قال اللہ تعالیٰ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ احسانِ او سبحانہٗ بر بندہ آن است کہ خود ظاہر بود و بندہ مخفی پس خود مخفی گشت و بندہ را ظاہر گردانید ۔ پس احسانِ بندہ آن است کہ خود مخفی شود و او سبحانہٗ را ظاہر گرداند یعنی مرتبۂ فنا فی اللہ حاصل نماید علماً مشہوداً ۔

و نیز باید دانست کہ قربِ نوافل

یعنی

جنید رضی اللہ عنہٗ مجالی خلق میں حق کو دیکھتے تھے ۔ اور اسی کو سننے والا سمجھتے تھے اور محجوبان سمجھتے تھے کہ وہ خلق سے بات کرتے ہیں اور خلق ہی سُنتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جنید بھی درمیان میں نہ تھے بلکہ حق ہی کلام کرتا تھا اور محجوبان سمجھتے تھے کہ جنید بات کرتے ہیں ۔

موسیٰ علیہ السلام کے کان سے بھی حق ہی سُنتا تھا جب کہ درخت کی زبان سے کہا کہ میں اللہ ربّ العالمین ہوں ۔

کہتا خود ہی ہے اور خود ہی سُننا
ما اور شما کا ہے بہانہ

اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ میرے دادا اور شیخ سید عبداللطیف المعروف بہ محی الدین ذوقی "لطائف لطیفی" میں فرماتے ہیں : اے عزیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : کہ احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پہ احسان کیا ۔ اللہ سبحانہٗ کا احسان بندہ پہ یہ ہے کہ وہ خود ظاہر تھا اور بندہ مخفی، پس خود مخفی ہوگیا اور بندہ کو ظاہر کردیا ۔ پس بندہ کا احسان یہ ہے کہ خود مخفی ہو جائے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کو ظاہر کردے ۔ یعنی مرتبۂ فنا فی اللہ کو حاصل کرے علماً یا شہوداً ۔

اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ قرب نوافل

وقربِ فرائض مرتبۂ احسانِ بندہ است کہ آن را سیر وسفرِ معنوی گویند۔ در قربِ نوافل حق باطن بندہ بود و بندہ ظاہرِ حق، و این مرتبہ در فنائے صفات حاصل می شود و در قربِ فرائض حق ظاہر بندہ بود و بندہ باطنِ حق و این مرتبہ در فناءِ ذات و وصول بمقامِ فرق بعد الجمع حاصل می گردد و صفاتِ عبد در این جا[ص۱۱] مطلق می شود

صاحبِ "حسنات العارفین" از شیخ صدرالدین[ص۱۲] قونیوی نقل می نماید باطنِ حق ظاہر انسانِ کامل است و ظاہر حق باطن انسانِ کامل یعنی ظاہر و باطن انسانِ کامل باطن و ظاہرِ حق است۔ ..

اور قربِ فرائض بندہ کے احسان کا مرتبہ ہے جسے سیر وسفر معنوی کہتے ہیں۔ قربِ نوافل میں بندہ کا باطن حق ہوتا ہے۔ اور بندہ حق کا ظاہر ہوتا ہے اور یہ مرتبہ فنائے صفات سے حاصل ہوتا ہے اور قربِ فرائض میں حق بندہ کا ظاہر ہوتا ہے اور قربِ فرائض میں بندہ حق کا باطن ہوتا ہے۔ اور یہ مرتبہ فناء ذات سے حاصل ہوتا ہے جو کہ جمع کے بعد فرق کا مقام ہے یہاں بعد کی صفات مطلق ہو جاتی ہے۔

صاحبِ حسنات العارفین (دارا شکوہ) شیخ صدرالدین قونیوی سے نقل کرتے ہیں کہ حق کا باطن انسانِ کامل کا ظاہر ہے اور حق کا ظاہر انسانِ کامل کا باطن ہے یعنی ظاہر و باطن انسانِ کامل باطن و ظاہرِ حق تعالےٰ ہے۔ ..

حواشی

فائدہ : ۱۴

ص۱ آنَسْتُ نَارًا یہ الفاظ قرآنِ مجید کی ان سورتوں میں ہیں:
طٰہٰ: آیت ۱۰ ، النمل: آیت ۷ ، القصص: آیت ۲۹

ص۲ لنریہ من اٰیاتنا ... سورۃ الاسراء : آیت ۱

ص۳ شیخ محی الدین ابنِ عربی: اسپین میں ماہ رمضان سنہ ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الثانی سنہ ۶۳۷ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ تصنیفات کی تعداد پانچسو تک بتائی جاتی ہے۔ مشہور ترین

"فصو "فصوص الحکم" اور "فتوحاتِ مکیہ" ہے۔

۴ عدم اور اعیان ثابتہ: عدم بھی اپنا ایک وجود رکھتا ہے لیکن یہ وجود ظاہری نہیں ہے۔ ہر چیز وجود میں آنے سے پہلے خدا کے علم میں موجود تھی۔ جب خدائے تعالیٰ نے کہا کہ "کُن" تو ظاہر ہوگئی جب تک وہ ظاہر میں موجود نہیں تھی بلکہ صرف خدا کے علم میں موجود تھی اس وقت تک وہ عدم میں تھی اور جب ظاہر ہوگئی تو وہ عالمِ امکان میں موجود قرار پائی۔ ہر وہ وجود جو خدا کے علم میں پہلے ہی سے تھا اپنے ظاہری وجود کا عین کہلاتا ہے۔ اعیان ثابتہ سے مراد ہر شئے کا وجودِ علمی ہے جو صرف خدا کے علم میں ہے۔

۵ الم ترانی .... سورۃ الفرقان آیت ۴۵

۶ وجود اضافی: یہ مسلّم ہے کہ وجود حقیقی صرف خدا کا وجود ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ خدا کا نہ کوئی ضد ہے اور نہ مثل۔ اور وجود کا ضد عدم ہے۔ اس لیے جب وجود حقیقی صرف خدا کا وجود ہے تو اس کی ضد عدم حقیقی کا وجود بھی نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس عدم کا وجود ہے وہ غیر حقیقی ہے اور وہ اعیانِ ثابتہ کی صورت میں خدا کے علم میں ہے۔

اب ایک دوسرے زاویہ سے اس مسئلہ کو دیکھو۔ وجود حقیقی صرف خدا کا وجود ہے اور خدا کا مثل کوئی نہیں ہے اس لیے وجودِ حقیقی کا مثل بھی کوئی نہیں ہے یعنی کائنات کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ پھر یہ کائنات جو موجودات کی شکل میں ہیں کیا ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ وجود حقیقی نہیں ہو سکتے اسے وجودِ غیر حقیقی کہتے ہیں۔ یہ عدم یا اعیان ثابتہ کا ظِل یا پرتو ہیں۔ یہ عدم کی نسبت سے وجود کہلاتا ہے یعنی عدم کو ہم دیکھ نہیں سکتے اور ظاہری موجودات کو جو اس کا پرتو ہیں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ موجودات پر وجود مطلق کا اطلاق تو ہو نہیں سکتا اس لیے اسے وجود اضافی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ عدم غیر حقیقی کی نسبت سے وجودِ غیر حقیقی ہے اسی کو عالم کہتے ہیں۔ اسی کو ممکنات کہتے ہیں۔ اسی کو کون و مکاں کہتے ہیں۔ اسی کو حادث کہتے ہیں۔ یہی ممکن الوجود ہے یہی وجودِ غیر حقیقی یعنی عدم غیر حقیقی کا ظل یا پرتو ہیں۔ یہ سارے نام اسی حادث وجود کے ہیں۔ جسے ایک دن فنا ہو جانا ہے۔ اور صرف اصل وجود باقی رہے گا۔ جو خدا کا وجود ہے۔ کلُّ شَیٍٔ ھالِکٌ اِلّا وجہہ

۷ خلق اللہ آدم علی صورتہ:

اس کی مزید وضاحت کے لیے چند باتوں کا ذہن میں رکھنا مفید ہوگا:-

امام غزالیؒ اپنے رسالہ روح میں لکھتے ہیں کہ عربی میں صورت کے چند معانی ہیں۔ اس سے مراد محض شکل

نہیں ہوتی اردو میں بھی ہم کہتے ہیں کہ فلاں امر میں کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ یہاں صورت سے مراد کوئی شکل (IMAGE) نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کائنات خدا کی صفات کا ظہور ہے۔ خدا کی صفات کا ظہور مختلف اشیاء میں الگ الگ ہوا۔ بعض صفات سبھی میں مشترک ہیں۔ یعنی ہر شئے سے ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً صفتِ تخلیق، ربوبیت، رحمت، قدرت وغیرہ یہ ظاہر ہے کہ خدا ہر صورت وشکل سے پاک ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ عالم میں جو حیثیت عرش کی ہے وہی انسان کے اندر قلب کی ہے۔ کیوں کہ فعل کے ظہور سے پہلے یہی ارادے کا مرکز ہے اور کرسی کی صورت میں دماغ کا وہ حصّہ ہے جہاں سے ارادے کی تکمیل کے لیے حکم صادر ہوتا ہے۔ کائنات میں فرشتے جس طرح تعمیل احکام پر مجبور ہیں اسی طرح ہمارے حواس ہمارے جسم کے اندر دماغ کے حکم کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ آگ کی حرارت ہمارا جسم محسوس کرنے پر مجبور ہے اسی طرح آنکھ، کان، ناک وغیرہ اپنی طبعی صفات رکھتے ہیں کہ اس کے خلاف کام نہیں کر سکتے اور جس طرح فرشتے نافرمانی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمارے حواس بھی طبعاً نافرمانی نہیں کر سکتے۔ ہماری قوتِ حافظ لوحِ محفوظ کی صورت میں ہے دوسرے اعضاء اور عضلات آسمانوں کی صورت میں ہیں جس کے اندر تمام چھوٹے چھوٹے جسمانی حصّے موجود ہیں۔ جو ہر وقت حرکت میں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی مختلف اشیاء میں جو صفات الگ الگ ظاہر ہوتی ہیں وہ سب انسان کے اندر موجود ہیں۔ اس لیے انسان ہی ہے جو تمام اسماء کا جامع ہوا۔ یہ مفہوم ہے خلق اللہ آدم علی صورتہ کا عالم کا علم کتابی ہوتا ہے۔ عارف منقولات کا علم حاصل کرنے کے بعد ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ ان صفات کا ادراک اپنی ذات میں کرتا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے رب کو پہچانا۔ یہ ادراکِ حال کی کیفیت ہے۔ جو عارف کے اندر ہوتی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صحیح علم کے بغیر کوئی حال کی کیفیت قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اور حال کی کیفیت اسی وقت قابلِ اعتبار ہوگی جب وہ شریعت کے مطابق ہوگی۔ عارف کی تعریف یوں کی گئی ہے **هو الموصوف بصفات الله سوا الوجوب و القدم**: یعنی وہ صفاتِ حق سے موصوف ہوتا ہے۔ سوائے وجوب اور قدم کے۔ جس عارف

نے جتنا زیادہ صفاتِ حسنہ کا ادراک کیا اتنے ہی بلند درجہ پر فائز ہوا۔ یہاں تک کہ انسانِ کامل خدا کا نائب قرار دیا گیا۔ دوسرے کاملین خدا کے نائب کی نیابت میں ہوئے ہیں جو اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔

ص۸ **سفرِ ثالث :** سلوک میں سفر کا بیان "جواہر السلوک" کی ابتداء میں آچکا ہے۔

ص۹ **"ہر شخص جو کچھ کہتا ہے ..... سب درست ہے"**

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کافر کا کفر بھی حق ہے اور حق و باطل میں کوئی فرق نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کے اعمال کے مطابق اس کی تقدیر بنادی۔ افعال خدا نے پیدا کیے لیکن بندہ نے اپنی مرضی سے اس میں سے کسب کیا بندہ کیا کسب کرے گا یہ خدا کے علم میں تھا۔ اور اسی کے مطابق اس نے تقدیر بنادی تو جس نے فعلِ بد کسب کیا اس سے بدی کا صدور ہوتا ہے اور جس نے سعادت کو کسب کیا اس سے نیکی کا صدور ہوتا ہے۔ اگر کسی برتن میں زہر ہو تو اس سے زہر ہی نکلے گا اور یہ درست ہے۔ جس برتن میں شہد ہو اس سے شہد نکلے گا اور یہ درست ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ شہد اور زہر دونوں برابر ہوگئے۔ ہدایت کو خدا نے اپنے ذمہ رکھا ہے اس کے باوجود اس نے تبلیغ کے لیے انبیاء کو بھیجا۔ اب یہ سوال نہیں کر سکتے جب ہدایتا دینا مالک کا کام ہے تو اس نے بندوں پر تبلیغ کی ذمّہ داری کیوں عائد کی۔ خدا کا وعدہ ہے کہ وہ رسولِ اکرمؐ کو مقام محمود عطا کرے گا اب یہ سوال نہیں کر سکتے کہ پھر مسلمانوں کو یہ دعا کرنے کی ہدایت کیوں کی گئی: وابعثہ مقامًا محمودا خدا کا وعدہ ہے کہ یغفر الذنوب جمیعا۔ اب یہ سوال نہیں کر سکتے کہ جب اس نے مؤمنین کے گناہ معاف کرنے کا وعدہ کر لیا ہے تو مسلمانوں کو مسلمانوں کے لیے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا۔ اور شفاعت کو کیوں قبول کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ مالک سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اس کا کیا حکم ہے تاکہ بندہ حکم بجا لائے۔ یہ سوال نہیں کر سکتے کہ کیوں حکم دیا۔ یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ البتہ عارفین پر علوم ربّانی القاء ہوتے ہیں اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ وعلّمناہ علماً لدنا: لیکن عارف کا علم عمل کرنے کے لیے حجّت نہیں ہے۔ فقہا کا علم ہی عمل کے لیے حجّت ہے۔ خود عارفین فقہاء کے استنباط کئے ہوئے احکامات پر عمل کرتے ہیں۔ اس لیے عوام کے لیے یہی کافی ہے۔ کہ وہ جان لیں کہ عمل کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کا کیا حکم ہے! البتہ خدا نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اس لیے جو ہدایت یافتہ نہیں ہیں ان سے گمراہی کا صدور

ہونا بالکل بدیہی ہے۔ اور جو ہدایت یافتہ ہیں اُن سے نیکی کا صدور ہونا درست ہے۔ مَا مِن دَابَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (سورۂ ہود آیت ۵۶) یعنی ہر جاندار کی چوٹی قبضۂ قدرت میں ہے اور رب تعالیٰ سیدھے راستے ہی پر ہے۔ یعنی جو جس کا مستحق ہے اس کو اسی راستے پر لے جا رہا ہے۔

ص۱۰ **علماً و شہوداً**

اس کی تصریح خود حضرت قطبؒ ویلور نے حاشیۂ کتاب میں کردی ہے۔ جو من وعن یہاں نقل کی جاتی ہے۔ "لاعیناً وقول بقاءِ عینی عقیدۂ باطلۂ ملاحدہ است و قاعدۂ کلیۂ صوفیاء آن ست کہ خدا بندہ نمی شود و بندہ خدا نمی گردد۔"

(ترجمہ): (مشاہدہ) آنکھوں سے نہیں اور فنائے عینی کا قول (یعنی خدا کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا قول) ملاحدہ کا باطل عقیدہ ہے۔ اور صوفیاء کا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ خدا بندہ نہیں ہو سکتا اور بندہ خدا نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا حضرت ذوقیؔ نے جو شہوداً لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی تجلّی کا دیدار دل کی آنکھوں سے۔

ص۱۱ صفاتِ عبد درین جا مطلق می شود

جواہر السلوک میں اس کی مزید وضاحت کے لیے حاشیہ میں قاضی محمود بحری کا یہ شعر لکھا ہے۔ ؎

جو غیر کو آپ کو پہچانے
او کیوں کرے دشمنی دوالے

یعنی جب بندہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہر شئے سے خدا کی صنعت کا ظہور ہو رہا ہے، یا یوں کہیے کہ جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کی مرضی سے ہوتا ہے تو اگر اُسے دوسروں سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ نہ دعویٰ کرتا ہے نہ رنجیدہ ہوتا ہے بلکہ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہتا ہے۔ ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافر است رنجیدن

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر قانونِ سزا و جزا کیوں ہے؟ اس کا تفصیلی جواب ہماری کتاب "تصوّف" میں دے دیا گیا ہے۔

ص۱۲ شیخ صدر الدین قونیوی: یہ محی الدین ابنِ عربی کے شارح ہیں اور انھیں کے شاگرد ہیں۔ ان سے مولانا روم کے دوستانہ تعلقات تھے بلند پایہ صوفی اور متبحر عالم تھے۔ ملّا جامی لکھتے ہیں کہ مسئلہ وحدت الوجود کو سمجھنے کے لیے ان کی تصانیف کا پڑھنا ضروری ہے۔

فوجدا عبدا من عبادنا آتیناہ رحمۃ من عندنا وعلمناہ من لدنا علما

جواہر الحقائق

تصنیف لطیف

ماہر علوم شریعت وطریقت واقف رموز معرفت وحقیقت، سلطان المشائخین
مرشد الانام منبع الکشف والالہام حافظ القرآن حاجی الحرمین مجدد جنوب

حضرت علامہ شاہ محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی ویلوری
المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ (المتوفی سنہ ہجری ۱۲۸۹)

نوادر الدقائق

ترجمہ

جواہر الحقائق

ترجمہ وتشریح:۔

ڈاکٹر حکیم سید افسر پاشاہ قاسمی صبغۃ اللّٰہی
شفاء ڈسپنسری ۔ نڈوپیٹ ۔ گرڈیائم 832002

اس تیسری قسط کے عنوانات:۔

۱ جبر و تشدد۔

۲ اہلِ متقشفین۔

۳ موت ابیض، موتِ اخضر، موتِ احمر، موتِ اسود۔

۴ عوامی تصوف اور موجد اول۔

۵ درمیانی طبقہ۔

۶ ادوارِ ثلاثہ اور تصوف کا نچوڑ۔

۷ بدعات کی بنیاد۔

۸ بدعتِ واجبہ، مندوبہ

۹ عالم شیخ۔

۱۰ جڑ اور شاخ۔

۱۱ پھل اور جھاڑ۔

۱۲ التزام شریعت اور مداہنت شریعت۔

۱۳ تمام ائمہ طریقت مقلد تھے۔

۱۴ فقہ کی بنیاد۔

۱۵ دلیل صوفی۔

۱۶ ثبوتِ کرامات قرآن و حدیث اور اجماع امت سے۔

۱۷ اقسام خرق عادات۔

۱۸ مظہر ذاتِ حق تعالے۔

۱۹ اصل کی تابع۔

۲۰ خلافت۔

۲۱ جواب اشکال۔

۲۲ نگاہِ مرد مؤمن۔

جبر و تشدّد

اور صاحبِ "الطاف القدس" (حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ) فرماتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے دَور کے بعد ایک ایسی جماعت پیدا ہوی جو (دین کے بارے میں) زیادہ باریکیاں اور سختیاں برتنا شروع کردیں اور اس میں احتیاط اور کسرِ نفسی کو جو شرعًا مطلوب بھی تھا اور انھیں معلوم بھی تھا (لیکن انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا) اور خود کو مشقت میں ڈال دیا اور اس کی رعایت کو نہیں سمجھا۔ حالاں کہ ہر بیماری کے لیے دوا موجود ہوتی ہے۔ (گویا انھوں نے دوا کو تو ہاتھ نہیں لگا اور بیماری میں پڑے رہے) اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کوئی چیز اس میں مانع نہیں ہے سوائے نفس[1]، عادت[2] اور رسم[3] کے۔ (یعنی ہمارے تشدّد اور سختی کرنے میں اگر کوئی مانع ہے تو وہ یا تو نفس[1] ہوگا کہ آرام و آسائش کو چھوڑ کر محنت و مشقت پر مائل نہ ہوگا۔ یا پھر انسان کی اپنی عادت[2] ہوگی۔ یہ بھی خلافِ عادت کسی کام کے کرنے پر آمادہ نہ ہوگی۔ اور یا پھر رسم[3] و رواج ہوگا کہ اس کے خلاف کرنے پر بھی انسان آسانی سے آمادہ نہیں ہوتا ہے۔)

غرض آخری بات (اور خلاصہ) یہ ہے کہ انہوں نے اپنے شہوت پرست، درندہ صفت نفس کی پامالی میں جہاں تک ہو سکے حد درجہ کوشش کی۔ (اور اپنے اوپر جبر و تشدّد کو لازم کرلیا۔) پھر بیوی کی صحبت سے لذیذ کھانوں اور عمدہ لباس سے احتراز کیا۔ یہاں تک کہ اُن کا مزاج نحیف و کم زور، ان کی طبیعت ضعیف اور مجبور ہوگئی۔ کیوں کہ ان (بشری) تقاضوں کو انھوں نے پسِ پشت ڈال دیا۔ (اور اس طرف توجہ نہیں دی۔

اہلِ متقشّفین

یا ان لوگوں کا مزاج اہلِ تقشف جیسا ہوگیا۔ (یعنے خشک مزاج زاہدوں کی طرح جنھوں نے کم خوراک، کھردرا لباس پراگندہ بال و پراگندہ حال، معمولی موٹی زندگی۔ سیدھا سادھا فقیرانہ اور تنگ دستانہ حال بنالیا۔) کہ انھیں زمانے کی نعمتوں سے کوئی سروکار نہیں۔ بڑی کش مکش اور پس و پیش کے بعد کچھ تقاضے اور ضرورتیں بھی بمشکل پوری کرلیتے ہیں۔ جس طرح کڑوی دوائیں بہت کم مقدار میں دی جاتی ہیں تاکہ بدن فکر و غم سے مرجھا نہ جائے اور اس طرح یہ لوگ دل کی خواہش کو دل کے اندر ہی رکھ چھوڑتے ہیں اور خود اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے اپنے نفس پر کنٹرول اور نگہبانی اس قدر سختی سے کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے مال کی حرص و ہوس اور طمع، جاہ کی خواہش و محبت اور اپنی بڑائی اور زیادتی کی خواہش سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ہمیشہ جنگلوں میں اُن کی گزر بسر ہوا کرتی ہے۔

موتِ ابیض، موتِ اخضر، موتِ احمر، موتِ اسود

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ پر سرخ موت[1]، سفید موت اور کالی موت کو لازم کرلیا ہے (اور ایسے مست ہیں) کہ انھیں نہ تو دنیا سے کوئی سروکار رہے اور نہ دنیا کو ان سے کوئی واسطہ۔ اور قوتِ مدرکہ کو اپنی اس ریاضتِ شاقہ اور ذکر و اذکار کے ذریعہ اپنا تابع بنا لیتے ہیں کہ جس سے کوئی دوسرا مطلب نہ نکل سکے۔ انھوں نے نفس کی کیفیات پر اہمیت نہیں دی اور اس کو خاطر میں نہ لایا (اور شرعی قوانین اور احکام کو پسِ پشت ڈال کر) عبادات و معاملات میں فقہا کے اختلاف کو نظرانداز کرکے آگے بڑھ گئے۔ اور شبہات سے دور بھاگ جانا ہی ان کا اصلی مقصد (اور مطمحِ نظر تھا۔

عوامی تصوّف اور موجدِ اول

اور بسا اوقات خود کو عبادات میں لگا لیتے تھے جو زیادہ تر اسی پر ان کا خیال نہ تھا اور یہ سب کچھ (جو کہا گیا ہے) عوامی تصوّف ہے جو بے وقعت بھی ہے اور بے وزن بھی (اور ان حضرات نے) خود کو مشقت کی ایسی راہ پر ڈال دیا، جیسے نہ آگے جانا اور نہ پیچھے یا سب سے پہلے (ان لوگوں کے رہبر اس اصول کے بانی (حضرت) حارث محاسبیؒ ہیں۔ ح[2]

ح۱ شیوخِ طریقت کی اصطلاح میں موت کی چار قسمیں ہیں۔ ایک عادی اور طبعی کو کم سے جیسے موتِ ابیض (سفید موت) سے تعبیر دی ہے۔ دوسری موتِ اخضر (ہری موت) ہے اور یہ پیوند لگے ہوئے کپڑوں کا پہننا ہے اور وہ بھی تقویٰ کے اعتبار سے شہرت کے لیے نہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہٗ جب کہ وہ امیر المؤمنین تھے انھوں نے جس کپڑے کو زیبِ تن کیا تھا اس پر تیرہ ۱۳ پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس میں ایک پیوند تو چمڑے کا تھا۔ اس کی تیسری قسم یہ ہے کہ مخلوق کی ایذا رسانیوں کو برداشت کرے اسے اصطلاح میں موتِ اسود (کالی موت) کہتے ہیں اور چوتھی قسم موتِ احمر (سرخ موت) ہے۔ اور یہ نفس کی مخالفت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

ح۲ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے دو سال بعد سنہ ۲۴۳ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ علمائے مشائخ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرات قدماء نے انھیں جامع علوم ظاہر اور جامع علوم اصول و معاملات و اشارات سے یاد کیا ہے۔

۱۲ منہ

یہاں ابھی جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں جو عمدہ طریقہ اور مشرب تھا اسے بھی بیان کر دیا ہے۔ اب ان کٹھن مجاہدات اور ریاضات کے دیکھنے کے بعد جو بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں بعض وہ ہیں جو اپنی شدید مشقت کی وجہ ایک ایسی استعداد اور حالت پیدا کر لیتے ہیں جو سفلی ملائکہ (شیطانی عمل) سے میل کھاتی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جنہیں الہام بھی ہوتا ہے۔ اور وہ انسانوں کے معاملات میں دخل دیتے ہیں اور ایسا تصرّف کرتے ہیں جیسا شیاطین کا ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں بعض ابدال بھی ہوتے ہیں اور بعضوں کو اس قسم کا الہام نہیں ہوا کرتا۔

بہر کیف ان کے اندر بعض مثالی قوتوں کا ظہور بھی آہستہ آہستہ ہوا کرتا ہے۔ اور ان سے کشف (و کرامات) اور سچے خواب اور فرشتوں کو دیکھنا بلکہ طیٔ ارض (یعنی زمین کا چھوٹا ہو جانا اور ہفتوں اور مہینوں کی مسافت منٹوں میں طے کر لینا۔) اور پانی پر چلنا (ہواؤں میں اُڑنا) یہ سب ہونے لگتے ہیں۔

درمیانی طبقہ

سید الطائفہ (حضرت) جُنید (بغدادی المتوفی ۲۹۷ سنہ ھ) سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے (اس تصوّف کی) گہرائی سے ایک درمیانی راستہ اور متوسط طریقہ ایجاد کیا۔ اور ہر ایک ریاضت (و محنت اور مجاہدہ) کی از خود بنیاد ڈالی اور یہ (حقیقت ہے کہ) صوفیاء میں سے حضرت جُنیدؒ کے بعد جو کوئی بھی پیدا ہوا ہے وہ حضرت جنید ہی کے راستے پر چلا ہے۔ اور ان ہی کا رہینِ منت بھی ہے۔ چاہے وہ اس حقیقت کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

صاحبِ "قوۃ القلوب" (ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ المارثی المکیؒ المتوفی ۳۸۳ سنہ ھ) جو صوفیوں کے ابو حنیفہؒ ہیں (یعنی فقہاءؒ و محدثینؒ میں جس طرح امام ابو حنیفہؒ کا مقام و مرتبہ ہے اسی طرح صوفیاء کی جماعت میں یہ ابو طالبؒ محمد بن علیؒ کا مرتبہ بھی بہت بلند و بالا ارفع و اعلیٰ ہے اور انھیں صوفیوں کے ابو حنیفہؒ سے یاد کیا جاتا ہے۔) غرض آپ نے حضرت جنید کے اس طریقہ کو مزید شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا ہے۔

بہر حال حاصلِ کلام یہ ہے کہ (حضرت حارث) محاسبیؒ کا یہ طریقہ ملا جلا سا ہے۔ خود ان کے زمانہ میں بھی جبر و تشدّد (سخت ریاضات اور مجاہدات) سے یہ پاک و صاف نہ تھا۔

اَدوارِ ثلاثہ اور تصوّف کا نچوڑ

(غرض طریقِ تصوّف کا نچوڑ) اور خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے زمانہ یعنی حضراتِ صحابہؓ و تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں ہی جو خیر القرون کا دور تھا (اور بہترین زمانہ تھا) اور جس کی حدیث نے خود شہادت و تصدیق کر دی ہے اس وقت ہی یہ علومِ طریقت اور رموزِ حقیقت کی داغ و بیل پڑ گئی تھی اور اس پر کثرت و بہتات کے ساتھ (ان

حضرات کا) عمل بھی تھا۔ اگرچہ کہ (اس وقت) یہ طریقہ تصوّف کے نام سے مشہور نہ تھا۔ (البتہ قرنِ ثانی کے آخری دور میں اس کو تصوّف کا لقب دے دیا گیا۔ پھر یہ تصوّف کے نام سے مشہور ہوا۔)

اور خیر القرون کے بزرگوں نے اعلائے کلمۃ الحق (یعنے حق بات کو بلند کرنے کی دعوت پر) اپنی کمرِ ہمت باندھی اور کفر (ضلالت) اور فسق و فجور کے خلاف جہاد کیا۔ اور دعوتِ اسلام اور شریعت کے احکام کے اعلان و اظہار میں (خود کو وقف کر دیا) اور اسی میں مصروف (منہمک) ہو گئے۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قرب و نزدیکی اور آپ کی صحبت کی برکت سے ان کے باطن پاک و صاف تھے۔ فتنے اور حوادث کا (دُور دُور تک) نام نہ تھا۔ اس لیے اختلافات کا وقوع بھی نادر و بہت کم تھا۔

(چنانچہ ان حضرات نے علم تصوّف و عرفان پر متفرقات لکھنے اور ان کی جہات و اقسام کو متعیّن کرنے اور اس میں اصطلاحات کی بنیاد کو (ضروری نہیں سمجھا اور اس طرف التفات نہیں کی اور توجہ نہیں دی) اور اس سے استغنا برتا۔ پھر جس قدر سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ سے دوری ہوتی گئی اسی قدر نورانیت اور صداقت میں بھی کم و بیش کمی آتی گئی اور کشف و کرامات کا ظہور (منصۂ شہود سے دُور ہوتا گیا) اور حجابات کے بادلوں میں چھپنا شروع ہو گیا۔ (اور آڑ پکڑنے لگا)

بدعات کی بُنیاد

یہاں تک کہ قرونِ ثلاثہ (تین زمانے یعنی صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانے) کے بعد جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث کے تحت یہ فرمایا گیا کہ "ثمّ یفشوا الکذب" پھر اس کے بعد (صداقت اٹھ جائے گی اور اس کی جگہ) جھوٹ کا رواج عام ہوگا۔ سنّت اور صدق و صفا کی روشنی بجھ جائے گی۔ پھر جھوٹ اور بدعات کی گمراہی ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ (اور دنیا میں بس اسی کا بول بالا ہوگا اور اپنے گناہوں اور عیوب پر نظر کرنے کی بجائے دوسروں کے گناہوں اور عیوب کی فکر دامن گیر ہوگی) ہر ایک دوسروں کی خواہشات کو اپنے سر ڈال لے گا اور دوسروں کے خیالات اور رائے کو اپنے دل میں جگہ دے گا۔ (پھر جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا) یعنے جھگڑے اور اختلافات ان کے درمیان برپا ہوں گے اور (صاف اور کھری بات کے معاملے میں) تاویلات کا باب کھلے گا۔ (جس کے نتیجہ میں) قرآن و حدیث کے صاف و صریح احکام متروک ہوں گے۔ (اس طرح) بدعتیوں اور ہوا پرستوں کے ایک نئے مذہب کی بُنیاد پڑے گی۔ پھر صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کا طور طریقہ تو اب بیکسی اور کس مپرسی کے عالم میں رہ جائیگا (بفحوائے حدیث) الایمان بدأ غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء: یعنی اول اول تو اسلام کا وجود تو بے کسی اور کس مپرسی کے عالم میں ہوا پھر قریب ہے کہ وہ اسی حالت میں پہنچ جائے (سو!)

ان بے کسوں کے لیے خوش خبری ہے۔

بے شک اہلِ سنّت اور بے عیب صوفیوں کی جماعت جو مخلوق کی چُنیندہ ہر دل عزیز جماعت ہے اور سلفِ صالحین کی یادگار ہے۔ یہ طالبینِ حق کو حق سے ملانے اور سالکینِ سلوک کی تکمیل کرانے کے لیے ان کی تربیت و تعلیم اور شئونِ تفہیم کی خاطر قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ و معانی اور باطنی حقائق و معارف کے استنباط و استخراج میں لگی ہوی ہے۔

بدعتِ واجبہ مندوبہ

غرض ان حضرات صوفیائے نے خواہ وہ سلوک و معاملات ہوں یا حقائق و مکاشفات، ان کی تعبیری اصطلاحات مقرر کردیں۔ رسالے اور کتابیں لکھ ڈالیں۔ چناں چہ ائمہ مجتہدینؒ اور قدیم علمائے متبحرینؒ نے دینی علوم کی اصطلاحات میں جیسے تفسیر و حدیث اور اصول تفسیر، اصولِ حدیث اور فقہ (اور اصول فقہ) اور اس کے متعلقات، جیسے علمِ صرف و نحو، علمِ معانی و بیان اور ان سے نکلے ہوے دیگر اصول و قوانین اور ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں اور دیوانین تصنیف و تالیف کردیں۔ اور انھیں کسی دین دار اور متقی نے (کبھی) بدعتِ مذمومہ سے یاد نہیں کیا اور اگر کہا ہے تو (بدعتِ مذمومہ نہیں بلکہ) وہ بدعتِ واجبہ اور مندوبہ کہا ہے۔ چناں چہ بدعت کی تقسیم میں ائمہ مجتہدینؒ نے اسی طرح وضاحت کی ہے۔ دیکھو کتاب "ایقاظ الغافلین" (از حضرت مولانا باقر آگاہ مدراسیؒ۔)

عالم شیخ

جان لو کہ فقہ مقدّم ہے تصوف پر (اعتقاداً بھی اور عملاً بھی) کیوں کہ شرعی احکام میں فقیہ (عالم) کو صوفی سے رجوع کرنے اور پوچھنے کی (چنداں) حاجت نہیں رہتی ہے۔ لیکن صوفی کو فقیہ (عالم) کی جانب مراجعت کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ (مسائل کی تحقیق اور ان کو معلوم کرکے) ان پر عمل کیا جاسکے۔ اور حقائق و معارف میں شریعت کی مخالفت نہ ہوسکے۔)

(اس سلسلے میں) میرے دادا اور شیخ (حضرت) سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: تَفَقَّهْ ثُمَّ اعْتَزِلْ” یعنی پہلے عالم (فقیہ) بن جاؤ پھر گوشہ نشین اور خلوت اختیار کرلو۔ اور اسی طرح آپؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ كُلُّ حَقِيقَةٍ رَدَّتْهَا الشَّرِيعَةُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ: یعنی ہر اس حقیقت کو جسے شریعت نے نہ مانا ہو (اور وہ مخالف شریعت ہو تو جان لو کہ) وہ "زندقہ" ہے (بے دین ہے گمراہی ہے، مطلب یہ کہ جس راہ کو شریعت قبول و منظور نہ کرے وہ راہ گم راہ ہے۔) پس اس سے معلوم ہوا کہ فقہ تصوّف

سے بے نیاز اور مستغنی ہے اور تصوّف فقہ کا محتاج ہے ۔

جڑ اور شاخ

(حضرت) امام مالک بن انس رضی اللہ عنہٗ کا ارشاد ہے "مَنْ تَصَوَّفَ ولم یتفقّہ فقد تَزَنْدَقَ ومن تفقّہ ولم یتصوّف فقد تَفَسَّقَ ومن جمع بینہما فقد تحقّق۔ جو شیخ بن گیا اور صوفیت اختیار کر لی مگر علم فقہ سے واقفیت حاصل نہیں کی تو سمجھو کہ وہ زندیق اور بدین ہے اور جس نے فقہ حاصل کی عالم بنا اور تصوّف کو نہیں جانا تو سمجھ لو کہ وہ بے معنی دعویٰ کرتا ہے۔ اور جو شخص ان دونوں باتوں کو جمع کر لیا یعنی فقیہ بھی بنا اور صوفی بھی تو سمجھو کہ وہ صحیح معنی میں محقق ہے۔ (اور وہ ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

کی ٹھیک ترجمانی کر رہا ہے۔) چوں کہ دونوں صورتوں میں جب کہ وہ شریعت کے احکام سے ناواقف ہوگا تو ایمان اور اسلام بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا اور جب وہ تصوف سے نابلد ہوگا تو اس کے اندر کمالِ ایمان کا فقدان ہوگا۔ کیوں کہ احکامِ شریعت ہی (بمنزلہٗ) اصل ہیں اور تصوّف اس کی فرع اور شاخ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پھل اور جھاڑ

(حضرت) شیخ مجدّد (الف ثانی) قدس سرہٗ اپنے مکتوب نمبر ۵۵ جلد دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شرعی احکام کے علاوہ دوسرے علوم و معارف بھی ہیں جن کا تعلق اہل اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اگرچہ کہ وہ علوم و معارف ان ہی شرعی احکام کے ثمرات اور نتائج ہوتے ہیں۔ (دیکھو) درخت کی پرورش کا مقصد ہی اس سے ثمرات اور پھل حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جب درخت تناور ہوگیا تو اب اس سے یہ توقع ہوتی ہے کہ پھل دے گا۔ اور جب جھاڑ کی جڑیں سوکھ جائیں یا اس میں کوئی خلل واقع ہو جائے تو اب اس سے ثمرات کی توقع رکھنا بیکار ہے چناں چہ یہ بڑی نادانی کی بات ہوگی کہ درخت کی جڑوں کو تو اکھیڑ دیں اور پھر اس سے ثمرات کی آس لگائے بیٹھے رہیں۔ جب درخت کی اچھی دیکھ بھال کی جاتی ہے تو اس سے ثمرات بھی خوب حاصل ہوتے ہیں (جس قدر دیکھ بھال ہوگی اسی قدر نتائج بھی مرتب ہوں گے۔) گو کہ ثمرات ہی اصل میں مطلوب ہیں۔ مگر اس درخت کی ڈالیاں بھی شریعت (کی قیود اور پابندیوں) کو اپنے اوپر لازم کی ہوئی ہیں۔

التزام شریعت اور مداہنت شریعت

اور جو شریعت سے الگ رہے اور اس میں نفاق برتے تو اس کے لیے یوں قیاس کرنا ہوگا (اور حکم لگانا ہوگا) کہ جو شریعت کو لازم پکڑے (اور اسکے احکام کی بجاآوری میں ہر ممکن کوشش کرے تو سمجھو

وہی) معرفت والا ہے (اور علوم حقائق و معارف کا جاننے والا ہے۔) اس میں جتنی زیادہ (شریعت کی) پابندی ہوگی اتنی ہی زیادہ معرفت بھی حاصل ہوگی۔ اور جو شخص اس کے اندر خیانت کرے گا وہ معرفت سے بے نصیب ہوگا۔ (اور اس میں معرفت نام کو بھی نہیں رہے گی۔) اس کا حکم عام ہے اور اس کا حکم خاص۔

تمام ائمۂ طریقت مقلد تھے

پھر یہ دونوں خواہ عوام ہوں یا خواص فقہ (یعنی شریعت) کے تابع ہیں اور تمام ائمۂ طریقت اور رہبرانِ ملّت (جتنے بھی آئے ہیں) وہ سب کے سب فقہائے امّت میں کسی نہ کسی کے تابع رہے ہیں۔ چناں چہ سید الطائفہ (حضرت) جُنید بغدادیؒ (حضرت سفیانؒ ثوریؒ کے مسلک پر تھے۔ اور غوث الثقلین (حضرت سیدنا) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مسلک پر تھے۔ اور (حضرت) شبلیؒ مالکی مسلک پر اور (حضرت) جریریؒ حنفی مسلک پر اور (حضرت) حارث محاسبیؒ شافعی مسلک پر عامل تھے۔ اللہ ان کی راز داریوں کو بھی مقدس بنا دے اور ان سے ہر طرح راضی ہو جائے۔

فقہ کی بنیاد

فقہ کی بنیاد علم پر ہے۔ اس کے قوانین و اصول لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے بدل نہیں سکتے اور تصوّف تو حضرات مقربین کے ساتھ مخصوص ہے۔ (یعنی یہ علم تصوّف تو صرف بزرگان مقربینِ بارگاہ کا طُرّہ امتیاز اور خاصہ ہے) گو کہ وہ معاملہ بندہ اور خدا کے درمیان ہی کیوں نہ ہو۔ پھر یہ تصوّف بھی (اصل میں) ذوق، حال (اور وجدانی کیفیت پر) منحصر ہے۔ اور اس جزئیے کے احکامات بھی جس میں حالی، وجدانی اور ذوقی کیفیتوں کے بدلنے سے پیدا ہوتے ہیں، مختلف ہوتے ہیں۔

یہ وہ مقام ہے جہاں صوفی پر ایک فقیہ (عالم) کا حکم اور انکار قابلِ قبول ہوگا اور عالم (فقیہ) پر ایک صوفی کا انکار کرنا صحیح نہ ہوگا۔ (اور ناقابلِ قبول ہوگا۔) اگرچہ تصوّف فقہ سے بھی مرتبہ کے اعتبار سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسی طرح کتاب "مرج البحرین" میں مذکور ہے۔

دلیلِ صوفی

اور صاحبِ "ایقاظ الغافلین" (حضرت مولانا باقر آگاہ مدراسیؒ) نے (حضرت) سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلامؒ سے نقل فرمایا ہے کہ ان (صوفیائے کرامؒ) کی شرافت و بزرگی پر سب سے پہلی دلیل یہی ہے کہ ان کے ہاتھوں کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ جب کہ کسی ایک فقیہ سے بھی اس کا ظہور نہیں ہوتا۔" انتہی۔

ثبوتِ کرامات قرآن و حدیث اور اجماعِ امت سے

اولیاء اللہ سے کرامتوں کا ظاہر ہونا قرآن و حدیث اور اجماعِ اہلِ سنت وجماعت سے ثابت

ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کلّما دخل علیھا زکریّا المحراب وَجَدَ عندھا رزقًا: جب کبھی حضرت زکریاؑ (جو اس وقت بی بی مریمؑ کے سرپرست تھے) ان کے پاس اس عمدہ مکان میں (جس میں ان کو رکھا تھا) تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے۔

اس سلسلہ میں حضرات مفسرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ السلام بی بی مریمؑ کے پاس گرمیوں میں پیدا ہونے والے پھلوں کو (خرقِ عادت کے طور پر) سردیوں میں پاتے تھے اور سردیوں میں آنے والے پھلوں کو (خلافِ عادت) موسم گرما میں پاتے تھے۔

اور قرآن نے ایک دوسری گواہی یہ پیش کی ہے کہ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر آصف رضی اللہ عنہٗ نے (اپنے آقا حضرت سلیمان علیہ السلامؑ) یہ عرض کیا کہ آپ پلک جھپکنے سے پہلے ہی میں بلقیس کا تخت یہاں آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔

جب بی بی مریمؑ اور آصف نبی نہیں تھے تو لامحالہ (ضرور) کہنا پڑا کہ ان سے یہ کرامت واقع ہوئی۔ (ابھی آپ نے یہاں قرآن سے کرامات کے واقع ہونے کی دلیل سنی) اب احادیث اور اجماعِ اہلِ سنت سے ثبوت چاہیے تو اس کے لیے سیرت اور عقائد کی کتابوں میں اس کی تفصیل مل جائے گی۔ (وہاں دیکھ لینا۔)

اقسامِ خرقِ عادات

صاحبِ "نفحات" فرماتے ہیں کہ (کشف و کرامات) اور خرقِ عادات کی قسمیں بے انتہا ہیں۔ جیسے معدوم کو موجود کرنا (نیستی کو ہستی میں لانا) اور موجود کو معدوم بنانا، جو نگاہوں سے اوجھل ہو اسے ظاہر کر دینا۔ اور جو نگاہوں کے سامنے ہو اسے چھپا دینا۔ دعاؤں کا مقبول ہونا۔ تھوڑے وقت میں ایک طویل مسافت کا طے کر لینا۔ اور غیبی امور کا جان لینا (اپنے کشف اور سچے خواب اور فرشتۂ غیب) اور اپنی حس کے ذریعہ اور پھر اس سے دوسروں کو آگاہ کرا دینا۔ بیک وقت مختلف جگہوں میں حاضر رہنا۔ مُردوں کو جِلانا (زندہ کرنا) اور زندوں کو مارنا (مردہ بنانا) حیوانات (درندوں) نباتات (درختوں) جمادات (مٹی اور پتھروں) کی آواز اور بولیوں سے ان کی باتوں کا سُننا (اور واقف ہونا) اور کسی ظاہری اسباب کے بغیر ہی بوقتِ ضرورت کھانے پینے کی چیزیں حاضر کر دینا وغیرہ بہت سے عمل جو خلافِ عا، کریں جیسے پانی پر چلنا، ہواؤں پر اڑنا اور اپنی خواہش کے مطابق کھانا حاضر کرنا (کہ جب چاہے اور جیسا چاہے) اور اسی طرح وحشی اور درندہ صفات حیوانات کو مسخّر کرنا (جیسے شیر، سانپ اور اژدھے وغیرہ) یا اسی ظاہری قوت کا مظاہرہ کرنا، جو ان اولیاء اللہ کے جسم میں ہے جیسے انہوں نے کسی موٹے درخت کو (محض اپنے پاؤں سے دھکّا دے دیا تو وہ جڑ پیڑ سے اکھڑ کر اوپر اُڑنے لگے۔ (یا پھر اُن کا کسی) دیوار پر ہاتھ کا ایک مُکّا

مارنا جس سے دیوار پر شگاف پڑ جائے یا یہ حضرات اگر کسی شخص کی طرف اپنی انگلی سے کوئی اشارہ کردیں تو وہ فوراً گر پڑے یا کسی کی گردن کی طرف اشارہ کیا تو اس کا سر جسم سے الگ ہو کر اڑنے لگے۔

مظہرِ ذاتِ حق تعالےٰ

غرض اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور محبوبین میں سے جب کسی کو اپنی قدرتِ کاملہ کا مظہر بنا دیتے ہیں تو وہ اس مادی دنیا میں جس قسم کا تصرف چاہتے ہیں کر دکھلاتے ہیں۔ اور یہ سارے تصرّفات اور تاثیرات بھی درحقیقت حق تعالےٰ شانہٗ کی ذات سے ہوتی ہیں۔ اور ذات (بظاہر) درمیاں نہیں ہوتی اس لیے ان کا ظہور ان بزرگوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔" انتہی۔

اصل کی تابع

(حضرت) قیصری قدس سرہٗ "شرحِ فصوص" کے مقدمہ کی نویں فصل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"بزرگانِ دین کے (ان تصرفات) اور مطلق ربوبیت پر خیال نہ کریں۔ کیوں کہ یہ ہر حق والے کو (اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق) اس کا حق مل ہی جاتا ہے۔ جس سے وہ حاجت مندوں کی حاجت روائی کردیتا ہے۔ اور اس سے سارا عالم فیض اٹھاتا ہے۔ (اور ایسا تصرف) پوری قدرت اور پوری صفات اُلوہیت کے بغیر ناممکن ہے۔"

"پس اس (ذات) کے لیے بہت سے نام ہیں۔ جن کے ذریعہ پورے عالم میں اس کی استعداد اور قابلیت کے مطابق تصرفات ہوتے ہیں۔ اور جب یہ انسانی حقیقت اور الوہیت اور عبودیت کی دو جہتوں پر مشتمل ہوجاتی ہے تو اب اس میں اصلیت نہیں رہے گی بلکہ تبعیت رہے گی۔ (گویا وہ اصل کی تابع رہے گی۔) اسی کا (دوسرا) نام خلافت ہے۔"

خلافت

(پھر اس خلافت والی صورت میں) کسی کو مارنے جلانے، کسی پر مہربانی اور غیض و غضب اور قہر ڈھانے اور کسی سے خوشنودی اور ناراضگی وغیرہ تمام صفات میں تصرّفات کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور نیز یہ تصرّف نہ صرف نفسِ حقیقت میں بلکہ اس کی بشریت میں بھی ہوا کرے گا۔ کیوں کہ یہ بشریت بھی (موجوداتِ عالم میں سے) ایک وجود ہے۔"

جوابِ اشکال

(اب رہا یہ اشکال کہ) "سرورِ عالم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رونا، غمگین ہونا اور تنگ دل ہونا ثابت ہے (جیسے آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے انتقال پر آپؐ کی آنکھوں سے آنسوں جاری تھے اور زبانِ مبارک سے یہ الفاظ نکلے تھے "اِنَّا بفراقكَ یا ابراهیم لَمَحزونون" (اے ابراہیم تیری جدائی سے ہم دل گیر و غمگین ہیں۔) تو یہ اس کی منافی نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ آپ کا بعض طبعی اور صفاتی تقاضوں کے نتیجے پر منحصر ہے۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ (شان) کی حیثیت سے دیکھا جائے تو زمین و آسمان کے ذرّہ ذرّہ سے آپ واقف کار ہیں۔ گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے صحابہؓ سے) فرمایا تھا "انتم اعلم بامور دنیاکم" (لئے تم اپنے دنیوی معاملات سے زیادہ واقف ہو) تو یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشری تقاضوں کے تحت ہی ہے۔ انتہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کراماتِ اولیاء فناء اور بقاء پر مرتب ہوتے ہیں۔ مثنوی شریف : ز ے

روٹی جب دسترخوان پر ہوگی تو یوں ہی پڑی رہے گی اور جب (خود کو فنا کر کے) پیٹ میں داخل ہوگی تو روح کو خوش کر دے گی دسترخوان میں وہ سکت کہاں؟ جو اسے ہضم کر سکے۔ اس کو ہضم تو روح اور جان کرتی ہے خوش ذائقہ کے ساتھ۔ اے حقیقت کے طالب! روٹی کے ان لقموں سے بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس قوت کے ذریعہ معشوق کی پہچان ہوتی ہے۔ آدمی کے گوشت کے ٹکڑے (انگلیاں) اپنی طاقت کے زور سے پہاڑ کو چیر دیتی ہیں اور اس سے دریا اور چشمے بہا دیتی ہیں۔ پہاڑ کھودنے والے (فرہاد کے عشق و محبت کو دیکھ کر) اس کے زورِ بازو نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور معشوق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طاقت یہ ہے کہ (محض ایک اشارہ سے) چاند پارہ پارہ ہو گیا۔

نگاہِ مردِ مومن

غرض اس (صوفیاء کی) جماعت کی نگاہ دوا کی تاثیر رکھتی ہے اور ان کی باتیں (ملفوظات) شفاء کا کام دیتے ہیں۔ ان کا بولنا بھی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، ان کا چپ رہنا بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے اور یہ تمام صفات میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں کے ساتھ ملے ہوئے (متصف) ہوتے ہیں۔ انھوں نے نفس اور شیطان کے پنجے سے رہائی اور خلاصی حاصل کر لی ہے اور ان کا اسرار خدا کے اسرار کے مقام ہوتے ہیں۔ اور سردار الانبیاء (حضور اکرم) صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین (کی حیثیت سے حدیث) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (یعنی میری امت کے علماء (مقام و مرتبہ کے لحاظ سے) بنی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہیں۔ کے مطابق و موافق یہ (حضرات صوفیاء) مخلوق کی خدمت اور دعوت و تبلیغ کی خاطر، اعلائے کلمۃ الحق کی مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

مثنوی شریف ے تھیلی اور جیب کی قدر پیسہ سے ہوتی ہے۔ جس جیب اور تھیلی میں پیسے نہ ہوں وہ بادل کی طرح ہلکے پھلکے ہیں۔ (اب اسی مثال سے سمجھو کہ) جسم کی قدر روح سے ہوتی ہے اور روح کی قدر محبوب (بزرگوں) کی نگاہ اور صحبت سے ہوتی ہے۔

(جاری)

خوارقِ حیدریہ

حضرت شاہ کریم اللہ قادری علیہ الرحمہ کے فرزندِ ارجمند حضرت شاہ حیدر ولی اللہ علیہ الرحمہ کے خوارق سے آخری خارقہ کا مفہوم خیز ترجمہ ھدیۂ ناظرین ہے جس میں آپ کے ایک معتقد کا سکر کی حالت میں حملہ کرنے کے بعد اس زخم کا مندمل ہو جانا اور اس پر ترس کھاکرنے کا تذکرہ بیان کیا گیا ھے —

ادارہ

خارقہ من خوارقات حضرت شاہ کریم اللہ قادری روح اللہ روحہ واوصل الینا فتوحہ

روزے در مجلسِ آخرِ خود بحضورِ خادمان چنین فرمود کہ اولیائے حق سبحانہ تعالیٰ را ہرگز موت نیست و نباشد چنان چہ بعضے عوام راگہ اگر ایشاں کارے راہِ حیات سیر ولی نیست بلکہ در اندک مدت بہ بہانہ ہمیں جراحت سخت بعالم بقا خواہند خرامید پس بمجرد رسیدن آں حضرت بعالم قدس چنان چہ دانم نتوانم آں مقام خود ازو حاصل کنم و وجود ناپاکش پارہ پارہ گردانم کہ تا ہیچ فردے دست بخونِ بزرگان دراز نہ کند۔ القصہ آن جازم از قصد و نیت آن امیرۂ سعیدہ آگاہ گشتہ کما حقہٗ این بواقعی در خدمتِ آں حضرت مفصلاً

ایک روز اپنی دوسری مجلس آپ اپنے خادموں سے اس طرح خطاب فرمایا کہ اللہ کے دوستوں کو کبھی موت نہیں آتی۔ چناں چہ بعض لوگ جنھیں راہ حیات کے کاموں میں کوئی چلن نہیں ہے بلکہ اس شدید زخم کے بہانے عالم بقا کی جانب سیر کرتے پھرتے ہیں۔ اور عالم قدس جہاں اس کے ذریعہ میں اپنے آپ کو نہ پہنچا سکوں یہ میں جانتا ہوں اور اس کو وجود ناپاک کو پارہ پارہ کردوں تاکہ کوئی آدمی اس کے بعد بزرگوں کی جانب اپنا ہاتھ نہ بڑھائے، القصہ اسی وقت اس امر سعید (جس کا تذکرہ پچھلے خارقہ میں ہوا ہے) کے ارادے اور نیت

ومشرّحاً بیان نمود تبسّم کناں حسین فرمود اے ہم جلیسان

اے ہم جلیسان خالص واے معتقدانِ صادق بہ یقین بدانید وآگاہ باشید زخمہا برتنِ نازک ما رسیدہ عجبے نیست کہ حکیم محاکم وقضائے مبرم بذاتِ آں را بہانہ ساختہ ارجعی الی ربک راضیۃً ومرضیہ در حلق وقتِ ما خواہد ریخت ومکنون دلے ومنویِ ضمیر این امیر چنان ست کہ بمجرد اصولِ ما بعالم بقا ایں جراح بے چارہ مارا از انتقام بمنزلِ عدم رسانم لیس علی رغم آیند وبمنند درایں جراحت کارے کہ بہ ہیچ نوع التیام پذیرفتنی نیست فانما لبروفق قصدِ باطل او ہر آئینہ فقیر بعالم بقاء رجوع کردن نیستم بعد از قدرے لعاب از دہنِ مبارک خود گرفتہ بریں چسپانیدن۔ گرفت تاکہ بجائے مرہم ہماں لعاب بکار بردے۔

قضارا در اندک مدت آن چناں زخمہا کاری فراہم آمدن گرفت وعضوہائے بریدہ ورگہائے گسستہ بہم پیوستن آغاز کرد مانند بکلی التیام پذیر دگ واز مرہم لعابِ مبارکِ خود بہ تمام وکمال صحت وعافیتے روزے خود یافت پس روزے غسل

آپ آگاہ ہوئے اور لوگوں نے کما حقہٗ تمام وتفصیلات حضرت کی خدمت میں پیش کیے تو حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا —

اے مخلص ساتھیو ومعتقدان صادق یہ یقین جانو اور آگاہ ہو جاؤ۔ ہمارے نازک جسم پہ جو زخم لگے ہیں اس میں تعجب نہیں کیوں کہ حکیم محکم وقضائے مبرم کو ہماری ذات کے ساتھ بہانہ بناکر ارجعی الی ربک راضیۃً ومرضیۃً کے شراب بمشکل ہمارے حلق میں اتاریں گے اور اس امیر کی دلی خواہش بھی یہی ہے کہ ہم عالم بقا کو پہنچ جائیں تو اس بے چارے جو زخم کیا تھا کو انتقام کے ذریعہ بمنزلِ عدم پہنچا دے اور اس امیر کا دعویٰ کہ ہمارا یہ زخم کبھی بھر نہیں سکتا، یہ اس کا خام خیال ہے ہمیں عالم بقا کی طرف رجوع مقصود نہیں اس کے بعد اپنے دہنِ مبارک سے لعاب نکال کر زخم پہ لگا دے اور لعاب مرہم کا کام کرتا رہا۔

قضارا چند دنوں میں وہ کاری زخم مندمل ہونا شروع ہوا۔ پھٹا ہوا عضو اور ٹوٹے ہوئے رگ آپس میں جڑنا شروع ہو گئے اور بہت جلد زخم سوکھ گئے۔ آپ کے لعابِ مبارک کے مرہم سے خود بخود پوری صحت وعافیت چند دنوں میں مل گئی۔ ایک

از صحت بجا آوردہ جامہائے پاک پوشیدہ شکرانہ آں جشن و ضیافتے کریمانہ مہیا نمود و بہ ضعیفان و محتاجان نعمتے بسیار ایثار فرمود

همچناں ہر روزے ہر خادمے و معتقدے بقدر وسع و طاقت خویش آں حضرت را بوثاق خود بردہ از انواعِ طعامہا خوانے می کشیدند اتفاقاً درین اثنا آں معتقد خفی و جلی ولی نام طالبِ خاص آں حضرت از صحبت از سرور بغایت مبہوج و مسرور شدہ خوانِ عظیم مہیا و آمادہ نمودہ۔ آں حضرت را استدعا داد۔ قضارا راہے کہ بخانۂ او باید رفت، از پیشش او بخوانہ کہ جراح شوریدہ آں حضرت را درآں کردہ بودند واقع بود چوں بہ نزدیک او بخار رسید جراح واجب القتل خود را دید در دروازۂ زندان نشستہ و رشتۂ امیدِ رہائی از ہم گسستہ علی در سبب دہا شنیدہ ناگاہ ہم دریں اثنا خواب بر او غلبہ کرد اورا از در ربود ناگاہ در ہمیں حال دید نہ شاہ شاہان ہادی گمرہاں در پیش چشمش حاضر آمدہ می گوید قادرا ز غم عاقبت [illegible] نیک این بیت خوش بخواں از بر۔ من بوستانِ سعدی علیہ الرحمہ :

نماند بعصیاں کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیش رو

روز غسلِ صحت فرما کر پاک کپڑے زیب تن کئے اور شکرانے کا جشن اور ضیافت کریمانہ مہیا فرمایا اور غریبوں اور محتاجوں کو بہت کچھ نوازا۔

اسی طرح ہر روز کوئی خادم یا کوئی معتقد اپنی وسعت کے قابل اپنے اپنے گھروں میں دستر خوان بچھاتا رہا۔ اتفاق سے اس اثنا میں آپ کا معتقد خاص طالب ولی نامی جو کہ آپ کی صحت سے نہایت ہی مسرور اور شادماں تھا اپنے گھر ایک عظیم دستر خوان بچھایا۔ اور حضرت کو مدعو کیا۔ جس راستے سے معتقد ولی کے گھر جانا تھا اس سے کچھ پہلے جگہ اس زخم کرنے والے کو مقید کر رکھا گیا تھا۔ جب حضرت کا گزر ادھر سے ہوا تو وہ واجب القتل جراح کو قید خانے کے دروازے پر ٹوٹی ہوئی امیدوں کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا

اچانک اس اثنا میں اس پر نیند غالب آگئی اور سب بھول کر سو گیا۔ ویسی حالت میں خواب میں دیکھا کہ شاہ شاہان، ہادی گمرہان اس کے سامنے حاضر ہو کر فرماتے ہیں:

اے قادر! عاقبت کے غم سے نڈھال نہ ہو بلکہ اس شعر کو ازبر کر لے جو بوستانِ سعدی سے ہے۔۔

گناہ کے سبب سے وہ شخص گرفتار نہ ہوگا
جو ایسے سردار کو اپنا پیشوا رکھتا ہو ..

اطاعتِ والدین

نبیل رحمت اللہ
بی ٹی ایم
زمرۂ سادسہ
دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان۔ ویلور

خدا اور رسول ﷺ کے بعد اولاد پر سب سے زیادہ حق ماں باپ ہی کا ہے۔ کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے وجود کا واحد سبب والدین ہی ہیں۔ انھیں کی پرورش اور نگرانی میں ہم پلتے اور سنِ شعور کو پہنچتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں ماں باپ کے حقوق کو خدا کے حق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اللہ نے اپنی شکرگزاری کے ساتھ ہی ان کی شکرگزاری کی تاکید فرمائی ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ

ان اشکرلی ولوالدیک : یعنی میرا شکر ادا کر اور والدین کے شکرگزار رہو۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دو آدمیوں کو دیکھ کر ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ دوسرے شخص تمہارے کون ہیں؟ اس نے جواب دیا یہ میرے والد ہیں۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا: دیکھو! نہ ان کا نام لینا، نہ کبھی ان سے آگے چلنا اور نہ کبھی ان سے پہلے بیٹھنا۔

فقہاء نے احسان اور سلوک کی تشریح میں ماں کا حق باپ پر مقدّم فرمایا ہے البتہ اعزاز اور ادب، و تعظیم میں باپ کا حق ماں پر مقدّم ہے۔ کیوں کہ عورت ہونے کی وجہ سے ماں احسان کی زیادہ محتاج ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے کہ:

ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ اُمہ کرھًا ووضعتہ امہ کرھًا وحملہ وفصالہٗ ثلٰثون شھرا!

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے بڑی مشقت کے ساتھ اس کو اپنے پیٹ میں لیے پھری اور تکلیف ہی سے جنا اور دودھ چھڑانے میں کم از کم تیس مہینے ہو جاتے ہیں۔ کتنی تکلیف کی مدت ہے۔

قرآنِ کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے:

قولہ تعالیٰ: وَبالوالدین احسانًا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اُفٍّ ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگرچہ وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور تجھ سے خدمت لینے کے محتاج ہو جائیں ان کو اُف تک مت کہہ اور ان کو مت جھڑک اور ان کے ساتھ نرمی سے بات کر۔

حدیث:- عن ابن عباس انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من ولدٍ بارٍ ینظر الی والدیہ نظر رحمۃ الا کتب اللہ لہٗ بکل نظرۃ حجۃ مبرورۃ قالوا وانِ نظر کل یوم مائۃ مرۃٍ قال نعم اللہ اکبر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ بچہ جو کہ اپنے والدین کو رحم کی نظر سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر نظر کے بدلے میں ایک حجِ مقبول کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ صحابہؓ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی بچہ اپنی ماں کو ایک دن میں سو مرتبہ رحم کی نظر سے دیکھتا ہے تو بھی اس کو یہ ثواب ملے گا تو سرکارِ دوعالمؐ نے ارشاد فرمایا: ضرور اس کو اتنا ثواب ملتا ہے۔

ابن ماجہ، نسائی اور حاکم کی حدیث ہے کہ ایک آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ: میرا جہاد کرنے کا ارادہ ہے۔ آپؐ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تیری ماں زندہ ہے؟ جواب دیا کہ یا رسول اللہ زندہ ہے تو ارشاد فرمایا: جا اُن کی خدمت کر۔ اس لیے کہ جنّت ماں کے قدموں تلے ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ہمیں پتہ چلا کہ جنّت ماں کے قدموں تلے ہے ہم کو چاہیئے کہ ماں کی خدمت کریں اور ان کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے رہیں۔

ماں کے بعد ہی باپ کا مقام ہے اس لیے کہ ماں اپنے بچے کو نو ماہ اپنے بطن میں رکھ کر گھومتی پھرتی ہے اور تکلیف کو سہتی ہے اور اپنے بچے کو باپ سے زیادہ پیار کرتی ہے۔ لیکن اپنے بچے کی تکلیف و مشقت کو برداشت نہیں کرتی اور اپنے بچے کو اپنے جان سے زیادہ چاہتی۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ کسی حال میں ہو اپنی ماں مشرک ہی کیوں نہ ہو اسکی ہر نیک بات پر ہم کو عمل پیرا ہونا پڑے گا۔

طبرانی کی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا تین مرتبہ آمین۔ آمین۔ آمین تو صحابۂ کرام پریشان ہوئے اور پوچھے کہ یا رسولؐ اللہ آج کیوں آپؐ نے تین مرتبہ آمین کہا! اس کی وجہ کیا ہے؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ابھی ابھی جبرئیل امین علیہ السلام آئے تھے اور کہے تھے کہ یا رسولؐ اللہ! جو کوئی اپنے والدین میں کسی کو پایا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کیا اور ان کی اطاعت نہ کی تو وہ ہلاک ہو جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا۔ پھر دوسری مرتبہ جبرئیلؑ امین نے فرمایا: یا رسولؐ اللہ جو کوئی رمضان المبارک کا مہینہ کو پایا اور اس کی قدر نہیں کی یعنی روزہ نہیں رکھا تو وہ بھی ہلاک ہو جائے تو حضور اکرمؐ نے آمین کہا۔ تیسری مرتبہ جبرئیل امینؑ نے فرمایا: یا رسولؐ اللہ جو کوئی آپؐ کا نام سُنا اور درود نہیں پڑھا تو وہ بھی ہلاک ہو جائے تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہا۔

ایک زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربار خداوندی میں عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے اس شخص سے ملا جو جنّت میں میرا رفیق ہوگا۔ خداوند کریم نے فرمایا: شہر کے فلاں بازار میں جاؤ وہاں ایک قصّاب اس حلیہ کا ہے جو جنّت میں تمہارا رفیق ہوگا۔ بس حضرت موسیٰ علیہ سلام اسی دوکان پر تشریف لے گئے اور مغرب کے وقت تک وہاں کھڑے رہے۔ قصاب نے گوشت کا ایک ٹکڑا زنبیل میں ڈال لیا۔ اور گھر جانے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم کسی مسلمان کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟ ہاں رکھ سکتا ہوں۔ بس آپؑ اس کے ساتھ اس کے گھر گئے۔ اس نے گوشت پکایا۔ گھر میں ایک بوڑھی ضعیفہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کو کھلایا پلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئی۔ اور وہ آدمی اس بڑھیا کے کپڑے دھوئے اور خشک کیا اور پہنایا۔ بڑھیا نے ہونٹوں سے کچھ دعا دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں نے سُنا کہ وہ کہتی تھی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو جنّت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رفیق بنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ کیا معاملہ ہے اس نے کہا: یہ میری والدہ ہیں۔ بے چاری بہت ضعیف ہو گئی ہیں۔ چل نہیں سکتیں، اٹھ بیٹھ نہیں سکتیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مبارک ہو! میں ہی موسیٰؑ ہوں اور جنت میں تو ہی میرا رفیق ہوگا۔

اب دیکھیں کہ والدین کی نافرمانی کرنے والوں کا کیا حال ہوتا ہے۔ اور وہ کس طرح مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ "تنبیہہ الغافلین" میں ابواللیث تحریر کرتے ہیں، انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سے روایت ہے کہ ایک صحابیؓ حضرت علقمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہایت ہی خدا پرست اور سخی تھے۔ ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوئے۔ ان کی بیوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرا شوہر سخت بیمار ہے گویا کہ اس کا آخری وقت ہے میں چاہتی ہوں کہ ان کے لیے دعا فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت علیؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت عمارؓ سے فرمایا کہ جا کے دیکھو علقمہ کس حال میں ہے۔ حسب فرمان یہ چاروں صحابہ کرامؓ علقمہؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، علقمہؓ کلمہ شریف پڑھنے سے مجبور رہے۔ ان کی زبان بند ہو گئی تھی۔ کلمہ پڑھ نہیں پاتے۔ فوراً حضرت بلالؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا: یا رسول اللہ ہم نے ہر چند کوشش کی کہ علقمہ کو کلمہ پڑھائیں مگر ان کی زبان سے کچھ نہیں نکلتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا علقمہ کی والدہ زندہ ہیں؟ کہا کہ ہاں زندہ ہیں اور وہ بھی بہت ہی ضعیف ہیں۔ جاؤ علقمہؓ کی ماں کو میرا اسلام کہو اور کہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلا رہے ہیں۔ اگر وہ آنے کی قدرت نہیں رکھتیں تو میں خود وہاں پہنچ جاؤں گا۔

حضرت بلالؓ علقمہؓ کی ماں کے پاس پہنچے اور کہا کہ حضور تمہیں بلا رہے ہیں۔ اگر چلنے کی قدرت رکھتی ہوں تو میرے ساتھ چلو ورنہ حضورؐ خود یہاں تشریف لائیں گے۔

بڑھیا نے یہ سن کر کہا: میں حضورؐ پر قربان ہو جاؤں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گی۔ ایک عصا لیا اور ٹیکتی ہوئی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ اور سلام کیا۔ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا: بتاؤ کہ علقمہؓ کس قسم کا آدمی ہے۔ جھوٹ نہ کہنا۔ کیوں کہ میرے پاس وحی آتی ہے۔ اور میں وحی سے معلوم کر لوں گا: بوڑھیا نے کہا: میرا بیٹا علقمہ تو بہت نیک انسان ہے، نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، سخاوت کرتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: یہ تو سب کچھ ہے مگر تمہارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہے۔ یہ تمہاری اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے؟ بوڑھیا نے کہا: یا رسول اللہؐ میں تو اس سے بالکل ناخوش ہوں۔ یہ میری اطاعت نہیں کرتا اور یہ اپنی بیوی کے سامنے مجھے طعنے دیتا ہے اور مجھ سے بے جا معاملہ کرتا ہے اور مجھے اس کی بیوی کی تابعدار بناتا ہے۔ بس اسی وجہ سے میرے دل کو دکھ ہوا ہے میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی۔

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ سے فرمایا: جاؤ بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے اس میں آگ لگا دو تاکہ علقمہ رضؓ کو اس آگ میں ڈال کر جلایا جائے۔

یہ سن کر علقمہ رضؓ کی ماں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے بیٹے کو میرے سامنے جلایا جائے گا جو میرے بدن کا ایک ٹکڑا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جہنم کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ تیز ہے اور تکلیف دہ ہے۔ اگر تجھے ناپسند ہو تو تیرے بیٹے کو معاف کر دے اور اس سے خوش ہو جا۔ وگرنہ مجھ کو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ نہ اس کی نماز قبول ہوگی اور نہ اس کی کوئی عبادت۔

یہ سن کر علقمہ رضؓ کی ماں کو بہت رنج ہوا اور دل سے دعا دی اور کہا کہ یا رسول اللہ! آپؐ گواہ رہیئے کہ میں اس کو معاف کرتی ہوں اور اس سے راضی ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ سے کہا کر جاؤ اور دیکھو کہ علقمہ رضؓ اب کس حال میں ہے۔ حضرت بلال رضؓ علقمہ رضؓ کے دروازے پر پہنچے تو سنتے ہیں کہ علقمہ رضؓ بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوئے جاں بحق ہو گئے انا للہ....

حضورؐ نے خود علقمہ رضؓ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد سب لوگوں سے خطاب فرمایا: اے لوگو دیکھو جو کوئی اپنی بیوی کو ماں پر فوقیت دے اور بیوی کو ماں سے زیادہ سمجھے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ والدین کی خدمت اور تعظیم نہایت ضروری ہے۔ ماں باپ کی خدمت کرنے والا دونوں جہاں میں سرفراز اور نیک نام ہوتا ہے۔ ؎

خدمتِ مادر پدر کن صبح و شام تا کہ باشی دار عالم نیک نام

وما علینا الا البلاغ ••

- نیک نصیحت کے ماننے کی طرف طبیعت کا مائل نہ ہونا اور اپنی باتوں کی تردید سے رنجیدہ ہونا کبر ہے۔ عجب و کبر اور فخر نہایت مہلک بیماریاں ہیں۔
- بد خلقی نجاستِ باطنی کی دلیل ہے۔
- طالبِ دنیا سمندر کا پانی پینے کی مثل ہے۔ جس قدر پیتا ہے زیادہ پیاس لگتی جاتی ہے۔ (حضرت امام غزالیؒ)
- دین کی اصل عقل کی اصل علم، علم کی اصل صبر۔
- جس شخص کو تنہائی سے وحشت اور مخلوق سے موانست ہے وہ سلامتی ہے۔ فضیل ابن عیاضؒ

جادۂ اعتدال

حافظ جی۔ ھدایت اللہ۔ کدری۔ درجۂ ششم، دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

"قافلہ پہنچے گا اپنی منزلِ مقصود پر
شرط یہ ہے کہ وہ چھوڑے نہ راہِ اعتدال"

ہر شخص کی عقل مختلف ہے اور عقل کے مطابق عمل کیا جائے تو دین میں تفرقہ پیدا ہوتی ہے لہذا تعلیم اور بزرگانِ دین سے وابستگی کی ضرورت ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات کا نام ہے۔ اسلام وہ لطیف (پاکیزہ) دین ہے جو مہد سے لے کر لحد تک کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام امن وسلامتی، صلح وآشتی کا پیغامبر ہے۔ اس کے اعمال، کردار اور عقائد اعتدال، درمیانی چال کے علم بردار ہیں۔ کوئی بھی سلیم الطبع انسان اس بات کا قائل نہ ہوگا کہ مذہب اسلام شدّت اور درشتی کو چاہتا ہے۔ مطالعۂ تاریخ کے بعد پتہ چلے گا کہ اسلام سختی کو نہیں اعتدال کو درمیانی راہ کو پسند کرتا ہے۔

چناں چہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا تشددو فیشدد اللّٰہ علیکم تشدّد مت اختیار کرو کہ اللہ بھی تم پر تشدّد کرنے لگے۔

دنیا میں یہی ہوتا آیا ہے کہ یا تو کوئی بھی قوم اس حد تک مبالغہ آمیزی سے کام لیتی ہے کہ وہ حد سے تجاوز کر جاتی ہے یا پھر اس حد تک تحقیر سے کام لیتی ہے کہ حد کو بھی برقرار نہیں رکھتی۔

ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینۂ منوّرہ کی ایک جماعت مناظرہ کے لیے آئی۔ ان میں ابن علقمہ، ابو حارث، عبد المسیح تینوں موجود تھے۔ عبد المسیح ان میں بڑا مدّبر تھا۔ ابو الحارث ذکی و ذہین، حافظہ بہت قوی تھا۔ توراۃ و انجیل پر اس کی گہری نظر تھی۔ ان لوگوں کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اور اسی مسئلہ پر وہ

مناظرہ کرنا چاہتے تھے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حَیٌّ (یعنی خود زندہ ہے) قَیُّومٌ (زندگی کو تھامنے والا) ہے اور حضرت عیسیٰؑ پر فنا آنے والی ہے۔ جس پر فنا آئے جو اپنی زندگی کو سنبھال نہ پائے وہ کیسے الٰہ بن سکتا ہے؟.... اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے
کانا یاکلان الطعام: حضرت عیسیٰؑ اور مریم علیہما السلام کھانا کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ دونوں کھانے کے محتاج تھے اور جو کسی بھی چیز کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ جب دیکھا انہوں نے ان دلائل کو تو چپ سادھ لیا۔ اور متشابہات و کلام پر بحث کرنے لگے۔

پہلے تو بیٹا کہا اور بعد میں خدا کہا۔ مبالغہ اور زیادتی کی حد ہو گئی۔ اور جب عیسیٰؑ نے کہا انّی عبداللہ آتنی الکتاب وجعلنی نبیاً: میں خدا کا بندہ ہوں مجھے کتاب دی گئی ہے اور نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں تو قتل کرنے کے درپے ہو گئے اور یہودیوں نے بھی پہلے پہل یہی کچھ کہا کسی کا انکار، کسی کا قتل۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں درشتی کام آنے والی نہیں۔ اور منزلِ مقصود کو پہنچانے والی راہ "راہ اعتدال" ہے۔

دیکھیے کسی نے نبی کو نبی نہیں مانا اور کسی نے صحابی کو نبی بنانے کی سعیٔ لاحاصل کی اور کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی تعظیم کی اور غلو پیدا کیا کہ بشریت سے خارج کر دیا۔ کسی نے محبت میں اتنی کمی کی کہ تحقیر و توہین پر آ گئے۔ نتیجہ اس بات پر منتج ہوتا ہے کہ جہاں جہاں اعمال و افعال میں تشدد برتا، مبالغہ آمیزی سے کام لیا وہاں وہاں وہ گمرہی کا شکار ہو گئے اور راہِ راست سے دونوں ہٹ گئے۔

اسی لیے محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال کی تعلیم دی اور تشدد سے روکا۔ آپؐ نے تعلیم کے ساتھ تربیت بھی فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ اجمعین کے قلوب منجھے، ریاضتیں کروائیں، رات کو نوافل میں مصروف اور دن کو حرکتِ عمل میں مشغول اور خود حضور اکرمؐ اس کی نگرانی فرماتے تھے۔ صحابہؓ کی رات کی زندگی کیسے گزرتی تھی اور دن کی کیسی؟

آپؐ راتوں میں گھومتے تھے۔ اندر سے کوئی بری آواز تو نہیں آ رہی ہے؟ گھریلو زندگی صحیح ہے کہ غلط ــــ

حدیث میں ہے کہ آپؐ رات کو نگراں کے طور پہ اٹھے۔ تو جنابِ صدیق اکبرؓ کے گھر سے گزر ہوا۔ وہ قرآن کریم اتنا آہستہ پڑھ رہے تھے کہ بمشکل سنائی دیتا تھا۔ آگے گئے حضرت عمر ابنِ خطابؓ کے مکان سے گزر ہوا۔ وہ اتنی بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے کہ سارا محلّہ گونج رہا تھا۔ صبح ہوئی، دونوں صدیق اکبرؓ اور عمر بن خطابؓ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

آپؐ نے پوچھا اے ابوبکرؓ تم اتنی آہستگی سے کیوں قرآن پڑھ رہے تھے؟ نرم قلب کے مالک نے نرمی کا جواب دیا: یا رسول اللہؐ ادعو اصمّ ولا غائب۔ میں اسے پکار رہا تھا جو غائب بھی نہیں، بہرہ بھی نہیں۔ میں تو پروردگارِ عالم کو سنا رہا تھا جو ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ اُدعو ربّکم تضرعًا خفیہ میں آہستہ تو پڑھ رہا تھا۔ اللہ تو دل کی کھٹک کو بھی سنتا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پوچھ گچھ کی: اے عمر تم اتنا چلّا کر کیوں پڑھ رہے تھے؟ وہ اپنی شان کو باقی رکھتے ہوئے جواب دیا: اطرُد الشیطان واوقظ الوسنان شیطان کو بھگا رہا تھا، سوتوں کو جگا رہا تھا۔

آپؐ نے یہاں بھی تعلیم و تربیت کا خیال رکھا۔ اور ارشاد فرمایا: کہ اے ابوبکرؓ تم ذرا اپنی آواز کو بلند کر لو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اے عمرؓ! تم اپنی آواز کو ذرا دھیمی کر لو تاکہ اعتدال قائم ہو جائے۔ عمل میں افراط و تفریط نہ ہو۔ کمی زیادتی سے محفوظ رہو۔ ؎

نہ اتنے سخت بنو کہ توڑ لیے جاؤ   اور نہ اتنے نرم کے موڑ لیے جاؤ

یہ تعلیمِ اسلام ہے۔ اصول ہی یہی ہے کہ اخلاق میں اعتدال، عقائد میں درمیانی، چال ہر چیز میں اعتدال کو برقرار رکھو۔ اولاد پہ اتنی پر اتنی سختی کی کہ اولاد باغی ہو گئی اور ڈھیل دی تو اتنی کہ تربیت میں بگاڑ آگیا۔ نفس کے حکم پہ اتنا کھایا کہ نظامِ جسم میں فرق آگیا اور خدا یاد آیا تو رہبانیت اختیار کر لی ـــ!

ایک صحابی کے بارے میں آپؐ کو خبر ملی کہ وہ پے در پے روزہ رکھے جا رہے ہیں۔ آپؐ نے انھیں دربارِ رسالت میں بلوا بھیجا اور ارشاد فرمایا: ولجارک علیک حق ولنفسک علیک حقٌ۔ مسلسل روزہ نہ رکھا کرو۔ اسلام میں رہبانیت کی اجازت نہیں کہ یوں گوشہ پکڑے رہو۔ کچھ حقوق اللہ کے اور کچھ حقوق بندوں کے، تمہارے پڑوسیوں کے کچھ حقوق تو بیوی بچّوں کے کچھ حقوق، تمہاری اپنی جان کے کچھ حق ہیں ادا کرو۔

یہی راہِ ہدایتِ عالی ہے اور یہی جادۂ اعتدال ہے۔!

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مسجد میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ ایک رسّی چھت سے لٹکادی تھیں نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا: یہ رسّی کیسی ہے؟ عرض کیا گیا ام سلمہؓ عبادت کرتی ہیں جب نیند آنے لگتی ہے تو رسّی کا سہارا پکڑتی ہیں تاکہ نیند میں جھونکے نہ کھائیں۔ اور عبادت میں مصروف رہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب نیند آئے پڑ کے سو رہو: لاتفریط فی النوم: نیند میں کمی نہ کرو۔ جتنی طبعی عادت ہے پورا کرو۔ اعتدال کو قائم رکھو۔ اتنا دوڑ کر نہ چلو کہ ٹھوکر لگے اور گر جاؤ۔ اور پھر چلنے کے بھی قابل نہ رہو۔ آگے ارشاد فرمایا کہ درمیانی چال چلو کچھ دن میں عبادت کرلیا کرو کچھ رات میں اللہ اللہ کرلیا کرو۔ اتنا کہ نباہ سکو۔ آپؐ نے ضابطہ بیان فرمایا: خیرالاعمال مادیم علیہ وان قلّ: بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت ہو اگرچہ کہ تھوڑا ہو۔ جیسے چیونٹی کی چال۔ خرگوش کا عمل نہیں چاہیے عمل اتنا کہ تھک ہار کر بیٹھ جائیں غلط ہے اور تھوڑا کیا اور اتنا سست کہ اصل حق بھی ادا نہ ہو دونوں چیزیں افراط ہیں یا تفریط۔ دونوں سے اجتناب لازمی ہے۔

حضرت منصور علیہ الرحمہ نے "اناالحق" کہا تو صرف ان کلمات کو دیکھ کر اُن کے حق ہونے میں گستاخی نہیں کی جائے گی۔ بلکہ تمام زندگی کا جائزہ لے کر ان کے مناسب "اناالحق" کا معنی بیان کیا جائے گا۔ برخلاف فرعون کے کہ فرعون نے بھی اناالحق کہا تو اس کی ظاہری معنی ہی مراد لیا گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ زندگی ہی اُس کی ایسی تھی کہ خدائی دعوے کرتا تھا۔

حضرت منصور علیہ الرحمہ کی زندگی اولیاء اللہ جیسی تھی اور فرعون کی شیطانی زندگی تھی۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کا معروف مقولہ ہے: ملکی اعظم ومن ملک اللہ: میرا ملک خدا کے ملک سے بڑا ہے۔ مریدوں نے کہا کہ یہ تو کلمۂ کفر ہے۔ آپ نے فرمایا: جب میری زبان سے یہ کلمہ نکلے تو مجھے مارنا شروع کردو۔ ایک مرتبہ وہی کلمہ زبان سے نکلا اور مریدوں نے حکم بجا لایا کرشمۂ قدرت ہوا ایسے کہ مریدین مارتے حضرت کو تھے مار لگتی خود مارنے والے مریدین کو تھی۔ حکم بجا لانے نے ماروں سے بے حال کردیا۔ آپ نے پوچھا کیا حال ہے تو مریدوں نے کیفیت سنائی تو آپ نے فرمایا وہ کلمہ کلمۂ کفر نہیں بلکہ عین کلمۂ ایمان ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ملک تو میں اور ساری کائنات ہے اور میرا ملک خود اللہ ہے جس میں میں ہر وقت سیر و تفریح کرتا ہوں۔ اب یہاں بھی ظواہر پہ فیصلہ کرتے ہوئے اہل اللہ کو درجۂ ولایت سے

(بقیہ صـ۱۱۹ پر)

فضائلِ صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قرآن وحدیث کی روشنی میں

شیخ عبداللہ گنتکل ۔ زمرۂ سادسہ: دارالعلوم لطیفیہ ۔ ویلور

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ

تزکیۂ باطن کی خاطر سارا مال جو دیتا ہے وہ سب سے زیادہ دوزخ سے بچایا جائے گا۔

امام ابن جوزیؒ نے مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اتقی سے مراد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ وہ ہیں جن کی فضیلت میں قرآنی آیات واحادیث ہیں۔ آپؓ کو نبیٔ اکرم شفیع المذنبین، رحمت للعالمین، محسنِ انسانیت، معلّمِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا خُسر بننے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ اور یارِ غار بھی۔

آپؓ کا اسمِ گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ، ماں کا نام ام الخیر سلمٰی بنتِ صخر ہے۔ نسب کے لحاظ سے جناب صدیق اکبرؓ اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مرّہ بن کعب کی اولاد ہیں۔ آپؓ کی کنیت ابوبکر، لقب عتیق اور صدیق ہیں۔

سیدنا صدیقِ اکبرؓ کو زیادہ تر ان کی کنیت سے پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں بکر کے چند لغوی معنے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بکر = اولیت والے۔ ابتداء کرنے والے۔ آگے بڑھنے والے۔ پیش قدمی کرنے والے۔ اور صبح کے وقت کسی کے پاس جانے کو کہتے ہیں۔

ہر نیکی میں آگے بڑھنا اور ہر بھلائی میں پیش قدمی کرنا آپؓ کے اوصاف حمیدہ میں شامل

تھا اس لیے بھی آپؓ کو ابو بکرؓ کہا جاتا ہے۔

آپؓ کا ایک لقب عتیق ہے اور عتیق کے معنی آزاد کے ہیں۔ حضورؐ نے آپؓ کو عَتِیقُ مِنَ النّارِ (آتشِ دوزخ سے آزاد) فرمایا۔

مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر: فصلِ ثالث میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت منقول ہے کہ حضرت ابو بکرؓ، رسول پاکؐ کے پاس حاضر ہوئے آپؐ نے فرمایا: (انت عتیق اللہ من النّار) آپؓ آگ سے من جانب اللہ آزاد شدہ ہیں۔ فَیَوْمَئِذٍ سُمِّیَ عَتِیقًا۔ اس دن سے آپؓ کا نام عتیق رکھا گیا یعنی مشہور ہو گیا۔

آپؓ کا دوسرا لقب صدیق ہے۔ اور صدیق کے معنی اَلْکَثِیْرُ فِی الصِّدْقِ = بہت سچّا، اَلْکَامِلُ فِی الصِّدْقِ: سچّائی میں کامل اور اپنے قول کی عمل سے تصدیق کرنے والا کے ہیں۔ آپؓ کو صدیق اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ آپؓ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ سچّی بات کرتے اور سچّائی کا ساتھ دیتے تھے۔

صواعق محرقہ میں مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا:۔

اَرْحَمُ اُمَّتِیْ اَبُوْبَکْر : میری اُمّت کا سب سے رحم دل آدمی ابو بکرؓ ہے۔

قرآنِ کریم میں کئی آیتیں ہیں جن کا شانِ نزول ہی حضرت جناب صدیقؓ اکبر ہیں۔

دوسری آیت ہے:

ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لاتحزن: اس آیتِ کریمہ کی تشریح میں مفسرینِ کرام رقمطراز ہیں: کہ آیت شریفہ حضرت ابو بکرؓ کی شان میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے لاتحزن فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ بہت ہی رقیق القلب ہیں۔ ورنہ تو یوں ہونا چاہیے: لَاتخف (تم خوف نہ کھاؤ)

آغازِ اسلام تھا۔ جناب صدیق اکبرؓ اپنے گھر کے صحن میں تشریف رکھتے تھے قرآن کریم پڑھتے رہتے۔ اس سوز سے تلاوت فرماتے تھے کہ راہ گذر اپنا راستہ بھول بیٹھتا اور قرآن کو بغور سنتا۔ جن کا دل اسلام قبول نہیں کرتا وہ نبئ کریمؐ کی خدمت میں پہنچ کر شکایت کرتا: اے اللہ کے رسول! آپؐ سچے سہی، قرآن سچّا سہی، ہم اپنے آباد واجداد کے دین پہ اٹل ہیں۔ آپؐ ابو بکرؓ کو قرآن

پڑھنے سے روک لیجیے۔ وہ قرآن کو اس درد سے پڑھتے ہیں کہ ہمارے قلوب بے قابو ہو جاتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے بال بچے اس فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔

مستدرک حاکم میں ہے، حضرت زبیرؓ سے مروی ہے: صدیق اکبرؓ کی یہ عادت شریفہ تھی جس سے مسلمان کو کفار کے ہاتھوں قیدی دیکھتے تو انھیں اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ اس کو خرید کر آزاد نہ فرما دیتے۔

لوگوں نے پوچھا آپؓ ایسا کیوں کرتے ہیں کہ خرید کر غلام سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے آپؓ نے جواب میں فرمایا: میرا مقصود رضائے الٰہی ہے نہ کہ غلاموں کی غلامی سے منتفع ہونا چناں چہ آپؓ نے بلال حبشیؓ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں نے جس جس کے سامنے اسلام کو پیش کیا، ہر ایک میں تردّد کو پایا سوائے ابو بکرؓ کے ... (ابنِ اسحاق)

سرکار دو عالمؐ فضائلِ صدیقِ اکبرؓ پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ جب آپؐ دکھی تھے، صدمات کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ مخالفت کے طوفان بپا تھے پورے اہلِ مکہ انکاری تھے، ایسے میں جس شخص نے بہادری اور بے باکی سے نبیٔ اکرمؐ کا ساتھ دیا۔ وہ حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ اور آپؐ انھیں زندگی بھر بھلا نہیں سکتے اسی طرح آپؓ نے بھی وفا کی۔

نبیٔ کریمؐ کی وفات کے موقع پر امامت کے لیے سرکارِ دو عالمؐ نے اپنی نیابت کے طور پر آپؓ ہی کو منتخب فرمایا۔ جب آپؐ اس دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپؓ ملّتِ اسلامیہ کے پہلے امیر و خلیفہ مقرر ہوئے۔ اُس دَور میں اسلامی امارت و سیاست کے راہبر بنے۔

یہ ایک عجیب اختلافی دَور تھا۔ ایک طرف یہود اور منافق یہ کہہ کر بھولے بھالے مسلمانوں کو بہکا رہے تھے (نعوذ باللہ) محمدؐ نبی نہ تھے۔ اگر نبی ہوتے تو انھیں موت نہ آتی۔ دوسری طرف بعض نبوت کے جھوٹے دعوے داروں نے اپنی اپنی نبوت کا اعلان کر دیا تھا اور ایک فتنۂ عظیم مچا رکھا تھا۔ ایک افسوس ناک حالت یہ تھی کہ وہ مسلمان جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے۔ جن کا عقیدہ ابھی مضبوط نہ ہونے پایا تھا۔ انھوں نے زکوٰۃ دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مال ہم نے اپنی محنت سے کمایا ہے اسے ایسے ہی دے دینا عقل مندی کے خلاف ہے۔ اس پر فتن دَور میں آپؓ نے ملّتِ اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالی۔ یہ عزم حضرتِ صدیقِ اکبر ہی کا کرشمہ تھا کہ ہر میدان میں اسلام کو کامیابی نصیب ہوی۔

آپؓ نے مرتدین کو سخت سزائیں دیں۔ منکرینِ زکواۃ اور نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کا مقابلہ کرکے قلع قمع فرمایا اور دنیا کو یہ بتا دیا کہ جس دین کی بنیاد پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے وہ دین آپؐ کی وفات سے کھوکھلا نہیں ہے۔

عن عمرو بن العاص قال قلت یارسول اللہ! من احب الناس الیک قال عائشہؓ قلت من الرجال قال ابوھا شم من قال عمر الخطاب۔ (مسلم وبخاری)

راوی عمرو بن العاص کہتے ہیں میں نے رسول خدا صلعم سے پوچھا.... سب سے زیادہ آدمیوں میں کون محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: عائشہؓ۔ میں نے پوچھا: مردوں میں سے؟ (تو ارشاد فرمایا:) ان کے باپ ابوبکرؓ۔ میں نے پوچھا: پھر: آپؐ نے فرمایا عمر ابن الخطاب۔

دربارِ رسالت کے شاعر حضرت حسّان ابن ثابتؓ سے حضور اکرم صلعم نے فرمایا کہ تم نے ابوبکرؓ کی شان میں بھی کچھ کہا ہے؟ آپؓ نے عرض کیا: ہاں... آپؐ نے فرمایا: مجھے بھی سناؤ: آپؓ نے ابوبکرؓ کی شان میں قصیدہ سنایا۔ آپؐ نے مسکرایا اور حضرتِ حسانؓ کی تحسین فرمائی۔ (حاکم)

امام ترمذی نے نقل کیا ہے عمر ابن خطابؓ نے فرمایا: صدیق اکبرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔

امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ابوبکرؓ ہمارے سردار ہیں۔

امام احمد نے لکھا ہے علی ابن ابی طالبؓ فرماتے ہیں اس امّت کے نبیؐ کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ سب سے افضل ہیں۔ ... حضرت جبیر ابن مطعم سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلعم کی خدمت میں ایک عورت اپنی ضرورت لیے ہوی حاضر ہوی۔ آپؐ نے فرمایا پھر کبھی آنا۔ یہ سنتے ہی عورت نے کہا جب میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں (اگر آپ کا وصال ہوگیا تو) آپؐ نے فرمایا: ان لم تجدنی فآتی ابابکر : اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس چلے جانا۔

علامہ ابن حجر مکی نے ابن عساکر کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ۔ حضورؐ نے فرمایا تین سو ساٹھ اچھے خصائل ہیں۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ان میں سے کوئی خصلت مجھ میں پائی جاتی ہے؟ سرکارِ دو عالمؐ نے فرمایا سب کی سب تم میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے فضائل بے انتہا و بے شمار ہیں۔ مذکورہ چند خصائل ہدیۂ ناظرین کیا ہوں۔ اللہ ربّ العزّت ہم تمام کو اللہ کے رسولؐ اور اُن کے اصحابؓ و تابعینؒ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔۔ ••

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ

سید محمد عمر - بچالی - زمرۂ سادسہ - دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان، ویلور

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۵ (سورۂ تحریم)

احساس و عمل کی چنگاری جس دل پہ فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

آیت بالا کا ترجمہ یہ ہے: اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔ امید یعنی وعدہ ہے کہ تمہارا رب اس توبہ کی بدولت تمہارے گناہ معاف کردیگا۔ اور تم کو جنّت کے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

انسان گناہ و عصیان کا پُتلا ہے۔ خطا و نسیاں میں مبتلا رہتا ہے۔ انسان سے گناہ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے مگر گناہ پر قائم رہنا اور اسی پر اصرار کرنا باعثِ تعجب بھی ہے اور گناہوں سے توبہ کرلینا ہے تو قابلِ رحم بھی ہے۔

عجیب بات ہے کہ کسی انسان نے کسی انسان کے بارے میں کوئی غلطی کی ہو یا کوئی جرم کیا ہو تو وہ انسان اپنے مجرم کو تلاش کرتا پھرتا ہے اور تھانہ میں رپورٹ کرتا ہے کہ اس کو پکڑا جائے وہ میرا مجرم ہے۔ اس نے میرے ساتھ فلاں زیادتی کی ہے۔ فلاں جرم کیا ہے۔ پولیس اس مجرم کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور جا بجا چھاپہ مارتی ہے۔

مگر قربان جاؤں اس ذاتِ غفور و رحیم پر وہ اپنے مجرم کو اعلان کرکے بلاتی ہے اور فرمایا جاتا ہے اے گنہ گارو، اے مجرمو! اگر تم سے جرم ہوگیا ہے یا گناہ کا ارتکاب ہوگیا ہے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں

ہے اور میرے دروازے پر میرا دروازہ سنبھال لو۔ میری چوکھٹ پر جھک جاؤ۔ میں تمہیں معاف کردوں گا۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ انسان اپنے مجرم کو سزا دے کر راضی ہوتا ہے اور رحمان اپنے مجرم کو رہائی دے کر خوش ہوتا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں بار بار اس بات کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہوگیا تو فوراً اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع ہو جاؤ۔

وَتوبوا الی اللہ جمیعًا ایھا المؤمنین للعلکم تفلحون ۝ (سورۂ نور)

ترجمہ: تم سب اللہ تعالےٰ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: مخلوق کی پیدائش سے چار ہزار برس پہلے عرش کے چاروں طرف لکھ دیا گیا تھا:

اِنِّی لغفّارٌ لِمَن تَابَ وامنؔ وعَملؔ عَمِلاً صالحاً ثُمّ اھتدیٰ

جس نے توبہ کی اور ایمان لایا، نیک عمل کیا میں اس کو بخشنے والا ہوں تو وہ ہدایت پاتا ہے

مثال کے طور پر اللہ تعالےٰ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جنھوں نے خطاؤں کے پودے لگائے۔ انہیں توبہ کا پانی دیا اور حسرت ولذات کا پھل کھایا۔ وہ دیوانگی کے بغیر دیوانے کہلائے۔ بغیر کسی مشقت کے لذّتیں حاصل کیں۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی معرفت رکھنے والے فصیح وبلیغ حضرات ہیں اور عدیم النظیر ہیں۔ انھوں نے محبت کے جام پیئے اور مصائب پر صبر کرنے کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ پھر عالم ملکوت میں ان کے دل غم زدہ ہوگئے اور عالم جبروت کے حجابات کی سیر نے ان کے افتطار کو فلاح بخشی۔ انھوں نے ندامت کے خیموں میں بسیرا کیا اپنی خطاؤں کے صحیفوں کو پڑھا اور گریہ وزاری میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ وہ اپنی پرہیزگاری کی بدولت زہد کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے۔ انھوں نے ترکِ دنیا کی تلخی کو شیریں سمجھا اور سخت بستروں کو نہایت نرم جانا تاآں کہ انہوں نے راہ نجات اور سلامتی کی بنیادوں کو پالیا۔ ان کی ارواح کو بہشت کے باغوں میں جگہ ملی۔ اور ابدی زندگی کے مستحق قرار پائے۔ انہوں نے آہ وبکا کی خندقوں کو پاٹ دیا۔ اور خواہشات کے پُلوں کو عبور کر گئے، یہاں تک کہ وہ علم کے ہمسائے ہوئے اور حکمت ودانائی کے تالاب سے سیراب ہوئے، پھر وہ فراست کی کشتیوں میں سوار ہوئے۔ انھوں نے سلامتی کے دریا میں نجات کی دولت سے قلعے بنائے اور راحت کے باغات اور عزّت وکرامت

کے خزانوں کے مالک بن گئے۔ اب ذرا سچی توبہ کرنے والوں کے سچے واقعات بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اے عمرؓ کیوں روتے ہو؟ عرض کی حضور! دروازے پر کھڑے ہوئے جوان کی گریہ وزاری نے میرا جگر جلا دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا! اے عمر! اُسے اندر لاؤ۔ جب جوان حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے فرمایا: اے جوان! تم کس لیے رو رہے ہو؟ عرض کی: حضورؐ میں اپنے گناہوں کی کثرت اور ربّ ذوالجلال کی ناراضگی کے خوف سے رو رہا ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے جوان! اگر تیرے گناہ ساتوں آسمان زمین اور پہاڑوں کے برابر ہوں تو بھی اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ جوان نے کہا: یارسولؐ اللہ! میرا گناہ ان سے بھی بڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا کرسی بڑی ہے؟ جوان نے عرض کیا: میرا گناہ۔ آپؐ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا عرشِ الٰہی جوان نے عرض کیا: میرا گناہ بڑا ہے یارسولؐ اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا ربّ ذوالجلال جوان نے عرض کیا: ربّ ذوالجلال عظیم ہے۔ میرے نبیؐ نے فرمایا: بلاشبہ جرم عظیم کو ربّ عظیم ہی معاف فرماتا ہے۔ وہ کون سا گناہ ہے مجھ کو بتلاؤ۔ عرض کی حضورؐ! مجھے آپؐ کے سامنے عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کوئی بات نہیں تم بتلاؤ۔

عرض کی حضورؐ! میں نے سات سال سے کفن دزدی یعنی سات سال سے کفن چراتا تھا انصار کی ایک لڑکی فوت ہو گئی تو میں اس کا کفن چرانے جا پہنچا۔ میں نے قبر کھودی۔ کفن لے لیا۔ اور چل پڑا۔ کچھ ہی دُور گیا تھا مجھ پر شیطان غالب آ گیا۔ اور میں اُلٹے قدم واپس پہنچا اور لڑکی سے بدکاری کی۔ میں گناہ کر کے ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ لڑکی کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: اے جوان! خدا تجھے غارت کرے۔ تو نے مجھے مُردوں کی جماعت سے برہنہ کر دیا اور دربار خداوندی میں ناپاک کر دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اے بدبخت! دور ہو جا! تو نارِ جہنم کا مستحق ہے۔

جوان وہاں سے چلا۔ جب اُسے اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے تو اس نے آسمان کی کی طرف نگاہ کی اور کہا: اے محمدؐ و آدم و ابراہیم (علیہم السلام) کے ربّ! اگر تو نے میرے گناہ کو بخش دیا ہے تو حضورؐ میرے نبیؐ اور آپؐ کے دوستوں کو مطلع فرما۔ وگرنہ آسمان سے آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور جہنّم کے عذاب سے مجھے بچا لے۔ اسی وقت جبرئیل امینؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپؐ کا ربّ آپؐ کو سلام کہتا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ

میں نے جوان کی توبہ قبول کی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے جوان کو بلا کر توبہ کی قبولیت کا مژدہ سنایا اور فرمایا: اِنَّ اللہ یُحِب التَّوابین و یحب المطھرین: اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو۔

آیت شریفہ سے مژدہ سناتے ہیں: وَالَّذِینَ اِذ فَعَلُوا فاحشۃً اَوْ ظلموا انفسھم ذکروُا اللہ فاستغفرُوا الذنوبِھِم (سورہ آل عمران)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جب وہ کوئی کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو اپنے نفسوں پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔

خواہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں تو بھی رحمتِ خداوندی سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ یا سو بار توبہ کرے پھر توڑتے رہے تو بھی رحمتِ خداوندی سے مایوس نہ ہونا چاہیے بلکہ دربارِ خداوندی میں بزبان قلب توبہ کر لیں گے تو ذات باری تعالیٰ اعلان کرتی ہے کہ: ؎

باز آ باز آ ہر آں چہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکنی باز آ

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ایک شخص ایسا تھا جو اپنی توبہ پر کبھی قائم نہیں رہتا تھا۔ جب بھی وہ توبہ کرتا اُسے توڑ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اُسے اسی حال میں بیس سال گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی کی میرے بندے سے کہہ دو میں تجھ سے سخت ناراض ہوں۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو اللہ کا پیغام دیا وہ بہت غمگین ہوا اور بیابانوں کی طرف نکل گیا۔ وہاں جا کر بارگاہِ رب العزت میں عرض کی:-

اے ربّ ذوالجلال! تیری رحمت جاتی رہی یا میرے گناہوں نے تجھے دکھ دیا؟ تیرے بخشش کے دروازے بند ہو گئے یا بندوں پر تیری نگاہِ کرم نہیں رہی؟ تیری عفو و درگزر سے کون سا گناہ بڑا ہے؟ تو کریم ہے، میں بخیل ہوں۔ کیا میرا بخل تیرے کرم پر غالب آ گیا ہے؟ اگر تو نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے محروم کر دیا تو وہ کس کے دروازے پر جائیں گے؟ اگر تو نے انھیں راندۂ درگاہ

کردیا تو وہ کہاں جائیں گے؟ اے ربّ قاہر و قہار اگر تیری بخشش جاتی رہی اور میرے لیے عذاب ہی رہ گیا تو تمام گنہ گاروں کا عذاب مجھے دے دے۔ میں ان پر اپنی جان قربان کرتا ہوں۔ تو اللہ تعالٰے نے حضرت موسٰیؑ سے فرمایا: جاؤ اور میرے بندے سے کہہ دو کہ تو نے میرے کمال قدرت اور عفو و درگزر کی حقیقت کو سمجھ لیا ہے۔ اگر تیرے گناہوں سے زمین پُر ہو جائے تب بھی میں بخش دوں گا۔

اِن آیاتِ قرآنی اور احادیث مبارکہ اور نصیحت آموز واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی بڑا گنہ گار کیوں نہ ہو جب وہ گناہ سے توبہ کرتا ہے اور درِ رحمت کو کھٹ کھٹا کر معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالٰے اس کو مایوس نہیں کرے گا ضرور معاف کریگا۔ اور اپنے بندے پر رحمت و مغفرت کے دروازے کھول دے گا۔ اللہ تعالٰے کو اس انسان کی توبہ سے اتنی زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ کوئی ہلاکت خیز زمین میں اپنی سواری پر کھانے پینے کا سامان لادے سفر کر رہا ہو اور وہاں آرام کی غرض سے رک جائے وہ سر رکھے تو اسے نیند آجائے۔ جب سو کر اٹھے تو اس کی سواری معہ سامان کے غائب ہو اور وہ اس کی جستجو میں نکلے یہاں تک کہ شدّت کی گرمی اور پیاس سے بدحال ہو کر اسی جگہ واپس آجائے جہاں وہ پہلے سویا تھا اور موت کے انتظار میں اپنے بازو کا تکیہ بنا کر لیٹ جائے اب جو وہ جاگا تو اس نے دیکھا کہ اس کی سواری مع سامان اُسکے قریب موجود ہے۔ اللہ تعالٰے کو عبد غائب سے اس سواری والے شخص سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

یاایُّھا المذنب المحصی اثمہ   لا تَنْسَ ذنبکَ واذکر منہ سلفا

اے گناہوں کو شمار کرنے والے مجرم اپنے گناہوں کو مت بھول اور گزشتہ غلطیوں کو یاد کرتا رہ

وتب الی اللہ قبل الموت وانزجرًا   باعَاصیًا واعترف ان کنت معترفًا

موت سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کر لے، گناہوں سے رک جا غلطیوں کا اعتراف کر لے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام کو سچّی توبہ کر لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما توفیقی اِلا باللہ العظیم ••

حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کا ارشاد ہے:

- اسراف اس کا بھی نام ہے کہ جس چیز کو انسان کی طبیعت چاہے کھائے
- قبل اس کے کہ بزرگ بنو، علم حاصل کرو۔
- ایمان کے بعد بڑی نعمت عورت ہے۔ •• مرسلہ: سید عبدالقادر۔ وانم باڑی

آفتابِ دکن

حافظ محمد فرید الدین
عرف
امجد پاشا لطیفی

اولیائے کاملین و علمائے ربانین کے مقدّس و عظیم المرتبت افراد میں سے ایک ولی کامل اور اس سنہری سلسلہ کی زرّین کڑیوں میں سے ایک زرّین کڑی آفتابِ دکن، عارف باللہ عالمِ ربّانی شیخ الاسلام والمسلمینؒ عاشقِ رسولؐ الحاج حافظ محمد انوار اللہ فاروقی المخاطب بہ خان بہادر نواب فضیلت جنگ بانیٔ جامعۂ عثمانیہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت ہے۔ جو تیرھویں صدی کے اواخر میں جبینِ دکن، مبلغِ دینِ اسلام اور مصلحِ اقوام کی حیثیت سے آفتابِ نصف النہار بن کر چمکے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں کے اندر پورے دکن میں آپ کی علمی و عملی خدمات کی گونج سنائی دینے لگی۔ قارئین کی معلومات کے لیے ذیل میں ہم آپ کی سیرت و سوانح اور علمی و دینی خدمات کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں۔

ولادت :۔ ایسے تو دنیا میں ہر روز لاکھوں انسان آتے ہیں اور آتے رہیں گے لیکن جب خداوند قدوس اپنے کسی خاص بندے کو دنیا میں بھیجنا چاہتا ہے تو اس کے ظہور سے پہلے اس کی آمد کہ کچھ امارات و اشارات بھی ظاہر فرما دیتا ہے۔ کہ اس سے آنے والے کی اہمیت و عظمت کی بصیرت مل سکے۔ اور چوں کہ آفتابِ دکن حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ ایک با مقصد اور عظیم انسان بن کر دنیا کے سامنے رونما ہونے والے تھے اس لیے خلّاق نے آپ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی آمد کا اشارہ فرما دیا۔ جیسا کہ آپ خود بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے خواب میں شہنشاہِ دوعالمؐ کو تلاوت قرآن مجید فرماتے ہوئے دیکھا تو اپنے علاقہ کے ایک مجذوب کے پاس کچھ ھدیہ بھیج کر خواب کی تعبیر دریافت فرمائیں تو باخدا بزرگ نے اس کی تعبیر میں فرمایا۔ ایک لڑکا تولد ہوگا جو حافظ قرآن اور محافظ علوم فرقان ہوگا۔ الغرض شیخ الاسلام

۴ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۴ھ کو بمقام نانڈیر (مہاراشٹرا) میں اپنی والدہ کے سنہری تعبیر اور اس ولی کامل کی بشارت کا مصداق بن کر اس دنیا میں جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کا خاندان:- آپ کا نسبی تعلق قندھار شریف کے قاضی گھرانے سے کہتے ہیں کہ آپ کے اجداد کو شاہانِ تیموریہ کے دربار میں عہدِ قضاۃ حاصل تھا۔ سلسلۂ نسب از ۳۸ تیسویں واسطہ سے خلیفۂ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد حضرت محمد شجاع الدین علیہ الرحمۃ مشہور زمانہ بزرگ حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کے نواسہ تھے۔

تعلیم و تربیت:- آپ نے اپنی ابتدائی زندگی والدین کے شفقت میں گزاری۔ ابتدائی تعلیم بھی اپنے والدِ ماجد مولانا محمد شجاع الدینؒ سے حاصل فرمائی۔ گیارہ برس کی عمر میں حافظ امجد علیؒ کے حلقۂ درس میں حفظِ قرآن مجید سے فارغ ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لیے اپنے زمانے کے باکمال متبحر اساتذہ کی خدمت میں رجوع ہوئے اور جملہ اسلامی علوم و فنون میں ان حضرات کی بارگاہ سے سیراب ہوئے آپ کے مشہور اساتذۂ کرام مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ، مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ اور مولانا فیاض الدینؒ ہیں۔ اور مولانا شیخ عبداللہ یمنی سے خصوصاً علم تفسیر حدیث میں کمال حاصل کیا اور حدیث کی سند بھی آپ ہی سے حاصل کی۔ علوم ظاہری کے علاوہ علوم روحانی و طریقت کی تعلیم بھی اپنے والدِ ماجد سے پائی۔ بعدازاں اپنی روحانی تعلیم میں اضافہ اور اپنے قلب کو جلا بخشنے کے لیے شیخ الوقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی فیض رسا بارگاہ میں زانوئے ادب تہ کیا اور آپ کے دستِ حق پرست پر تجدید بیعت کے ساتھ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

ملازمت:- آپ سنہ ۱۲۸۵ھ میں محکمۂ مالگذاری میں خلاصہ نویسی کی خدمت پر مامور ہوئے اس وقت آپ پر تنگدستی کا عالم تھا۔ ایسے وقت و حالات میں آپ صرف سودی مثل کو برداشت نہ فرمائے اور بہترین ملازمت سے سنہ ۱۲۸۷ھ میں دستبردار ہو گئے۔

شیخ الاسلام کے احسانات عام طور پر مسلمانانِ ہند اور بالخصوص مسلمانانِ دکن پر بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے دنیا میں ایسے وقت آنکھ کھولی تھی جب پورا دکن لہو و لعب کھیل تماشوں عیش و عشرت اور جہالت کے غار میں ڈوبا ہوا تھا۔ (قطب شاہی و عادل شاہی سلطنتوں کی وراثت میں چھوڑے ہوئے تعیشات کو سلطنت آصفیہ کے جاگیردارانہ نظام میں پروان چڑھنے کا عمدہ موقع فراہم ہوا۔) تعیشات نے پورے دکن کو علمی و اخلاقی طور پر جلا کر خاک کر دیا تھا۔ دکن کو جہالت کے

اس غار سے نکالنے اور معاشرے کی اصلاح کے لیے خالقِ ارض و سماء نے آپ کو منتخب فرمایا۔ آپ نے اپنے شاگرد بادشاہِ وقت کا ذہن علم دوستی، علم پروری اور اصلاحات کی طرف موڑ کر بڑے علمی اور اصلاحی کام کئے۔ جن کی وجہ سے ریاست حیدرآباد دکن کو پورے برّصغیر میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوگیا۔ میر عثمان علی خان آصف جاہ ہفتم کے عہد میں جتنے بھی علمی اور اصلاحی اور تعمیری کام ہوئے ان سب میں بالواسطہ اور بلاواسطہ حضرت شیخ الاسلام عارف باللہ کا تصرف رہا۔ آپ کو ان تمام اصلاحات کے اندر اس وجہ سے کافی مدد و سہولت ملی کہ آپ خاندانِ آصفیہ کے مسلسل تین بادشاہوں کے اتالیق رہ چکے تھے۔ اور ان تمام بادشاہوں کی نگاہوں میں بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے۔

جامعۂ نظامیہ :- تاریکی و جہالت کو دور کرنے کے لیے آپ کے چند مخلص دوستوں کے مشورہ سے ایک خالص دینی ادارہ بنام مدرسۂ نظامیہ ۱۹ رذی الحجہ ۱۲۹۲ سنہ ہجری کو قائم فرمایا۔ آپ نے جامعۂ نظامیہ کے قیام اور اس کی ترقی کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ نے یہاں کے طلبہ اور اساتذہ کو معاشرۂ اسلامی کا نمونہ بنانے کی جدوجہد میں مثالی کارنامے انجام دئے۔ جامعہ نظامیہ کے قیام سے قبل پورے جنوب میں صرف دارالعلوم لطیفیہ ویلور ہی ایک عظیم درس گاہ تین سو سالہ قدیم دینی و علمی اور قطبؒ ویلور کی روحانی درس گاہ تھی جو پوری تندہی اور جانکاہی کے ساتھ جنوب کے اندر دینی خدمت اصلاحی اور تبلیغی میدان میں اسلام کی اشاعت کا فریضہ انجام دے رہی تھی۔ اور صرف یہی ایک درس گاہ تھی جہاں سے تشنگانِ علوم کو سیراب کرتی رہی ہے۔ جامعۂ نظامیہ کے قیام نے جہاں وقت کے اہم تقاضے کو پورا کیا وہیں دارالعلوم لطیفیہ کی ذمہ داری کا حصہ دار بن گیا۔ طالبانِ علومِ اسلامیہ کی سہولت کے لیے وسعت بھی پیدا کر دی۔ الغرض جنوبی ہند میں صرف یہی دونوں ایسے عظیم دینی درس گاہیں جن سے ایسے لاجواب اسلام کے چمکتے دمکتے ستارے چمکے جن کی ضیا نہ صرف ہند بلکہ بیرونِ ہند سری لنکا، ترکستان، افغانستان، ایران و عراق وغیرہ تک پہنچ گئی۔ جن سے سارا عالم ہدایت کی روشنی پا رہا ہے۔ اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک پاتا رہے گا۔

لیل و نہار :- رجال لاتلھھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ چند ایسے مردانِ خدا ہیں جن کو تجارت اور بیع ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ شیخ الاسلام بھی انھیں مردانِ خدا میں سے ایک مردِ عظیم ہیں۔ آپ کے روز و شب حکمِ الٰہی کے مطابق تھے۔ ۱۳۲۰ھ میں عثمان علی خان آصف جاہ ہفتم نے نظامتِ امورِ مذہبی و صدر الصدور صوبہ جات دکن کی خدمت پر مامور کرنا

حکم ملنے پر آپ نے معذرت چاہی۔ آصف جاہ ہفتم نے عرض کیا کہ میں ان خدمات کے لیے آپ سے بہتر کوئی موزوں نہیں ہے۔ ۱۳۲۳ھ میں معین المھام امور مذہبی پہ فائز ہو گئے۔ ان خدمات کے ساتھ ہر روز جامعہ کے حالات آپ کے سامنے پیش کیے جاتے۔ جامعہ کی نگرانی بذاتِ خود فرماتے۔ ان گراں بار خدمات کے ساتھ مختلف علوم و فنون پر تصنیف و تالیف فرماتے۔ رات دس بجے سے علوم ظاہری و باطنی کا درس دیا کرتے۔ اس سے فارغ ہو کر سلسلۂ قادریہ کا ذکر شروع کیا جاتا۔ یہ نماز تہجد تک جاری رہتا۔ تہجد کی نماز کے بعد نماز فجر و اشراق سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر آرام فرماتے پھر روزمرّہ کے مشاغل کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔ دمِ آخر تک اپنے تمام مشاغل پر پابند رہے۔ آپ کی زندگی سنّتِ نبویؐ کا شفاف آئینہ تھی۔ آپ کے افعال و اقوال، اخلاق و کردار، طور طریق، خورد و نوش، انداز و ادا، نشست و برخاست، راحت و لباس، گفت و شنید غرض ہر بات میں اس بات کا خیال رکھتے کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہونے پائے۔ آپ کی ادنیٰ سی ادنیٰ حرکت بھی خلافِ شرع نہ ہوتی۔

علمی، اصلاحی، تعمیری خدمات:۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا باطل جماعتیں مختلف صورتوں میں رونما ہوئیں۔ شہنشاہِ دوعالمؐ کی پیشین گوئیاں صادق آرہی تھیں۔ سیّد عالمؐ نے جن دجّالوں اور کذّابوں کے پیدا ہونے کی خبریں دی تھیں، اُن گروہوں کا سلسلہ جاری تھا۔ باطل خیالات اور فاسد نظریات ایمانی قلعوں کو ڈھانے کی پُر زور کوششیں کر رہی تھیں تو شیخ الاسلام نے اس پُر فتن دور میں مسلکِ حق کو واضح کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ رگِ فاروقی جوش زن ہوی۔ جب مسلکِ حق پر ضرب کاریاں ہو رہی تھیں تو آپ نے باطل کا دندان شکن جواب دے کر حق کی صحیح راہ کو واضح کیا ناموسِ رسالت کے چراغ کو روشن کرنا اور باطل عقائد کا منہ توڑ جواب دینا یہ باتیں آپ کے ضمیر و خمیر میں داخل تھیں۔ جب باطل اہلِ قرآن کی صورت میں ظاہر ہوا جو علانیہ طور پر احادیث کا انکار کرتا تھا آپ نے احادیثِ مقدسہ کی حرمت و ناموس پر کیے گئے حملوں کا دفاع کر کے تاریک دلوں کے ویرانوں میں حقیقت و یقین کا اُجالا پھیلایا۔ جب دہریت نے سر اٹھایا تو کتاب ‘العقل’ تالیف کی جس کے ذریعہ باطل کا سر قلم کیا۔ اللہ کے حبیبؐ اور انبیائے کرامؑ کے ساتھ بے ادبی نے زور لگایا تو "انوارِ محمدیؐ" کے ذریعہ اس گمراہ طاقت کو کچل دیا۔ جب قادیانیت نے آگے بڑھنے کی کوشش تو "انوار الحقؒ" اور "افادت الافہام" کے ذریعہ اس گمرہی کے قدم کاٹ دیے۔ اس کے باطل

وفاسد تاویلات کو "دلائل قاہرہ" و "براہینِ ساطع" سے تارِ عنکبوت کی طرح دھجیاں اڑادیں اور جب بداخلاقیوں بداعمالیوں کے تاریک بادل چھانے لگے تو آپ نے "مقاصدِ الاسلام" کتاب سے اس تاریکی کو دُور فرمایا۔ اور اعمالِ صالح اور اخلاقِ حسنہ کی روشنی پھیلائی۔ رسول ؐ خدا کے عظمت والے صحابۂ کرامؓ کی شانِ مبارکہ میں نکلنے والی گستاخانہ زبانوں کو "مقاصد الاسلام" حصّہ ششم کے ذریعہ روک دیا۔ اور غیر مقلدانہ طاقتوں نے اسلام کے عظیم الشان رہنماؤں کے دامن سے قوم کو جدا کرنے کی کوشش کی تو آپ نے "حقیقۃ الفقہ" نامی کتاب سے ان بدمذہب طاقتوں کو زیروزبر کردیا اور "اتقوا فراسۃ المومن" کے مطابق ملّتِ اسلامیہ اور اس کے عقائدِ صحیحہ کی حفاظت و صیانت کے ذریعہ مستقل توازن برقرار رکھنے کے لیے حضرت شیخ الاسلام، عاشق رسول ؐ نے مجلسِ اشاعت العلوم کے نام سے ایک ایسا ادارہ قائم کیا جو صرف اسلامی تحقیقی تصانیف شائع کرے۔ اس ادارے سے اب تک ایک سو سے زیادہ تحقیقی کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور بعض کتابیں مقبولِ عام ہوکر بار بار چھپ چکی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام ہی کی ذاتِ بابرکات تھی جس نے ریاست میں کتب خانۂ آصفیہ قائم کیا جو آج کل اسٹیٹ سینٹرل لائبریری کہلاتی ہے۔ جو شہرِ حیدرآباد میں ہی نہیں پورے ملک میں امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ و نیز دائرۃ المعارف عثمانیہ کے قیام پر زور دیا۔ قیام کی اصل وجہ یہ تھی کہ عربی علوم و فنون کی بے بہا کتابیں طباعت سے آراستہ ہوکر عام استفادہ کے لیے اہلِ ذوق تک پہنچ جائیں۔ شیخ الاسلام نے اس ادارے سے سب سے پہلے حدیث کی جامع اور ضخیم کتاب "کنز الاعمال" طبع کروائی۔ آج بھی یہ ادارہ عالمگیر سطح پر قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ جہاں ایسی سینکڑوں نادر و قیمتی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ نیز آپ نے خدمتِ شرعیہ اور اصلاح المسلمین کی انجمن قائم کیں اور بزرگوں کی مزارات پر اعراس کے موقعہ پر طوائفیں مجرا کیا کرتی تھیں آپ نے اس لعنت کو دور کیا۔

المختصر حضرت شیخ الاسلام انوار اللہ فاروقی نور اللہ مرقدہٗ کی ملّی اور دینی کی بے مثال خدمات لازوال ہیں۔ اس مردِ حق نے جو اصلاحی اور دینی ماحول کو ایک خاموش انقلاب سے آشنا کیا اس کا اثر آج بھی قائم دائم ہے۔ آپ فقہ میں ثانی امام ابوحنیفہ تو حدیث میں امام بخاری و مسلم اور قضاۃ میں امام ابو یوسف اور مطالعہ میں امام محمد دکھائی دیتے ہیں۔

سرزمین دکن کا یہ مصلحِ اعظم آفتابِ دکن۔ عاشقِ رسول ؐ نے اپنی ساری زندگی ملّت اسلامیہ

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

پیش کش:-
جمیل احمد۔ ببیوری

نعتِ شریف

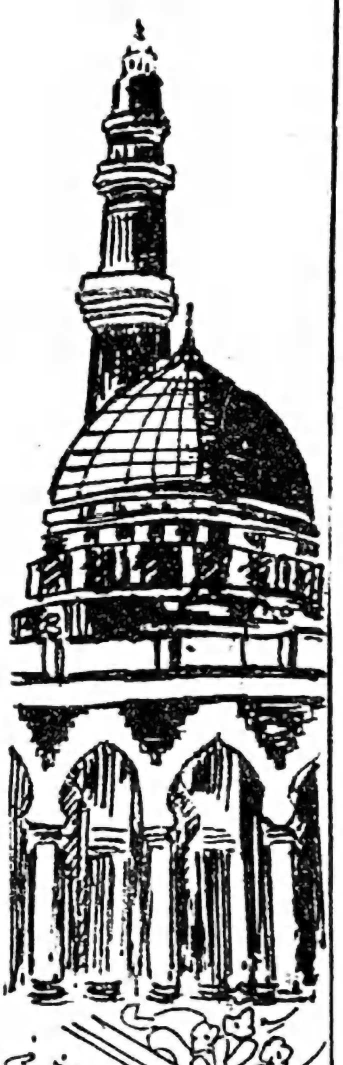

ہے گمان و وہم سے بھی نہاں وہ ضیائے حسنِ رسولؐ ہے
یہ جو آسماں پہ ہے کہکشاں شہِ دیںؐ کے پاؤں کی دھول ہے
وہ جو قربِ ربّ کا وسیلہ ہے وہ جو مغفرت کا قبالہ ہے
وہ جو نعمتوں کا خلاصہ ہے وہ جہاں میں عشقِ رسولؐ ہے
وہ اصولِ زندگیِ جہاں کہیں جس کو نعمتِ دو جہاں
وہ جہاں میں سرورِؐ دو جہاں کی ہی زندگی کا اصول ہے
یہ مجالِ تابِ بشر کہاں کریں ان کی حد کا کوئی بیاں
کہ مکاں سے گئے وہ لامکاں جہاں کوئی عرض نہ طول ہے
یہ ضیائے وقت ہے سربسر کہ ہو عمر وقفِ گل و شجر
نہ ہو شعر نافعِ روح اگر آیہ شوق شوقِ فضول ہے
یہ وظیفہ ربّ کا تو سُن سہی یہ ہے حکمِ ربِّ قدیر بھی
صلّوا علیہ و آلہٖ، تری ساری نیکی قبول ہے
تو وحید فکر نہ کر ذرا ترا اشرفیہؒ ہے سلسلہ
یہاں قادریہؒ و چشتیہ کی عنایتوں کا نزول ہے

از
ڈاکٹر سید وحید اشرف اشرفی
صدر شعبۂ عربی، فارسی و اردو
مدراس یونیورسٹی۔ مدراس

اَوْلِیَآءُ اللّٰہِ

اے۔ کے علی اکبر قادری
فی زمرة دورة الحدیث
متعلم دار العلوم لطیفیہ۔ ویلور

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الکریم۔

اما بعد! ماسوی الباری تعالیٰ هو العالم۔ والله خالق ما سواه مخلوق۔ ومن مخلوقه الجمادات والنباتات والحیوانات، وفی الحیوانات من ینطق ومن لا ینطق، ومن ینطق هو الانسان. فطرة الانسان علی الاسلام، ویختلف هو واعتقاده باحواله الموصلة الی الاختلاف مثلاً کفره تبعًا لابویه۔

فان کان ثابتًا علی اسلامیه ونشافیه، وبلغ وتعلق تکلیف الشرع به، فمن تخلف من اوامر التکلیف ونواهیه فسبیله ضیق، والبحث عنه کثیرة جدًّا ولیس هذا بمقامٍ

فمن تقدم بالتکلیف واخذ الاوامر وترك النواهی فهو فی رضی الله وسبیله و هذا الذی تقدم وتعلم، وعمل، واجتهد غایة الجهد فی الفرائض واتمامه بالنوافل وفی جمیع مطلوبات الشرع هو راسخ فی وجه الله و متمسكٌ بحبله۔

ومن حاله کذالك وزهد فی الدنیا ورغب فی الآخرة وامتثل الاوامر واجتنب النواهی، وکان مِمَّنْ احَبَّه الله وقرب الیه بذالك کله، فهو الولیّ و ذالك المراد۔ یقوله تعالیٰ: اِن اولیآءه اِلّا المتّقُونَ: [انفال) لان من معانی التقوی امتثال الاوامر واجتناب النواهی، کما بین فی الکتب المتداولة۔

والاولیاء هم العارفون بالله تعالیٰ حسب ما یمکن المواظبون علی الطّاعات المجتنبون للمعاصی المعرضون عن الانهماك فی اللذّات والشّهوات. [جمع الجوامع]

وفهم من هٰهُنا ان من انکر الشریعة وادعیٰ ولایته فهو علی غیر حق ودعوتهٗ باطل لا محالة ومن لم ینکر ولم یطع ولم نری العبادة من ظاهر احواله فلا نقول انه خارج من الحق، لانّ الاعتماد علی الفعل لا علی رؤیتنا۔

الفرق بين الحق والباطل

- و ينبغي ان يعلم في زماننا هٰذا امرًا وذالك اذا انظرنا الى حوالى العالم نرى كثيرًا من يعرف بالولاية والرفعة و الدرجات العالية - واذا انظرنا إلى حقيقتها فهمنا كثيرا منهم فسادا ومفسدا بالافعال والاقوال الباطله - مع ان ظاهرهم غاية قوب الاله - وذالك بالسحر والمكر وبنصرة الشياطين والامر الباعث اليه هو القبول من العوام وجمع المال بلاكسب لاشغل لان من له رفعة وولاية وهو للعامي بمنزلة مربيه - فيجيئ اليه لجميع حوائجه ومقاصده وشفاء اسقامه ويمكن له بجميع النصرة غاية التمكين وهو لعدم درايته حقيقة الاحوال يتبع في جميع الامور به -

فلنا ان نفرق بين الحق والباطل - وذالك يظهر من معنى الولي - لان الاهم منها امتثال الاوامر واجتناب النواهي ومن امتثل واجتنب ومآل احواله اليه وامال من يتعلق به ايضا اليه فهو على حق ومن لا، وفسر ظواهر الشريعة على غير ما هي عليه، وتركها ووعظ مَن يتعلق به بتركها او رغبهم في تركه او شغلهم في مخالف الشريعة وهو على غير حق وليس لنا للتفرقة وجه إلّا هٰذا والتّلوث عنه خير بالنسبه الينا - الا اذا رأى العالم فسادا او منكرًا فله جحدها وجحد من بها -

وعن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انّ الله تعالىٰ قال من عادىٰ لي وليًّا فقد اٰذنته بالحرب وما تقرب اليّ عبدي بشيءٍ احب اليّ مما افترضت عليه ومايزال عبدي يتقرب اليّ بالنوافل حتّى أُحبّهُ - فاذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها وان سألني اعطيته ولئن استعاذني لاعيذنه (بخاري)

قال الطُوفي: الامر بالفرائض جازم ويقع بتركها المعاقبة بخلاف النفل في الامرين وان اشترك مع الفرائض في تحصيل الثواب - فكانت الفرائض اكمل فلهذا كانت احب الى الله تعالىٰ واشد تقريبًا والفرض كالاصل والاسّ والنفل كالفرع والبناء - وفي الاتيان بالفرائض على الوجه المامور به امتثال الامر واحترام الآمر وتعظيمه بالانقياد اليه واظهار عظمة الربوبية وذل العبودية - فكان التقرب

بذالك اعظم العمل۔ والذی یؤدی الفرائض قد یفعله خوفا من العقوبة۔ ومؤدی النفل لایفعله الا ایثارا للخدمة۔ فیجازی بالمحبة التی هی غایة من یتقرب بخدمته

(هامش ریاض الصّالحین)

فیوخذ من هذا الحدیث وبیانه مراد والولی ایضا هو التقرب الی الاله بالفرائض واتمامه بالنوافل۔ هو نفس امتثال الاوامر واجتناب النواهی وهو عین الشریعة۔

فعلم من هٰهُنا ان الولایة والدرجة العالیة لایمکن اِلّا باتمام الشرائع۔

قال ابو یزید البسطامی: لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتّٰی یرتقی فی الهواء فلا تغتروا به حتّٰی تنظروا کیف تجدونه عند الامر والنهی وحفظ الحدود واداء الشریعة وقال ابو یزید ایضًا (لتلمیذه) قم بنا حتّٰی ننظر الی هذا الرجل الذی قد شهر نفسه بالولایة وکان رجلا مقصودًا مشهورا بالزهد فمضینا الیه فلما خرج من بیته ودخل المسجد رمی ببصاقه تجاه القبلة۔ قال فانصرف ابو یزید رحمه الله ولم یسلم علیه وقال هٰذا غیر مأمون علی ادب من آداب رسول الله صلی الله علیه وسلم فکیف یکون مأمونًا علی ما یدعیه؟ (الرسالة القشیریه)

فالمفهوم من ذالك کله ان من لا له شریعة وادعی ولایة لیس علی حقیقته۔ والله اعلم۔

الجذب

وهٰهُنَا امر مهم هو الجذب۔ والولیّ اذا اخلص فی ذکر الله فقط وکان جمیع اموره للّٰهِ وفی الله وبالله وعلی الله ومن الله وهٰکذا۔ کان فی غایة الحبّ والقرب الی الله وفکره وذکره وتدبره کل الی الله۔ فکل شیٔ فی عینه وقلبه هو الله۔

فیقول فی بعض احیانه "انا الله"، "ما فی قلبی الّا الله"، "ما فی صدری الّا الله"، "ما فی جسدی الا الله" هٰکذا!... فهو مجذوب فی سبیل الله ومجنون فی عیون الناس ففی بعض احیاتهم یصلی ویصوم ویفعل الاوامر۔ وفی بعض لا۔ ومالنا الجحودُ فی هذه الاحوال۔ لان قلوبهم مقلوب بفکر الالٰهُ الرحالة لا ندری کیفیتها۔ فلا یتعلق بهم احکام الشریعة۔ لعدم تکلیفهم بها کغافل ومجنون۔ ولا نقول عنه هو

منكر. وتارك للشرائع.

كرامات اولياء

وكرامات الاولياء حقّ بالنّقل والعقل وثابت بآيات القرآن واحاديث النبوية وآثار العلماء فالآن نشرع فى بيانها.

والاولياء الكرام هم احباء الله واقرباءه ولاجل غاية حبهم وقربهم الى الله احبهم الله وكرمهم واعطيهم مايدل على عظمتهم كخوارق العادات. كما اعطى المعجزة للانبياء عليهم السلام ولكن اسم ما اعطى للاولياء كرامة. فالفرق بين المعجزة والكرامة لفظى والمقصود واحدٌ ويدل على هذا عبارة. "ماجاز ان يكون معجزة لنبيٍ جاز ان يكون كرامة لولى. لا فارق بينهما اِلّا التحدّى. (جمع الجوامع)

وهذا ايضاً من عموم حديث: "العلماء ورثة الانبياء" لان المراد بالعلماء فى هذا الحديث حقيقة الاولياء الكرام. ويؤيده قول الصوفية "العلم نورٌ يقذفهٗ الله فى قلب العبد المؤمن" ويؤيده ايضاً. قول الشافعى رضى الله تعالىٰ عنه: شعر

شكوت الى وكيع سوء حفظى   واوصانى بترك للمعاصى
وقال العلم نور الله حقّا   ونور الله لا يعطى لعاصى

ولامرية ان اولياء الله الكرام قلوبهم صافيه عن المعاصى ومنوّر بالنّور الربّانية الجليبة وهل الفرق بين المعجزة والكرامة لفظى ام معنوى؟ فيه اختلاف الى شتّى. وتقرير وتفصيل للعلماء لايسع هذا المقام لبيانها.

وكرامات الاولياء ثابت بدلائل واضحات كما ذكرنا آنفاً. منها ما فى سورة مريم "وهُزّى اليكِ بجذعِ النّخلةِ تُساقِط عليكَ رُطباً جَنِيًّا فكُلى وَاشربى وَقرّى عَينًا

ومنها فى سورة الكهف:

وَ اِذا اعتزلتموهُمْ وَمَا يعبدون اِلّاالله. فأوُوا اِلى الكهف يَنشر لكم ربّكم من رحمته ويهيّئ لكم من امركم مرفقا. وترى الشّمس اذا طلعت تزاوَرُ عَنْ كهفهِم ذات اليمين. واذا غربَت تقرِضهم ذات الشّمالً ومنها ما فى السورة النمل قال الذى عنده علمٌ من الكتاب اَنَاآ تيك بهٖ قبلَ ان يرتدّ اليك طرفك فلمّا راٰهُ

مستقراً عندهُ قال هذا من فضل ربّي۔ ومنها في سورة عمران: كُلَّمَا دخل عليها زكريا المحراب وجد عندها رزقًا قال يامريم اَنّى لكِ هذا قالت هو من عند الله اِنّ الله يرزق منْ يشآءُ بِغيرْ حساب۔

ومنها احاديث:۔

عن انس رضي الله تعالىٰ عنه ان رجلين من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خرجا من عند النبي صلى الله عليه وسلم في ليلة مظلمة ومعهما مثل المصباحين بين ايديهما فلما افترقا صار مَعَ كل واحد منهما واحد حتّٰى اتى اهلهُ۔ (بخاري)

وهٰذا الحديث يدُلُّ علىٰ كرامة وقع لاُسيد بن حضير وعباد بن بشر رضي الله تعالىٰ عنهما: وفي حديث انس بن مالك رضي الله عنه ان من عباد الله من لواقسم علىٰ الله لابره (بخاري) قال العلماء والمراد بعباد الله في هٰذا الحديث الاولياء الكرام وثبت به ايضاً۔ اجابة مسئلتهم وثبوت مقاصدهم:

ومنها قول جلال الدّين المحلي في شرحه لجمع الجوامع:

" وكرامات الاولياء حقّ اى جائزة واقعة كجريان النيل بكتاب عمر رضي الله تعالىٰ عنه، ورؤيته وهو على المنبر بالمدينة جيشه بنهاوند حتى قال لامير الجيش ياساريه الجبل الجبل محذرًا له من وَرَاءِ الجبل لكمن العدوّ هنالك وسماع سارية كلامه مع بعد المسافة وكشرب خالد رضي الله عنهُ السّم من غير تضرر به وغير ذالك مما وقع للصحابة رضي الله عنهم وبغيرهم۔ (جمع الجوامع)

والحديث الذي ذكرنا عن ابي هريرة رضي الله عنهُ ايضًا حجة قاطعة في اثبات كرامات الاولياء۔ لان قول الله سبحان جلّ ذكره تعالىٰ: فإذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به: الخ: معلم ان جميع افعال واقوال اولياء الله واقربائه هو من عند الله۔

واذا تقرر هذا فما العجب في كرامتهم العجيبة؟

لان جميع افعالهم فعل الله تعالىٰ وهلّا للخالق قدرة الخلق؟ وهلا للرزاقِ قدرة الرزق؟ وهلّا للمحيى قدرة الاحياء؟ وهلّا للمميت قدرة

الامانة ؟ فالمماثلة الموهومة بین الالٰه وهٰؤلاء العبادِ مدفوعٌ .. بأنّ اللّٰه تعالیٰ قادرٌ ومقتدرٌ بنفسه وهم مقتدرون بقدرة اللّٰه فقدرة اللّٰه قدرة بالنفس وقدرة العباد۔ قدرة بالغیر -

هذا هو الفرق بینهما وهذا هو اعتقادُ اهل السنة والجماعة

اللّٰهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، واحینا علی السنة والجماعة

نعت شریف

ڈاکٹر حکیم سید افسر باشاہ قاسمی۔ گڑیاتم

مل گیا ہے مجھے اب سہارہ
آنکھیں خیرہ زتاب نظارہ
چھلکے پڑتے ہیں عاشق کے آنسو
جیسے دریائے ناپید کنارہ
ہو گئے ماہِ کامل کے ٹکڑے
میرے آقا کا جب ہوا اشارہ
بے وفا سے کہو منہ چھپا لے
جا رہا ہے وفا کا جنازہ
لے چلو پھر مجھے اب مدینے
بے قراری کا یہ ہے مداوہ
آگیا ہے تمہارے ہی در پہ
میرے آقا غلام اب تمہارا
دل میں سچی تڑپ ہو تو افسر
روز آقا کا ہوتا نظارہ

پیشکش : سید محمد جمال اللہ بادشاہ قادری

سلام بہ حضور خیر الانام ﷺ

علیم صبا نویدی

سرورِ ارض وسما، نورِ نبوت ﷺ پہ سلام
شانِ محبوبِ خدا، محسنِ امت پہ سلام
آج ہر سمت ہے قرآن کے جلووں کا سفر
رحمتِ شاہِ عرب، دین کی دولت پہ سلام
جلوہ فرما ہیں ہر اک سمت رسالتمآب ﷺ
نورِ لولاک ﷺ کی پھیلی ہوئی رحمت پہ سلام
گلشنِ دین یہاں جس کے سبب سے مہکا
ہے اسی شاہِ امم، شاہِ نبوت ﷺ پہ سلام
ذرّے ذرّے میں ہے پُرنور نظاروں کا سماں
حق کے دلدار کی پرنور عنایت پہ سلام
جس کی رحمت سے نویدی کا سخن روشن ہے
ہے اسی جوہرِ نایاب کی عظمت پہ سلام

پیشکش :-
ایم بی شیخ فضل اللہ۔ جنبی : درجۂ رابعہ

تبصرہ ذوقی

۴۳۔ قصیدہ در منقبتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

ترجمہ ڈاکٹر سید وحید اشرف

۱۔ اے بُتِ والاقدو روشن عذار　　چہرۂ تو سُرخ چو گل در بہار
اے بُتِ والاقدو روشن عذار　　تیرا چہرہ مثلِ گلہائے بہار

۲۔ غمزۂ تو تیر و من اورا ہدف　　آہوی تو شیر و دل اورا شکار
تیرا غمزہ تیر ہے میں ہوں ہدف　　آنکھ تیری شیر میرا دل شکار

۳۔ ما ہمہ زار تو، تو از ما نفور　　میزنی از دودۂ کاکل شرار
میں ترا گھائل ہوں تو مجھ سے نفور　　دودۂ کاکل سے پھینکے ہے شرار

۴۔ قامتِ والای تو رشکِ سہی　　خطِّ دل آسای تو رشکِ تتار
قامت والا ترا رشکِ سہی　　خطِّ دل آسا ترا رشکِ تتار

۵۔ ای پری از رُخ ببری برپری　　صد پری اندر سرت امسال و پار
تیرے چہرے پر پری ہے شیفتہ　　سیکڑوں پریاں ہوئیں تیری شکار

۶۔ رایتِ حُسنِ تو چون سر برفراخت　　بیرقِ خاور شدہ زو شرم سار
جب اٹھایا تونے جھنڈا حُسن کا　　ہوگیا سورج بھی اس سے شرمسار

۷۔ ہمچو کفِّ شہ لبِ تو دُرفشان　　رأی شہ آسا، رُخِ تو نور بار
لب ترے مثلِ کفِ شہ دُرفشاں　　رأی شہ آسا، ترا رُخ نور بار

۸۔ آن شہِ دین صاحبِ شوکت حسینؓ　　گوہرِ دریای فرّ و افتخار
وہ شہِ دین، صاحبِ شوکت حسینؓ　　گوہرِ دریای فرّ و افتخار

۹۔ داورِ بی ہمسر و شاہِ مثل　　یاورِ بافر و ماہِ اقتدار
داورِ بی ہمسر و شاہِ مثل　　یاورِ بافر و ماہِ اقتدار

۱۰۔ از تفِ تیغش دُرِ دریا شرر　　از صفِ جیشش دلِ انجم فگار
تف سے اس کی تیغ کے موتی شرر　　صف سے لشکر کے، دلِ انجم فگار

۱۱۔ گوہرِ تاجِ سرش اصلِ عُلا   گوہرِ چون گوہرش اصل وقار
اس کے تاجِ سر سے ہے اصل عُلا   اس کا گوہر حاملِ اصلِ وقار
۱۲۔ معدنِ احسان، دلِ پُر نورِ او   لجۂ بخشش کفِ آن تاج دار
معدنِ احسان ہے اس کا قلب نور   لجۂ بخشش کفِ دریا شعار
۱۳۔ مخزنِ معنیِ دلِ آن تاج ور   کاشفِ ہر سرِ لب آن شہریار
مغزنِ معنی دلِ پُر نور ہے   کاشفِ اسرار نطق شہریار
۱۴۔ ای شہ دریا دل و گوہر گہر   لمعہ ای از رایِ تو خورشید خار
اے شہِ دریا دل و گوہر گہر   آپ کی اک رای ہے خورشید خار
۱۵۔ ذوقیِ دون مدحِ تو گوید مدام   بوکہ دزدیدگی او بار رہ بار !۔ !
ذوقیِ دوں آپ کا مداح ہے!   کشف اس پہ ہو مگر اسرارِ کار
۱۶۔ تا بود اختر بشب اعزاز منہ   خصم تو بادا ہم بادا خوار!
رات کو جب تک ستارے ہوں طلوع   آپ کے دشمن رہیں بادا خوار

علمی، دینی، اصلاحی اور معلوماتی

اللطیف

ویلور

إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ

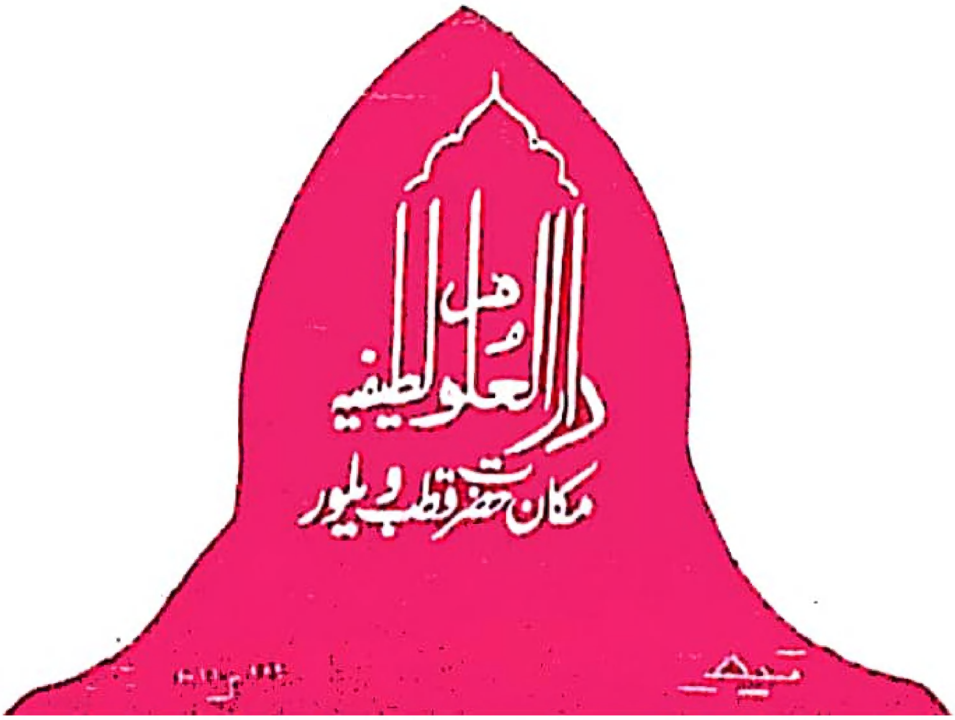
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور